إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی

اللطیف

ویلور

دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

2004

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سالنامہ
۱۴۲۵ ہجری
2004ء

اللطیف ویلور

۴۳ واں
شمارہ

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین مکانِ حضرت قطب ویلور

مولانا مولوی ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری المعروف بہ میراں پاشاہ

رحمۃ اللہ علیہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخِ اجراء: ۱۰ ر شعبان المعظم ۱۴۲۵ سنہ ہجری مطابق 26 ر ستمبر 2004 سنہ ء بروز اتوار

● زیرنگرانی:

مولانا مولوی ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری ایم اے، پی ایچ ڈی، بی کام، ادیب فاضل

ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری ادیب فاضل (مدراس) نائب ناظم

دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان، ویلور

● زیر ادارت:

مولانا مولوی پی محمد ابو بکر بلبیاری لطیفی قادری قمریؔ۔ مدرس دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان۔ ویلور

مولانا مولوی حافظ ڈاکٹر ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری لطیفی ایم اے، پی ایچ ڈی استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور

● نمائندگانِ طلباء:

۱	حافظ فیاض احمد	ترپاتور	ٹمل ناڈو
۲	اے۔ وی۔ محمد شریف	کنور	کیرالا
۳	ایم۔ پی۔ نجیب	کوئی کوڈ	؍؍
۴	ایم۔ پی۔ محمد فیصل	ملہ پرم	؍؍
۵	کے۔ شہاب الدین	ملہ پرم	؍؍
۶	حافظ محمد رفیع	سرسی	کرناٹک
۷	ٹیپو سلطان	بلہاری	؍؍
۸	سید عبد القادر	چتور	آندھرا
۹	عبد اللہ	وانمباڑی	ٹمل ناڈو

فہرستِ مضامین سالنامۂ اللطیف ۱۴۲۵ھ م 2004

قطعاتِ امجد

حضرت امجد حیدرآبادی

گھر دار

بیوی بچے تڑپ رہے ہیں
فاقوں سے ہر اک کا حال ہے زار
گھر دار بنا ہوا ہے بالکل
گھر دار کو سچ کہا ہے گھر دار

عذابِ لذت

اب نہ دورِ شراب باقی ہے
اب نہ زورِ شباب باقی ہے
لذتیں ختم ہو چکیں ساری
لذتوں کا عذاب باقی ہے

صوفی

آیا ہے زمانۂ ترقی
گندہ بندہ خدا ہوا ہے
ایمان سے دل کو صاف کر کے
امجد صوفی بنا ہوا ہے

○

میں نے اک روز ڈرتے ڈرتے پوچھا
اے خالقِ دو جہاں والے عرش پناہ
کیا میرے گنہ بخش دیے جائیں گے
اللہ نے فرمایا کہ: اِن شاء اللہ

رباعیاتِ سرمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

ہر نیک و بدے کہ ہست دیدم ہمہ را
ہر خار و گلے کہ بود چیدم ہمہ را
آمد بنظر عیار ہر کس کم و بیش
ہر سنگِ محک چو زر کشیدم ہمہ را

ہر نیک کو اور بد کو میں نے دیکھا
ہر پھول کو ہر خار کو توڑا سمجھا
ہر شخص کا رنگ تھا نرالا کم و بیش
سونے کی طرح جب کہ کسوٹی پہ کسا

از باد صبا خواست دلم بوئے ترا
چشمم ز چمن جست گلِ روئے ترا
آخر نہ ازیں دو چار گشتے نہ از آں
اندیشہ نشاں داد رہِ کوئے ترا

دل چاہتا ہے صبا سے خوشبو تیری
خواہاں ہے چمن میں آنکھ گلِ رو تیری
لیکن نہ ہوا حصول کارِ دل و چشم
اندیشہ نے دکھلائی رہ کو تیری

مناجاتِ قربی

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ
حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربیؔ علیہ الرحمہ

الٰہی بھکاری ہوں تجھ دار کا — گھِر آیا ترے در پو لے بار کا
محمدؐ کا صدقہ مجے کر عطا — نہ محروم کر مجھ کرم سوں اتا
کریماں منگے بن دلاتے ہیں بھیک — طلب سوں زیادہ لجاتے ہیں بھیک
ہیں تیرے کرم کے اُپر دھر نظر — محمدؐ کا صدقہ منگیا عرض کر
کرم پر تیرے بھیک لازم کیا — میری بھیک توں بیگ بی کر دیا
نبیؐ کی محبت سوں تن میں رکھیا — ہیں صدقہ ترے پاس اس کا منگیا
منگیا ہوں میں صدقہ ترے دوست کا — یوں منگنے پو میرے ہوا ہے سکا
یہاں میرے اوپر مقرر ہوا — کہ تیرا عطا مجھ میسّر ہوا
محبت کی شمشیر دے دھاتیں — سپر معرفت کا دے اس سات میں

بھی سنّت کی جمدھر کمر میں لگا
کہ اس دشمناں کو کروں میں فنا



پیشکش:-
حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری تسطاری المعروف بہ ہلال پاشاہ ایم۔اے
نائب ناظم دارالعلوم لطیفیہ۔حضرت مکان ویلور

افتتاحیہ

✡ ادارہ

آج ساری دُنیا میں تشدد اور جنگ کے خلاف آواز اٹھائی جارہی ہے اور ہر چھوٹا بڑا ملک تشدد کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روکنے کی کوشش کررہا ہے اور ہر ملک کی عوام چاہتی ہے کہ اس کے وطن کی زمین، امن کا گہوارہ بن جائے اور انسانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کو پوری طرح سے تحفظ ملے۔ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی دنیا ظلم وتشدد کے ایسے ہی حالات سے گزررہی تھی۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اس زمانہ میں بے علمی وجہالت کے زیر سایہ ظلم وتشدد پروان چڑھ رہا تھا۔ اور آج علم وفن، تعمیر وترقی اور امن کے عنوان سے تشدد اور تخریب کا سلسلہ جاری ہے۔ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے قبائلی نظام قائم تھا۔ قبیلوں کے سردار ہی سیاہ وسفید کے مالک تھے۔ آج جمہوری نظام کے عنوان سے سرمایہ دار ملک سیاہ وسفید کے مالک بنے بیٹھے ہیں اور پھر سے جاہلیت جدیدیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے لوٹ آئی ہے۔ ان حالات میں نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اقدامات اور اصلاحات کی سخت ضرورت ہے۔

بعثت سے پہلے نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر قبیلوں کے سرداروں اور سمجھ دار لوگوں کو جمع کیا اور ایک انجمن تشکیل دی جس میں بنوہاشم، بنواسد، بنوزہرہ اور بنوتمیم شامل تھے اور سب سے یہ اقرار لیا کہ وہ سب مل کر ملک سے بدامنی کی فضا کو ختم کریں گے۔ مسافروں کی حفاظت کریں گے۔ غریبوں اور کمزوروں کی مدد کریں گے۔ زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے نہیں دیں گے۔

نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس اقدام کی وجہ سے سارے انسانوں کی جان ومال کی بہت کچھ حفاظت ہوگئی۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد بھی کہا کرتے تھے۔ اس طرح کے رفاہی وتعمیری اور فلاحی کام انجام دینے والی انجمن کی جانب سے آواز آئے تو سب سے پہلے میں اس کی امداد کے لیے تیار ہوں۔

بعثت کے بعد ملک اور قوم نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ظلم واستبداد کے پہاڑ ڈھائے محض اس لیے کہ آپؐ نے کہا ایک خالق کی پرستش کرو اور انسان بن کر زندگی گزارو۔ نبیؐ کریمؐ توحید اور انسانیت کا یہی پیغام دینے کے لیے طائف بھی پہنچے۔ وہاں بھی آپؐ کو ظلم وتشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں کے سرداروں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا کہ جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم وعظ کہنا شروع کردیں تو پتھر پھینکیں۔ چناں چہ ان لڑکوں نے اتنے پتھر پھینکے کہ حضور اکرمؐ لہولہان ہوگئے اور بے ہوش ہوجاتے ہیں

لیکن اپنی زبان مبارک سے بددعا کا ایک جملہ بھی نہیں نکالتے ہیں۔

حضور اکرم اور آپؐ کے مصاحبین و متبعین پر مکہ کی زمین تنگ ہوگئی تو سب نے اس شہر کو خیرباد کہا اور مدینہ منورہ میں بود و باش اختیار کرلی۔ مدینہ منورہ کی زندگی میں نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ نے متعدد لڑائیاں لڑیں۔ جن کی تعداد دس بارہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور یہ لڑائیاں بھی دس سال کے عرصہ میں وقوع پذیر ہوئیں۔

اسلام کی تعلیمات کا نوے فی صد حصہ امن و آشتی، صلح و صفائی، عفو و درگزر سے متعلق ہے صرف دس فیصد حصّہ جنگ اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے اور اس باب میں بھی جزیہ کی صورت بھی رکھی گئی ہے۔ جو غیر مسلم اقوام کے لیے پُرامن زندگی کی ضمانت اور اس کی بڑی تفصیلات ہیں۔ سورۂ مائدہ میں کہا گیا ہے: من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا
جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فتنہ و فساد کرنے والا، قتل کرڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور شخص کسی ایک کی جان بچالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔

سورۂ شوریٰ میں کہا گیا ہے: والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون۔ وجزاء سیئة سیئة مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب الظلمین۔ ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیھم من سبیل۔ انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق۔ اولئک لھم عذاب الیم ط

اور جب ان پر ظلم اور تشدد ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اس جیسی اتنی ہی برائی ہے اور جو معاف کردے اور اصلاح کرلے (اور صلح کرلے) اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ فی الواقع اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر (الزام کا) کوئی راستہ نہیں۔ یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں، جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت طیبہ میں انسان کے مزاج اور نفسیات سے متعلق روشنی ہے۔ جس شخص پر بھی تشدّد کیا جائے تو وہ بھی تشدد کا جواب تشدد ہی سے دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ بھلے سے اس کے اندر بدلہ و انتقام اور دفاع کی قوت نہ ہو۔ جیسے کہ ایک بلّی کتّے پر حملہ کردیتی ہے: کسنور یغلب علی الکلب اور یہ تشدد دفاع کی آخری صورت ہے۔ آخر الحیل السیف

اسی لیے اسلام نے مظلوم انسان کو یہ حق دیا کہ وہ ظلم کا دفاع کرے۔ اگر بدلہ لینا چاہے تو بدلہ لے لے۔ یہ دراصل قانونِ فطرت ہے جس کی ترجمانی اسلام نے کی۔ اس قانونی جواز کے باوجود بھی عفو و درگزر کو اہمیت دی گئی ہے۔ اور قدرت ہونے کے

باوجود معافی کو ترجیح دی گئی۔ تعلیم کا عملی نمونہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے پیش فرمایا۔

ایک یہودی شخص لبید بن عاصم نے آپؐ پر سحر کیا۔ جس کا اثر آپ پر کئی دن رہا۔ پھر حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ مذکورہ شخص کی نشان دہی ہوی۔ آپؐ نے اس سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔ اسی طرح ایک یہودیہ خاتون نے آپؐ کے کھانے میں زہر ملادیا تاکہ آپ ختم ہو جائیں۔ آپ نے اس عورت سے بھی کوئی بدلہ نہیں لیا۔ حالاں کہ اس زہر کی تکلیف آپؐ کو دم واپسیں تک رہی۔

آپؐ نے مکہ مکرمہ فتح کیا۔ وہاں کے لوگ آپؐ کے خون کے پیاسے تھے۔ آپؐ کو شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا آپؐ پر طرح طرح کے ظلم وستم کئے تھے۔ آپؐ کو پوری قدرت تھی ہر ایک سے حساب چکا سکتے تھے لیکن آپؐ نے سب کو عام معافی دے دی۔

لاتثریب علیکم الیوم فاذهبوا انتم الطلقاء۔

جنگ کے زمانے میں ایک فریق کے دوسرے فریق کے ساتھ جو جذبات واحساسات اور خیالات واقدامات ہوتے ہیں، وہ کسی بھی ذی علم اور صاحبِ شعور آدمی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ایسے موقعہ پر فریق ثانی کو جانی ومالی نقصان پہنچانے کا جذبہ غالب رہتا ہے اور یہ حالت وقتی اور عارضی ہوا کرتی ہے۔ اس کے بعد جو جذبات واحساسات ابھرتے ہیں ان میں نمایاں فرق دیکھنے میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک جگہ مشرکوں سے متعلق یہ آیت موجود ہے: واقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم ظاہر ہے اس حکم کا اطلاق ان مشرکوں پر ہوگا۔ جو جنگ کے دوران مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں۔ اس سے وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جو دوسرے خطہ میں غیر جانب دار ہیں یا ذمی ہیں۔ اب اگر کوئی صاحب قرآن کریم کی مذکورہ آیت کو جس کا تعلق ایک خاص وقت اور ایک مقام سے ہے اس کو عام قرار دیتے ہوئے یہ بات کہیں کہ اسلام غیر مسلموں کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہے تو کیا یہ بات اسلام کی عام تعلیمات و ہدایات سے میل کھاتی ہے۔ جس مذہب کے داعی نے یہ بات کہی: الخلق عیال اللہ واحب الی اللہ من احسن الی عیالہ: سارے انسان خدا کا کنبہ ہے اور خدا کے نزدیک وہ آدمی محبوب ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہو۔

اور جس ذات گرامی نے اپنے متبعین سے فتح مکہ کے موقعہ پر یہ بات کہی: جو شخص ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کرو۔ جو حرم شریف میں چلا جائے یا اپنے گھر میں بیٹھا رہے تو اسے چھوڑ دو۔ جو بھاگ جائے اس کا پیچھا مت کرو۔ کسی قیدی کو قتل نہ کرو۔

غزوۂ بدر کی بات ہے کہ ایک رات آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کے خیمہ سے کراہنے کی آواز سنائی تو وہاں پہنچے

گرفتار شدہ لوگوں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان کی رسیاں کھول دیں۔

اس قسم کا کردار نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تک محدود نہ تھا۔ بلکہ آپ کے متبعین بھی اسی روش پر گامزن رہے حضرت ابوبکرؓ نے ایک جنگ کے موقعہ پر اعلان کیا :

عورتوں اور بچوں اور ضعیفوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ غیر مسلم عبادت گاہوں کو نہ ڈھائیں اور ان میں موجود راہبوں اور عبادت گزاروں کو ایذا نہ پہنچائیں، پھل دار اور سایہ دار درختوں کو نہ کاٹیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ و جدال اور تشدد و سختی کو کبھی پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمائی کہ دشمن سے لڑنے کی خواہش نہ کرو اور اللہ سے یہ دعا کرو کہ امن کی فضا ہمیشہ قائم رہے۔ لا تتمنوا القاء العدو وسئلوا اللہ العافیۃ ط

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کی شناخت ہی یہ بتلائی کہ مومن تو وہی ہے جو انسانوں کا خون نہ بہائے اور ان کے اموال نہ لوٹے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب و ذہن پر تشدد اور تکبر و برتری کو ختم کرنے کی فکر کس قدر چھائی ہوئی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں خصوصیت کے ساتھ لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے فرمایا: اللہ کی زمین میں اور اس کے بندوں میں تکبر اور برتری کا رویہ اختیار نہ کرنا۔ اللہ نے مجھے اور تمہیں فرمایا: تلک دار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین: آخرت کا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین پر ظلم و تشدد نہیں کرتے اور فساد نہیں پھیلاتے۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام امن پسند مذہب ہے اور اس کے داعی سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لیے سراپا رحمت ہیں۔ اسلام میں جہاد کا تصور ضرور موجود ہے اور اس حصہ کو معطل اور کالعدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے لیے مخصوص حالات ہیں اور اس کے مخصوص احکام اور مخصوص اغراض ہیں جن کی تفصیلات اور تشریحات پر ایک کتب خانہ وجود میں آچکا ہے۔

موجودہ زمانہ میں بعض مسلمانوں کی جانب سے پیش آنے والے تشدد کے واقعات سے یہ جو نتیجہ اخذ کیا جا رہا ہے کہ اسلام تشدد کی حمایت کرتا ہے اور اس کی تعلیمات سے خوں ریزی و غارت گری اور دہشت گردی کو شہ ملتی ہے۔ یہ ایک غیر جانب دارانہ اور حقیقت پسندانہ تجزیہ نہیں ہے۔ آج غیر مسلموں کی جانب سے تشدد کے واقعات پیش آرہے ہیں۔ جن میں مختلف

مذاہب کے ماننے والے ہیں۔ اگر کسی یہودی یا عیسائی وغیرہ سے تشدّد پھوٹ پڑے تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کی تعلیمات سے تشدّد پھیل رہا ہے؟ اور ان کی تعلیمات کی تدریس میں تبدیلی اور اضافہ کی ضرورت ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تشدّد کے واقعات کے پیچھے مذہب نہیں سیاست ہے۔ چناں چہ کہیں اقتدار مطلوب ہے تو کہیں توسیع پسندی، کہیں ذاتی انتقام ہے تو کہیں تشدّد کا جواب ہے۔ کہیں زر وسیم اور پیٹرول مطلوب ہے تو کہیں انا کی تسکین ہے۔ اور کہیں جائز حقوق کی تحصیل ہے تو کہیں صحیح مقاصد کی جانب غلط پیش رفت ہے۔ ان حالات میں تشدّد کے واقعات کا صحیح تجزیہ ہے کہ تشدّد کے واقعات کے اسباب وعلل تلاش کیے جائیں اور صحیح اقدامات کیے جائیں۔ یہی مسئلہ کا صحیح حل ہے۔

موجودہ حالات میں امّتِ مسلمہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیدار مغزی وزمانہ شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے، مفید اور صحیح عملی اقدام اٹھائیں اور اسلام اور مسلمانوں کی جو غلط تصویر پریس اور میڈیا میں پیش کی جارہی ہے، اس کا انسداد کرتے ہوئے دنیا کو اسلامی تعلیمات، اسوۂ نبوی اور اپنے تعمیری کردار سے روشناس کرائیں جو وقت کا اہم تقاضہ ہے۔

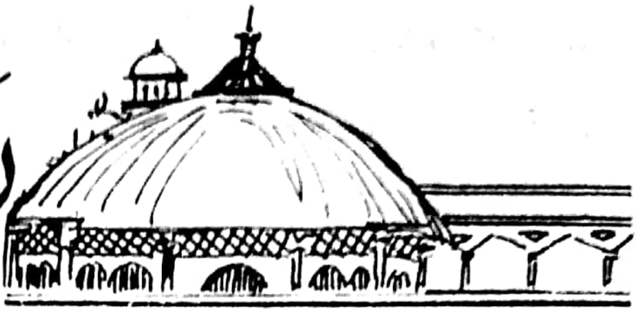
وماعلینا الا البلاغ۔

بقیہ "شریعت اور طریقت کی تعلیم" صفحہ 149 سے آگے۔

یہ مقطع کا شعر ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے کمالؔ پورا عالم آئینۂ حق ہے۔ جس میں حق سبحانہٗ کا جمال نظر آتا ہے۔ اس حقیقت کے آشکارا ہونے کے بعد اے کمال تجھے یہ بس ہے کہ ہر شئے میں جو مظہر ہے اور ذاتِ حق کا عکس ہے، مشاہدہ کرکے دیدِ حق کی لذّت پاتا رہے۔ ایک دوسری جگہ حضرت نے بہت خوب فرمایا ہے: ؎

دُنیا میں دیکھ مطلق دیدارِ حق تعالےٰ   بعد دخول جنّت ہے رویت مقید

دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہم سب برادرانِ طریقت کو اپنے فضل وکرم سے اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس وسیلے سے اور ہمارے پیرانِ طریقت اور بزرگانِ دین رضوان اللہ عنہم اجمعین کی عزّت وحرمت سے یہ دولت تو نعمت عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العٰلمین۔



روئدادِ دار العلوم لطیفیہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اسلام بلا تفریق ہر فرد پر بقدر ضرورت علم حاصل کرنے کو لازم قرار دیتا ہے۔ علم کے ذریعہ ہی انسان میں انسانیت اور شرافت و بزرگی کا جوہر نکھرتا ہے اور اپنے دین و مذہب کی خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو نیک لوگوں کی علامت اور اسلام کو پھیلانے کا ذریعہ ہے۔ اسلام علم حاصل کرنے والوں کو خوب خوب حوصلہ افزائی کرتا ہے اور حصولِ علم کے لیے اٹھائی جانے والی مشقت و رسفر کی صعوبت کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع ط جو شخص علمِ دین کی طلب و تحصیل میں نکلا تو جب تک وہ واپس نہ آجائے اللہ کی راہ میں ہے۔

آغازِ سالِ نو بحمد اللہ! دار العلوم لطیفیہ کا تعلیمی سال نو کا آغاز مورخہ ۱۱ شوال المکرم ۱۴۲۴ھ مطابق 6 ماہ دسمبر 2003ء روز شنبہ ہوا۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں سے تشنگانِ علم نے اس درس گاہ کا رُخ کیا اور اس سے اکتسابِ فیض کیا۔

دورۂ حدیث دار العلوم کے وسیع و عریض ہال میں صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کا دورۂ حدیث کا آغاز محترم ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ عثمان پاشاہ قادری صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، ناظم دار العلوم لطیفیہ کی دعاؤں سے ۲۷ شوال المکرم ۱۴۲۴ھ مطابق 22 دسمبر 2003ء روز دوشنبہ ناظم نیز ۲۰ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ مطابق 6 ماہ ستمبر 2003ء روز دوشنبہ ناظم موصوف کی دعاؤں سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

افتتاحی اجلاس مورخہ یکم ذو القعدہ ۱۴۲۴ھ مطابق 25 ماہ دسمبر 2003ء بروز جمعرات ٹھیک 3 بجے دار العلوم کے وسیع و عریض حال میں یہ جلسہ منعقد ہوا۔ جس کی صدارت عالی جناب مولانا ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ عثمان قادری ایم اے، پی ایچ ڈی، ناظم دار العلوم نے فرمائی۔ تلاوت قرآن پاک اور نعت شریف کے بعد صدر جلسہ نے مہمان خصوصی کا تعارف

کرتے ہوئے انھیں دعوت سخن دیا۔ مہمانِ خصوصی عالی جناب مولانا مولوی حافظ محمد ابراہیم صاحب لطیفی ادھونی نے طلباء سے خطاب فرمایا۔ موصوف نے علمِ دین کی فضیلت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ علم حاصل کرنے کے لیے تین چیزوں کی سخت ضرورت ہے۔ ایک ادب، دوسرا شوق اور تیسرا خوفِ خدا۔ ان عناوین پر موصوف نے سیر حاصل بحث کی جس سے طلباء و حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ اور آخر میں مولانا سید شاہ بلال احمد قادری شطاری صاحب نائب ناظم دارالعلوم نے مطبخ اور دیگر شعبوں کے لیے منتظمین طلباء کے ناموں کا اعلان کیا۔ صدر جلسہ نے مہمان خصوصی کا شکریہ ادا کیا اور ان کی دعاؤں پر یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

اسبابِ صحت دارالعلوم میں والی بال، ٹینی کائٹ اور کبڈی اور کرکٹ جیسے انٹرنیشنل گیمس کا انتظام کیا گیا ہے۔ جس سے طلباء اپنی دن بھر کی تھکان سے رہائی پاتے ہیں۔

نویدِ مسرت دارالعلوم دینی ترقی کے ساتھ ساتھ دنیوی ترقی کا بھی ہمیشہ خیال رکھتا ہے۔ بریں بنا امسال بھی طلباء کو یونیورسٹی کے امتحانات، افضل العلماء، منشی فاضل، ادیب فاضل میں داخلہ لیا گیا۔ اکثر طلباء نے ممتاز و نمایاں کامیابی حاصل کی۔ الحمد للہ علی ذالک

امتحانات ہر سال کی طرح ششماہی امتحانات اساتذۂ کرام کی نگرانی میں ہوئے۔ جو ایک ہفتہ تک جاری رہے۔ نیز ۲۸ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ مطابق 13 ماہ ستمبر 2003ء سے دارالعلوم کے سالانہ امتحانات شروع ہوئے جو ہفتہ بھر جاری رہے۔ اور اکثر طلباء نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔

عبا پوشی و اعطائے اسناد فضیلت مآب حضرت مولانا ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ عثمان پاشاہ قادری صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، ناظمِ دارالعلوم لطیفیہ کے زیر صدارت ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ مطابق 25 اکتوبر روز دوشنبہ دارالعلوم کا جلسہ تقسیم اسناد وسیع پیمانے پر منعقد ہوا۔ جس میں علمائے کرام اور عمائدین شہر اور علم دوست حضرات مدعو تھے۔ ناظم موصوف نے اپنے دستِ فیض اقدس سے فارغین طلباء کو عبا اور اسناد عطا فرمایا۔

اُسی دن شام میں ایک دوسری نشست ہوی۔ جس میں درسیات، مقالہ نویسی اور گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء کو انعامات سے نوازا گیا۔

ہدیۂ تشکر ادارہ ان تمام حکیموں اور ڈاکٹروں کا مشکور رہے، جو ہمارے طلباء کا ہمیشہ خیال رکھتے ہوئے علاج فرمایا۔ نیز مدیران اخبار کا بھی مشکور رہے، جو دارالعلوم کی کارروائیوں کو وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہے۔

(بقیہ ص پر ملاحظہ ہو۔)

عالی جناب کاتب شریف برکاتی صاحب کا تہِ دل سے ممنون ہے۔ جنھوں نے بڑی جانفشانی سے سالنامۂ اللطیف کی کتابت کی۔ اور جناب علیم صبا نویدی کی خدمت میں بھی ہدیۂ سپاس ہے، جن کی نگرانی میں سالنامہ طباعت کے مراحل طے کیا اور عمدہ و دیدہ زیب شکل وصورت میں منظرِعام پر آیا۔

دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت دارالعلوم سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کو دین و دنیا میں سرخ روئی و کامیابی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

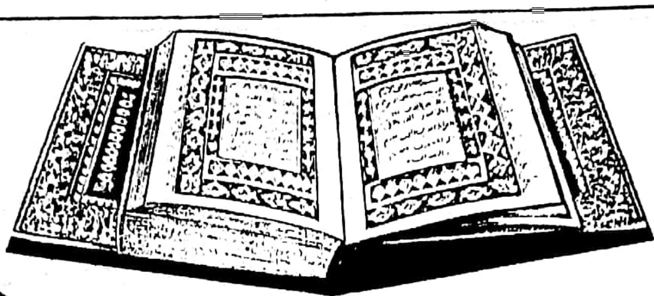
("نقوشِ طاہر" بقیہ ص۱۱۱ سے آگے)

تمام آگئے یا کچھ باقی رہ گئے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ صرف دو حضرات نہیں آئے ہیں۔ ایک حضرت احمد حرب اور دوسرے اسلم طوسی ہیں۔ یہ علمائے ربّانیین سے ہیں۔ بادشاہوں کی ملاقات اور سلام کے لیے کہیں نہیں جاتے۔ یہ سُن کر حاکم نیشاپور نے اُن سے ملاقات کا مصمّم ارادہ کرلیا۔ چنانچہ وہ پہلے حضرت احمد حرب کی خدمت میں پہنچا اور ملاقات سے مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا: میں نے سُنا تھا کہ تم بہت خوبصورت ہو۔ اب دیکھنے سے بھی پتہ چلا کہ واقعی تم بہت خوب صورت ہو۔ اے عبداللہ! اپنی اس خوب صورتی کو حق تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت اور نافرمانی کے ذریعہ برباد نہ کر۔

عبداللہ بن طاہر وہاں سے رخصت ہو کر حضرت اسلم طوسی کے مکان پر گیا۔ دروازہ بند تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ نماز کے وقت باہر آئیں گے۔ حاکم گھوڑے پر سوار انتظار کرتے ہوئے وہیں ٹھہرا رہا۔ نماز کے لیے جب حضرت باہر تشریف لائے تو فوراً آگے بڑھ کر گھوڑے سے اُترا۔ آپ کے قدم چومے اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی: یا الٰہی! یہ تیرے نیک اور مقبول بندے ہیں۔ میں ان کو دوست رکھتا ہوں۔ تیرے اس نیک بندے کے طفیل میں اس گنہ گار کو نیک بنا دے۔ حضرت اسلم طوسی نے بھی حاکم شہر کے لیے دُعا کی اور شفقت و محبت کے ساتھ اس کو رخصت کیا۔

علمائے حق جو وارثینِ انبیا رہیں۔ ان کے عظیم کارنامے اور جرات مندانہ واقعات کوئی پوشیدہ اسرار نہیں بلکہ تاریخ کے روشن ابواب ہیں۔ ان سے استفادہ کرنا علمائے امّت کا کام ہے اور ان ہی برگزیدہ بندوں کی نیکی کی وجہ سے اللہ جل شانہٗ ہم سب پر بھی اپنا کرم فرماتا ہے اور علمِ نور خداوندی کی برکت سے انھیں حیاتِ جاویدانی عطا فرماتا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ؕ



جواہر القرآن

✡ مولوی حافظ ڈاکٹر ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری: استاذ دار العلوم لطیفیہ: حضرت مکان۔ ویلور

ان عدۃ الشہور عند اللہ اثنا عشر شہرا

اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے

اللہ نے اس کائنات اور اس میں موجود ساری چیزوں کو انسان کے لیے پیدا کیا ہے۔ سورۂ نبا میں ہے: الم نجعل الارض مہٰدًا ۰ والجبال اوتادًا، وخلقنٰکم ازواجًا، وجعلنا نومکم سباتًا، وجعلنا النہار معاشًا، و بنینا فوقکم سبعًا شدادًا، وجعلنا سراجًا وہاجًا، وانزلنا من المعصرٰت ماءً ثجاجًا لنخرج بہ حبًا ونباتًا

کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا، اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور تمہیں جوڑا جوڑا کیا اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا۔ اور رات کو ہم نے پردہ بنایا اور دن کو وقتِ روزگار بنایا اور تمہارے اوپر مضبوط سات آسمان بنائے اور ایک چمکتا ہوا روشن چراغ پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا تاکہ تم اس سے اناج اور سبزہ اگائیں۔

دُنیا اور دُنیا میں نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی ان گنت مخلوقات۔ اور موجودات کو اللہ نے چھ دنوں میں پیدا کیا۔ ان ربکم اللہ خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام: انسانوں کے علم اور عرف کے مطابق دن کا اطلاق وقت کی اتنی مدت پر ہوتا ہے جس میں سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرت کو دیکھتے ہوئے چھ دنوں کی اس مدت کو احتیاج اور ضرورت کے معنی میں نہیں رکھا جا سکتا۔ کیوں کہ وہ ذات تو چشم زدن سے بھی کم وقت میں صرف نیت کے ساتھ ساری کائنات کو وجود کا لباس پہنانے پر قادر ہے: اذا اراد شیأ ان یقول لہ کن فیکون ط لہذا تخلیق کائنات کے لیے چھ دنوں کی مدت کے اظہار سے منشا اور مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ انسانوں کو اس بات

کی تعلیم دی جائے کہ وہ اعمال واشغال اور امور کی انجام دہی میں ایک ضابطہ ونظام اور تدریج وترتیب کو اپنے پیشِ نظر رکھیں۔

اللہ نے کائنات کی تخلیق وتکوین کے ساتھ ساتھ موجودہ دنیا کو ایک ایسے مضبوط ومستحکم نظام کے ساتھ مربوط رکھا ہے کہ یہ کرۂ ارض اور اس پر موجودہ چیزیں، فضلئے لسیط، چاند، سورج، ستارے اور سیارے سب کے سب اسی نظام کے تحت ہیں اور اس نظام میں فساد اور خلل واقع نہ ہونے کا نتیجہ ہے کہ زمین پر انسان کی زندگی کا کارواں رواں دواں ہے۔ اور یہ نظام جس دن درہم برہم ہوجائے گا تو کائنات کی ہر چیز فنا ہوجائے گی۔ اور اسی منظرنامہ کا نام قیامت ہے۔ جو اس دنیا کا اختتامی نقطہ ہے۔ جس کی ہلکی سی جھلک قرآنِ کریم کی ان آیات میں ملتی ہے:

اذا الشمس کورت، واذاالنجوم انکدرت، واذاالجبال سیرّت، واذاالبحار سُجرت واذاالارض مدت

سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ یعنی جس طرح عمامہ سر پر لپیٹا جاتا ہے۔ اسی طرح سورج کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ جس سے اس کی روشنی ختم ہوکر رہ جائے۔ الشمس والقمر مکوران یوم القیامۃ ط اور تارے بکھر جائیں جائیں گے۔ وہ بندش کھل جائے گی جس نے ان کو اپنے اپنے مدار پر باندھ رکھا تھا اور یہ سب ستارے اور سیارے بے نوری کی حالت وکیفیت میں کائنات میں منتشر ہوجائیں گے۔ پہاڑوں کو زمین سے اکھیڑ کر ہواؤں میں چلا دیا جائے گا اور وہ دھنی ہوی روئی کی طرح اڑ رہے ہیں گے۔ کیوں کہ زمین کی وہ کشش ختم ہوجائے گی جس کی وجہ سے یہ پہاڑ زمین کے سینے پر جمے ہوے تھے اور سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔ یعنی سمندروں میں آگ بھڑک اٹھے گی۔

اللہ نے آکسیجن اور ہائیڈروجن، دو ایسی گیسوں کو باہم ملایا، جن میں سے ایک آگ کو بھڑکانے والی اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے اور دونوں کی ترکیب سے پانی جیسا مادہ پیدا کیا، جو آگ کو بجھانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ پانی کی اس ترکیب کو بدل ڈالے گا اور یہ دونوں گیسیں ایک دوسرے سے الگ ہوکر بھڑکنے اور بھڑکانے میں مشغول ہوجائیں گی۔ جو ان کی اصل بنیادی خاصیت ہے۔

اور زمین پھیلادی جائے گی۔ یعنی اس کی پشت پر جو پہاڑ وغیرہ تھے سب کو ریزہ ریزہ کردیا جائے گا اور زمین کو ہموار کردیا جائے گا۔

غرض یہ کہ کائنات کی ہر چیز زوال وفنا سے دوچار ہوجائے گی۔ صرف اللہ کی قادرِ مطلق ذات باقی رہے گی۔

کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ط

اللہ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پہ کائنات اور اس کے نظام میں غور و فکر کی دعوت دی ہے تاکہ اس راہ سے بھی انسان اپنے خالق کی تخلیقی قدرت و تصرف اور اس کی ربوبیت کو پہچان سکے۔ اور کائنات کے ظاہری و باطنی حقائق و اسرار اور فطرت کے مظاہر میں غور و فکر، مطالعہ و مشاہدہ اور تجزیہ و تحقیق کے ذریعہ ایجادات اور انکشافات کا سلسلہ قائم رکھ سکے۔ جس سے اس کی زندگی کے گیسو سنور سکے۔ اور وہ تلاش و تحقیق کے سفر میں کسی منزل پہ رک نہ جائے۔ علامہ اقبال نے صحیح رہنمائی کی ہے: ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمیں آسماں اور بھی ہیں

قرآنِ کریم میں سورج اور اس روشنی اور حرارت اور اس کی گردش اور زمین پہ اس کے اثرات سے متعلق مختلف جگہوں میں صراحت ہے۔ سورج سے متعلق ایک بزرگ مفسرِ قرآن کی وضاحت ملاحظہ ہو:

سورج کا قطر زمین کے قطر سے ۱۰۹ گنا اور اس کا حجم زمین کے حجم سے تین لاکھ تینتیس ۳۳ گنا زیادہ بڑا ہے۔ اس کا درجۂ حرارت ایک کروڑ چالیس لاکھ ڈگری سنٹی گریڈ ہے۔ زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہونے کے باوجود اس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ انسان اگر برہنہ آنکھ سے اس کی طرف نظر جمانے کی کوشش کرے تو اپنی بینائی کھو بیٹھے اور اس کی گرمی کا یہ حال ہے کہ زمین کے بعض حصوں میں اس کی تپش کی وجہ سے درجۂ حرارت ایک سو چالیس ڈگری فارن ہیٹ تک پہنچ جاتی ہے۔

اور یہ اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے زمین کو اس سے ٹھیک ایسے فاصلہ پہ رکھا ہے کہ نہ اس سے بہت قریب ہونے کے باعث یہ بے انتہا گرم ہو اور نہ بہت دور ہونے کے باعث بے انتہا سرد۔ اسی وجہ سے یہاں انسان، حیوان اور نباتات کی زندگی ممکن ہوئی ہے۔ اسی سے قوت کے بے حساب خزانے نکل کر زمین پہ پہنچ رہے ہیں جو ہمارے لیے سببِ حیات بنے ہوئے ہیں۔ اسی سے ہماری فصلیں پک رہی ہیں اور ہر مخلوق کو غذا پہنچ رہی ہے۔ اسی کی حرارت سے سمندروں کے پانی کو گرم کرکے وہ بھاپیں اٹھاتی ہیں جو ہواؤں کے ذریعہ سے زمین کے مختلف حصوں پہ پھیلتی اور بارش کی شکل میں برستی ہیں۔ اس سورج میں اللہ نے ایسی زبردست بھٹی سلگا رکھی ہے جو اربوں سال سے روشنی، حرارت اور مختلف قسم کی شعاعیں سارے نظامِ شمسی میں پھینکے جا رہی ہے۔ (تفہیم القرآن، سورۂ نبا)

قرآنِ مجید میں چاند کا ذکر کئی ایک مقامات پہ موجود ہے۔ سورۂ یونس میں ہے: ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا۔ اللہ وہی ہے جس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو نورانی بنایا۔

ضو کا معنی اور نور کا معنی ہے روشنی۔ لیکن ضو میں قوی اور تیز روشنی کا مفہوم پایا جاتا ہے اور نور میں ہلکی اور ضعیف روشنی کا مفہوم ہے۔ سورج اور چاند دونوں سے روشنی پھیلتی ہے۔ ایک سے حرارت اور تپش ظاہر ہوتی ہے تو دوسرے سے لطافت اور نشاط انگیز نورانیت چھلکتی ہے۔ الشمس ذات ضیاء والقمر ذات نور اللہ نے سورج کو چمکنے والا اور چاند کو نور والا بنایا ہے۔

بعض حکماء کا کہنا ہے کہ سورج کی روشنی اپنی ذات سے ہے اور چاند کی روشنی بالذات نہیں بلکہ سورج کی روشنی سے مستفاد ہے۔ شاید اسی لیے سورج کے مقابلہ میں چاند کی روشنی ضعیف اور کمزور ہے اور وہ سورج کی موجودگی میں آسمان پر رہتے ہوئے بھی منور نظر نہیں آتا بلکہ اس کی روشنی اس وقت نمایاں ہوتی ہے جب کہ آفتاب کا رخ دوسری سمت ہو جاتا ہے۔

اس مقام پر یہ پہلو بھی توجہ کے قابل ہے کہ قرآن کریم نے چاند کو نورانی قرار دیا ہے۔ والقمر نوراً اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ چاند کی روشنی بھی اپنا وجود رکھتی ہے بھلے سے وہ سورج کی روشنی کے سامنے نمایاں اور قوی نہ ہو۔

چانداور چاند کی روشنی کے اثرات اور خاصیات بھی اپنی جگہ ضرور ہیں۔ چنانچہ جدید تحقیقات کی رو سے چاند کی افادیت کی متعدد گوشے بے نقاب ہو رہے ہیں۔ قرآن کریم کی کئی ایک آیات میں زمین کا ذکر ہے:

اللہ نے جب زمین کی تخلیق کا ارادہ کیا تو اس کی ابتدا بیت اللہ (خانۂ کعبہ) کی جگہ سے ہوی اس وقت سارے عالم میں پانی ہی پانی پھیلا ہوا تھا۔ جس پانی میں سے کچھ حصہ جامد شکل میں ابھرا اور اس حصہ سے پانی ٹکرانے لگا جس سے سمندری جھاگ کی طرح ایک چیز وجود میں آئی۔ پھر اس میں غلظت اور سختی پیدا ہوتی چلی گئی اور اس طرح سے زمین ایک بالشت کی مقدار میں ظہور پذیر ہوی۔ پھر وہ پھیلتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ اس حد پر رک گئی جو حد کہ اللہ کو منظور تھی۔ آج زمین کے جس حصہ پر بیت اللہ موجود ہے، وہ زمین کا اولین حصہ ہے اور ساری زمین کا بنیادی و مرکزی اور وسطی نقطہ ہے۔ صحابیٔ رسول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مکہ مکرمہ کے باشندوں کے بارے میں کہا تھا: یا اھل مکۃ انتم فی وسط من الارض: اے مکہ والو! تم زمین کے وسط اور بیچ میں ہو۔

زمین جو ہمیں اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہے۔ اللہ نے اسے ڈولتا ہوا نہیں رہنے دیا اور اس کے لیے پہاڑوں کو میخیں بنایا تاکہ اس کے اندر اضطراب اور جھٹکے کی ایسی کیفیت اور صورت پیدا نہ ہو جائے کہ زمین رہائش اور سکونت کے قابل نہ رہے اور یہ بھی قدرت خداوندی کا حیرت انگیز اور محیر العقول کرشمہ ہے کہ زمین اپنے دامن میں بے شمار پہاڑوں اور دوسرے اشیاء کے ثقل کو سمیٹے ہوئے گردش کر رہی ہے اور فی گھنٹہ ایک ہزار میل کی رفتار سے اپنے محور پر گھوم رہی ہے جو ۶۶،۶۰۰ چھیاسٹھ ہزار چھ سو فی گھنٹہ کی رفتار سے

گردش کر رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس قدر پرسکون ہے کہ ہمیں ہلکا سا جھٹکا بھی نہیں لگتا۔ جس طرح کوئی بچہ گہوارہ میں سکون کے ساتھ ہے۔ زمین سے متعلق بعض مفسرین کرام کی تشریحات ملاحظہ ہو:

"یہ کرّہ فضائے بسیط میں معلق ہے۔ کسی چیز پہ ٹکا ہوا نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود اس میں کوئی اضطراب اور اہتزاز نہیں ہے۔ اگر اس میں ذرا سا بھی اہتزاز ہوتا جس کے خطرناک نتائج کا ہم زلزلہ آجانے سے بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ تھی۔ یہ کرہ باقاعدگی کے ساتھ سورج کے سامنے آتا اور چھپتا ہے جس سے رات اور دن کا اختلاف رونما ہوتا ہے۔ اگر اس کا ایک ہی رُخ ہر وقت سورج کے سامنے رہتا اور دوسرا رُخ ہر وقت چھپا رہتا تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی۔ کیوں کہ ایک رُخ کو سردی اور بے نوری نباتات اور حیوانات کی پیدائش کے قابل نہ رکھتی اور دوسرے رُخ کو گرمی کی شدت بے آب و گیا اور غیر آباد بنا دیتی۔

اس کرہ پہ پانچ سو میل کی بلندی تک ہوا کا ایک کثیف ردا چڑھا دیا گیا ہے، جو شہابوں کی خوفناک بمباری سے اسے بچائے ہوئے ہے۔ ورنہ روزانہ دو کروڑ شہاب جو تیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں۔ یہاں وہ تباہی مچاتے کہ کوئی انسان حیوان یا درخت زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ یہی ہوا درجۂ حرارت کو قابو میں رکھتی ہے۔ یہی سمندروں سے بادل اٹھاتی ہے اور دنیا کے مختلف حصوں تک آب رسانی کی خدمت انجام دیتی ہے۔ اور یہی انسان اور حیوان اور نباتات کی زندگی کو مطلوبہ گیس فراہم کرتی ہے۔ یہ نہ ہوتی تب بھی زمین کسی آبادی کے لیے جائے قرار نہ بن سکتی۔

اس کرّہ کی سطح سے بالکل متصل وہ معدنیات اور مختلف قسم کے کیمیاوی اجزا بڑے پیمانہ پر فراہم کر دیے گئے ہیں جو نباتی، حیوانی اور انسانی زندگی کے لیے مطلوب ہیں۔ جس جگہ بھی یہ سر و سامان مفقود ہوتا ہے، وہاں کی زمین کسی زندگی کو سہارنے کے لائق نہیں ہوتی۔

اس کرّہ پہ سمندروں، دریاؤں، جھیلوں اور زیر زمین سوتوں کی شکل میں پانی کا بڑا عظیم ذخیرہ فراہم کر دیا گیا ہے اور پہاڑوں پر بھی اس کے بڑے بڑے ذخائر کو منجمد کرنے اور پھر پگھلا کر بہانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس تدبیر کے بغیر یہاں کسی زندگی کا امکان نہ تھا۔ پھر اس پانی، ہوا اور ان اشیاء کو جو زمین پہ پائی جاتی ہیں، سمیٹے رکھنے کے لیے اس کرّہ میں نہایت ہی مناسب کشش رکھ دی گئی ہے۔ یہ کشش اگر زیادہ ہوتی تو ہوا بہت کثیف ہو جاتی۔ اس کا دباؤ بہت بڑھ جاتا۔ بخارات آبی کا اٹھنا مشکل ہوتا اور بارشیں نہ ہو سکتیں۔ سردی زیادہ ہوتی زمین کے بہت کم رقبے آبادی کے قابل ہوتے بلکہ کشش ثقل بہت زیادہ ہونے کی صورت میں انسان اور حیوانات کی جسامت بہت کم ہوتی۔ اور ان کا وزن اتنا زیادہ ہوتا کہ نقل و حرکت بھی ان کے لیے مشکل ہوتی۔ علاوہ بریں اس کرّہ کو سورج سے ایک خاص فاصلہ پہ رکھا گیا ہے۔ جو آبادی کے لیے مناسب ترین ہے۔ اگر اس کا فاصلہ زیادہ ہوتا تو سورج سے اس کو حرارت کم ملتی، سردی بہت زیادہ ہوتی۔ موسم

موسم بہت لمبے ہوتے اور مشکل ہی سے یہ کرّہ آبادی کے قابل ہوتا ۔ اور اگر فاصلہ کم ہوتا تو اس کے برعکس گرمی کی زیادتی اور دوسری بہت سی چیزیں مل کر اسے انسان جیسی مخلوق کی سکونت کے قابل نہ رہنے دیتیں ۔"

سورج اور چاند اور دونوں کے اثرات سے مشاہدے میں آنے والا ایک نمایاں اور واضح اثر رات اور دن کا باقاعدہ ایک دوسرے کے بعد پے در پے آنا اور جانا ہے ۔ رات کا سیاہ لبادہ اوڑھے ہوئے پہنچنا اور دن کا روشن قبا پہنے جلوہ گر ہونا بھی شمس و قمر کی گردش اور زمین کا سورج کے سامنے آجانے اور چھپ جانے کا نتیجہ ہے ۔ دن روشن ہونے کے باعث انسان اُجالے میں معیشت و روزگار کے لیے نکل پڑتا ہے اور رات تاریک ہونے کے باعث نیند کی باہوں چلا جاتا ہے ۔ وجعلنا نومکم سباتاً سبات کے لغوی معنی قطع کرنا ہے یعنی رات انسان کے عمل کے سلسلہ کو منقطع کر دیتی ہے اور حرکت و عمل سے دست کش ہونے کا مطلب آرام ہے ۔ اور یہی آرام آدمی کو آنے والی صبح میں حرکت و عمل کے لیے پوری طرح مستعد اور نشیط بنا دیتا ہے اور اسی آرام و نیند سے آدمی کی صحت و سلامتی بھی وابستہ ہے ۔ اگر کوئی آدمی رات میں نیند سے محروم ہو جائے تو چند ہی ایام کے اندر اس کی صحت ختم ہو جائے گی اور اس چین و سکون ختم ہو کر رہ جائے گا ۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نیند کتنی بڑی نعمت ہے اور نیند کی حقیقت کیا ہے ۔ اور یہ ایک ضرورت چیز ہے ۔ اس قدر و قیمت کا صحیح اندازہ وہ شخص بخوبی کر سکتا ہے جو بے خوابی کا شکار ہو جائے ۔ ابھی سائنس یہ تجزیہ اور توجیہ نہیں کی ہے کہ انسان کو نیند کیسے آتی ہے ۔

اگر دن تاریکی میں ڈوبا رہے تو زندگی رک جائے اور اگر رات اجالے میں ڈوب جائے تو زندگی کا چین و سکون ختم ہو جائے ۔ اسی لیے اللہ نے ایک کو روشن اور دوسرے کو تاریک بنایا اور اسی کے ساتھ ساتھ اس میں بھی بڑی حکمت اور فائدہ رکھا ہے کہ رات کبھی بتدریج چھوٹی ہو جاتی ہے تو کبھی دن بتدریج چھوٹا ہو جاتا ہے ۔ اور کبھی رات اور دن دونوں برابر ہو جاتے ہیں ۔۔ سورج اور چاند کی گردش اور شب و روز کے اختلاف کے ساتھ ہواؤں کی گردش بھی اللہ کی قدرت کی ایک کھلی ہوئی نشانی ہے ۔ واختلاف اللیل والنھار وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا وتصریف الریح آیت لقوم یعقلون ط

اللہ نے ہواؤں کو مختلف روپ بخشا ہے ۔ کبھی وہ سرد چلتی ہیں تو کبھی گرم چلتی ہیں کبھی ہلکی دھیمی اور مرطوب ہوتی ہیں تو کبھی تیز اور خشک چلتی ہیں اور کبھی یہ تیز رفتاری، آندھی اور طوفان کی شکل اختیار کر جاتی ہے ۔ کبھی یہ ہوائیں مینہ برساتی ہیں تو کبھی گھٹاؤں کو اڑا لے جاتی ہیں ہواؤں کی ان مختلف گردشوں سے موسم بھی مختلف ہو جاتے ہیں ۔ اور ان ہواؤں میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جن سے انسان، حیوان اور نباتات زندہ ہیں ۔ اور ان میں ایسے عناصر بھی موجود ہیں جو ساری مخلوقات کو آفات سماوی

سے محفوظ رکھے ہوئے ہیں

ممکن ہے ہواؤں سے متعلق بھی آئندہ اور تحقیقات دنیا والوں کے سامنے آجائیں: سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق ط ابھی ہم انھیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں (سورج، چاند ستارے وغیرہ) اور خود ان کے آپے میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائیں کہ بے شک وہ حق ہے۔ (کنز الایمان)

فضائے بسیط میں سورج وچاند کے علاوہ بے شمار سیارے اور ستارے موجود ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے محور پر گھوم رہے ہیں اور کوئی کسی کی راہ میں حائل نہیں ہو رہا ہے۔ اور ہر ایک کی حرکت اور ہر ایک کا عمل اپنی اپنی جگہ اثر رکھتا ہے۔ اللہ نے سورج اور چاند کی رفتار کے لیے منزلیں مقرر کی ہیں۔ چاند کی منزلیں اٹھائیس ۲۸ ہیں۔ اور سورج کی منزلیں تین سو ساٹھ ۳۶۰ یا تین سو پینسٹھ ۳۶۵ ہیں اور ہر دونوں کی راہ الگ الگ متعین اور مقرر ہیں۔ سورج بھی اپنے مدار میں گھوم رہا ہے اور چاند بھی اپنے مدار میں گھوم رہا ہے۔ سورج کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کے مدار میں آپہنچے۔ سورۂ یٰسٓ میں ہے: لاالشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ط

چاند اپنی حرکت کے ساتھ ایک رات اور ایک دن میں جو مسافت طے کرتا ہے اس کے سفر کی یہ ایک منزل ہے۔ اس طرح وہ ہر رات کو ایک منزل پر پہنچتا ہے۔ پہلی منزل میں وہ باریک دکھائی دیتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ بڑا ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ چودھویں منزل پر پہنچتا ہے تو پورا گول اور مکمل دکھائی دیتا ہے۔ چاند کی اس حالت کو بدر کہا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ باریک ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی آخری منزل پہ پہنچ جاتا ہے تو بالکل ایسا نظر آتا ہے۔ جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی ہو۔ جیسے سورہ یٰسٓ میں ہے: والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم ط

اس کے بعد چاند ایک یا دو راتوں میں نظر نہیں آتا۔ پھر وہ ہلال بن کر نظر آنے لگتا ہے۔ چاند زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے اور وہ اپنا چکر تیس ۳۰ دن اور کبھی انتیس ۲۹ دن میں مکمل کر لیتا ہے۔ اور وہ دائرہ جس پر چاند چکر لگا رہا ہے وہ پوری طرح گول نہیں ہے اس لیے وہ کبھی زمین سے قریب ہو جاتا ہے اور اس کی رفتار کبھی کبھی تیز ہو جاتی ہے تو کبھی سست ہو جاتی ہے۔ زمین سے چاند کی نزدیکی و دوری اور اس کی رفتار میں تیزی و سستی کے باعث رویت ہلال میں اختلاف ہو جاتا ہے اور وہ زمین کے کسی حصہ میں نظر آجاتا ہے تو کسی حصہ میں دکھائی نہیں دیتا اسی لیے مختلف شہروں میں قمری مہینہ انتیس ۲۹ یا تیس ۳۰ دن کا ہو جاتا ہے اور قمری مہینوں کی تاریخوں میں یکسانیت۔ اور موزونیت ممکن نہیں۔

اسلام میں قمری تاریخوں اور مہینوں کا اعتبار اور لحاظ ہے اور ہمارے اکثر و بیشتر شرعی احکام کا تعلق چاند ہی سے ہے۔ جیسے رمضان شریف کے روزوں کی ابتدا، عید الفطر منانے کا مسئلہ اور حج کی تاریخ کا اعلان وغیرہ۔ اسی لیے اسلام نے شمسی حساب کے مقابلہ میں قمری حساب کو اولیت بخشی۔ حدیث شریف میں ہے انتیس ۲۹ تاریخ کو چاند تلاش کرو اگر نظر آجائے تو دوسرے دن سے پہلی شمار کرلو اور اگر دکھائی نہ دے تو تیس ۳۰ دن

کی گنتی مکمل کرو اور اکتیسویں (۳۱) دن کو مہینے کی پہلی تاریخ شمار کرو۔

سال کا بارہ (۱۲) مہینوں میں منقسم ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے: ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوٰت والارض ۰ (التوبہ) اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی کتاب اللہ میں بارہ (۱۲) کی ہے۔ اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا۔

آج ساری دنیا میں شمسی بلکہ مسیحی تاریخوں کے استعمال کا چلن عام ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ عالم اسلامی بھی اسی لپیٹ میں ہے اسلام نے شمسی تاریخوں کے استعمال کو منع نہیں کیا لیکن اس کے جواز کا یہ مفہوم نہیں کہ ملت اسلامی میں ایسی فضا عام ہو جائے کہ اس کے افراد قمری حساب کو طاقِ نسیاں کی نذر کر دیں اور مسلمانوں کو یہ پتہ بھی نہ چلے کہ آج چاند کی کون سی تاریخ ہے اور چاند کا کون سا مہینہ چل رہا ہے۔ اسی صورت حال کے پیدا ہونے کے خدشہ کی وجہ سے اہلِ علم نے قمری حساب کو فرض کفایہ قرار دیا۔ تاکہ چند افراد کے ذریعہ ہی سہی قمری حساب کا استعمال برقرار رہ سکے۔

اہل عرب زمانۂ قدیم سے قمری حساب کے عادی تھے اور ان کے نزدیک چار قمری مہینے بڑی عزت اور حرمت والے تھے۔ جن میں وہ جنگ و جدال کو موقوف کر دیتے تھے۔

ان کے ہاں حج ایک مذہبی وروحانی اور بین قبائلی تہوار تھا۔ جسے وہ ہر سال چاند کے آخری مہینے میں منایا کرتے اور کبھی کبھی اپنی سیاسی اور معاشی مصلحتوں اور ضرورتوں کے پیش نظر حج کی تاریخ کو آگے پیچھے کر دیا کرتے تھے۔ اسلام نے عربوں کو قمری گنتی اور حساب کی قدیم عادت کو کسی قدر ترمیم اور اصلاح کے ساتھ باقی رکھا۔

حج کے مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔ اہلِ عرب ان مہینوں میں حج کرتے تھے۔ قریش اپنی مرضی سے حج کو آگے اور پیچھے کر دیتے تھے۔ یہ تقدیم اور تاخیر نسی سے مُراد ہے۔ نسی کے معنی ہیں پیچھے کرنا۔ اس کا ذکر سورۂ توبہ میں ہے: انما النسی زیادۃ فی الکفر ط

نسی تو کفر میں مزید کفر ہے۔ جس سے یہ کفار گمراہی اور ضلالت میں پھنس جاتے ہیں۔ کسی سال ایک مہینے کو حلال قرار دیتے ہیں تو کسی سال اسی ماہ کو حرام قرار دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کی تعداد بھی مکمل کرلیں اور حرام کردہ مہینوں کو حلال بھی کرلیں۔ اہلِ عرب کے لیے حرمت کے ان چار مہینوں (رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام) میں رجب کے سوا باقی تین مہینے پے در پے واقع ہونے کی وجہ سے قتل وغارت سے اجتناب کرنا بہت دشوار تھا۔ اس لیے انھوں نے یہ ترکیب اختیار کی کہ وہ جس حرمت والے مہینے میں قتال وجدال اور لوٹ مار کا ارادہ کرتے تو یہ اعلان کر دیتے تھے کہ اس کی جگہ فلاں مہینہ حرمت والا ہوگا۔

مثلاً محرم الحرام کی جگہ صفر المظفر کو حرمت کا مہینہ قرار دیتے تھے اور کبھی ذی قعدہ کی جگہ شوال المکرم کو حرمت کا مہینہ قرار دیتے تھے۔

اس تقدیم وتاخیر کے پیچھے قتال وجدال کو جواز بنانے دینے کے علاوہ بھی ان کا ایک اور مقصد یہ بھی تھا کہ حج کو ایک ہی موسم میں ادا کیا جائے۔ تاکہ مختلف موسموں میں حج کے ایام آنے کی وجہ سے جو پیچیدگی پیدا ہوجاتی تھیں ان سے بھی تحفظ کی راہ ہموار کرلی جائے۔ مثلاً گرمی اور سردی کے باعث فصلوں کی تیاری اور جانوروں کے بچّوں کی خرید وفروخت وغیرہ جیسے مسائل۔

اس قسم کے مسائل سے نمٹنے کے لیے عربوں نے یہ صورت اختیار کی کہ وہ دو یا تین سال بعد ایک مہینہ کا سال میں اضافہ کردیتے تھے۔ اور ہر تین سال کے بعد سال کو بارہ مہینوں کی بجائے تیرہ مہینوں کا ایک سال بنادیتے تھے۔

اہلِ عرب نے یہ طریقہ یہود سے اخذ کیا۔ عملی حساب کا یہ طریقہ ہمارے ملک ہندوستان میں بھی رائج ہے۔ شمسی سال کے مہینوں میں حساب کو پورا کرنے کے لیے ہنود بھی کبھی کبھی ایک مہینہ کو دہراتے ہیں۔ اس کو ہمارے ملک میں "لوند" کہا جاتا ہے۔ عربوں میں سب سے پہلے جس حساب دان نے یہ کام انجام دیا وہ قبیلۂ کنانہ کا ایک شخص قلمس تھا۔ شاید اسی ایجاد اور اختراع کی وجہ سے قبیلۂ کنانہ کو یہ اعزاز حاصل ہوگیا تھا کہ اسی قبیلہ کا سردار حج کے اجتماع میں یہ اعلان کرتا کہ آیندہ حج کس مہینے میں ہوگا۔

اس طرزِ عمل سے یہ شکل نمودار ہوگئی کہ حج ذی الحجہ کے مہینے میں ہوتا تو اس کے بعد محرم میں، پھر صفر میں، پھر ربیع الاول میں یہاں تک کہ ایک وقت وہ آجاتا کہ پھر ذی الحجہ ہی کے مہینے میں حج آجاتا تھا۔

عہدِ نبویؐ میں ہجرت کے نویں سال حج کے فرض ہونے کا اعلان ہوا تو اس وقت حقیقی حساب کے اعتبار سے حج کا مہینہ ذی الحجہ ہی میں واقع ہورہا تھا۔ لیکن جاہلیت کے قدیم دستور کے مطابق حج کا مہینہ ذی قعدہ قرار پاتا تھا جس کی وجہ سے اس سال حج ذی قعدہ کے مہینے میں ہوا۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر الحاج مقرر کیا اور ان کے ہمراہ تین سو صحابۂ کرام کو مکۂ مکرمہ بھیجا تاکہ سب کو حج کرائیں اور شوکتِ اسلام کا اظہار بھی ہوجائے۔ حضرت علیؓ نے سورۂ برات کی ابتدائی چالیس آیتوں کو ان کے احکام ومسائل کے ساتھ حرم میں موجود لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنایا اور یہ اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی بھی کافر حرم کے حدود میں داخل نہیں ہوسکتا۔

ہجرت کے دسویں سال نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کیا تو اس سال حج کا مہینہ اہلِ جاہلیت کے حساب میں بھی ذی الحجہ ہی قرار پایا تھا۔ اس موقعہ پر آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے نسی کی تنسیخ کا اعلان کیا اور صاف صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا:

الآن الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق السمٰوٰت والارض ط زمانہ گھوم پھر کر پھر اسی ہیئت پر آپہنچا جس پر اس کو اللہ نے تخلیق کائنات کے وقت رکھا تھا۔ بالفاظ دیگر اس بات کا اعلان کیا گیا کہ اب یہاں سے ہمیشہ کے لیے حج ذی الحجہ کے

مہینہ میں نویں ۹ تاریخ ہی کو ہونا رہے گا اور اس کے لیے قمری سال کا اعتبار اور حساب ہی اعتناء کے لائق ہوگا۔

اس مقام پر شمسی و قمری سال اور سن عیسوی سے متعلق عبدالقدوس ہاشمی کی تحریر نقل کردینا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

" زمین کی دو قسم کی حرکتیں ہیں۔ ایک اپنے محور پر، جس کی وجہ سے رات دن ہوتے ہیں۔ یعنی نصف کرہ زمین آفتاب کے سامنے ہوتا ہے اور نصف آفتاب کی روشنی سے محروم رہتا ہے۔ دوسری حرکت آفتاب کے گرد ایک بیضوی دائرے پر ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے موسم بدلتے رہتے ہیں زمین اس بیضوی دائرہ پر اپنا ایک چکّر ۴۶/۴۸/۵/۳۶۵ دن کی مدت میں پورا کرتی ہے۔ اس مدت کو شمسی سال کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مدت بارہ مساوی مہینوں پر قابلِ تقسیم نہیں ہے۔ اس لیے موجودہ شمسی عیسوی سال میں ۳۶۵ دنوں کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ سات مہینوں کے دن ہر ایک ۳۱، ۳۱ ہیں۔ چار مہینوں کے ۳۰، ۳۰ اور ایک مہینہ کے دن صرف ۲۸ رکھے گئے ہیں۔ اس طرح ۳۶۵ پورے کر لیے گئے ہیں باقی رہے کسور تو اس کے لیے ہر چوتھے سال کے ماہِ فروری میں ایک دن کا اضافہ کرلیا جاتا ہے اور ۲۹ دن شمار کرلیے جاتے ہیں لیکن حقیقتاً یہ تقسیم بھی کسور پر حاوی نہیں ہوتی۔ اس لیے چار سو سال بعد موسم اور مہینے میں فرق پڑجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ شمسی حساب کے کیلنڈر میں بار بار ترمیم ہوتی رہی ہے اور ہمیشہ ہوتی رہے گی۔ کبھی دن بڑھانے پڑتے ہیں اور کبھی مہینوں میں الٹ پھیر کرکے سال کو نئے نقطہ سے شروع کرنا پڑتا ہے۔ ۱۹۲۳ء میں مجلسِ اقوام جنیوا نے ایک خاص کمیٹی ماہرین کی اس غرض سے بنائی تھی کہ سارے جہاں کے لیے ایک جدید طریقہ شمسی کیلنڈر کا بنا دیا جائے اس کمیٹی نے بہت دنوں تک کام کیا اور ضخیم رپورٹ پیش کی۔ اس میں تیرہ ماہ کے سال کا ایک کیلنڈر بنانے کی تجویز بھی تھی اور یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ موسم اور تاریخ کا ہمیشہ ساتھ رہے۔ ایسا کیلنڈر بنانا ممکن نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ سارے جہاں میں ایک ہی تاریخ رہے اور کسی خاص مہینہ میں ایک ہی موسم رہے۔ مثلاً خط استوا سے شمال میں ہمیشہ ۲۲ دسمبر سب سے چھوٹا دن اور سردی کا موسم ہوگا اور خط استوا کے جنوب میں ۲۲ دسمبر سب سے بڑا دن اور گرمی کا موسم ہوگا۔ اسی طرح بین الاقوامی خط تاریخ سے مشرق اور مغرب میں ہمیشہ دن اور تاریخ کا فرق قائم رہے گا۔

قمری سال حقیقی ہے۔ یعنی چاند کے بارہ مرتبہ عروج و زوال کو ایک سال شمار کیا جاتا ہے۔ زمین کے گرد چاند کے بارہ چکّروں کی مجموعی مدّت ۳۴، ۴۸، ۸، ۳۵۴ دن ہوتی ہے۔ اس لیے ہر قمری سال اتنی مدّت کا ہوتا ہے۔ اس کسی حسابی کے زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے کسی ایک مقام پر تیرھویں بار چاند اس سے کم مدت میں نظر آ ہی نہیں سکتا۔

آج جس شمسی کیلنڈر کو ہم عیسوی کیلنڈر کہتے ہیں اور یہ گریگوری کیلنڈر بھی کہلاتا ہے۔ یہ پرانا رومی کیلنڈر ہے جسے آگسٹس نے ترمیم کیا پھر جولین نے ترمیم کیا اور جولین کیلنڈر کہلانے لگا۔ اور اس کے بعد بھی کئی بار ترمیم کی گئی۔ آخری بار ۱۵۸۱ء میں پاپائے گریگوری کے حکم سے ترمیم ہوی۔ جولین کے چھ سو سال بعد ایک عیسائی راہب

ایگزیگوس نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف غلط حساب کرکے منسوب کردیا۔ جب سے اسے مسیحی کیلنڈر کہنے لگے۔ ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس کا حقیقتاً کوئی تعلق نہیں۔ (تقویم تاریخی: ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان)

اسلام میں قمری نظام کو اہمیت اور ترجیح دی گئی ہے۔ اور رؤیت ہلال کی بنیاد پر تاریخ کا تعین ہے۔ مختلف شہروں میں وقت کے اختلاف پھر اس اختلاف کی بنیاد پر رویت کا اختلاف ایک ناگزیر صورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ایک شہر میں ایک دن چاند دکھائی دیتا ہے اور اسی دن دوسرے شہر میں وقت اور مطلع کے اختلاف اور مطلع ابر آلود رہنے کے باعث چاند دکھائی نہیں دیتا تو یہ شہر والے تیس دن کی گنتی مکمل کرلیتے ہیں۔ اس طرح مختلف ملکوں میں چاند کی تاریخ میں ایک دن کا اختلاف ہوجاتا ہے اور ایسا ہوجانا کوئی معیوب بات نہیں۔ قمری تاریخوں میں یکسانیت ناممکن ہے۔

سنن ابوداؤد میں ہے: مدینہ منورہ سے ایک شخص حضرت امیر معاویہؓ سے ملاقات کے لیے یا کسی غرض سے دمشق بھیجا گیا۔ وہ وہاں رمضان کا پورا مہینہ مقیم رہا۔ پھر اس نے بیان کیا کہ ہم دمشق میں ایک دن پہلے چاند دیکھ چکے ہیں۔ اور آج انتیسویں نہیں تیسویں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے کہ مقامی رؤیت کے مطابق عمل کریں۔ چاہے دوسرے مقام کی رؤیت خود خلیفۂ وقت کے حکم سے ہی کیوں نہ عمل میں آئی ہو۔ (خطبات بہاولپور)

قمری سال کا پہلا مہینا محرم الحرام ہے اور یہ سال بارہ مہینوں میں منقسم ہے اور یہ تقسیم منجانب اللہ ہے۔ ان عدۃ الشھور عنداللہ اثنا عشر شھرا ط اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ ہے۔ مہینوں کے نام اور ان کی ترتیب اس طرح سے ہے (۱) محرم الحرام (۲) صفر المظفر (۳) ربیع الاول۔ (۴) ربیع الثانی۔ (۵) جمادی الاول۔ (۶) جمادی الثانی۔ (۷) رجب المرجب۔ (۸) شعبان المعظم۔ (۹) رمضان المبارک۔ (۱۰) شوال المکرم۔ (۱۱) ذوالقعدہ۔ (۱۲) ذوالحج۔

قمری کیلنڈر کی شروعات ہجرت نبویؐ سے ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے وطن مالوف مکہ مکرمہ سے ہجرت فرماکر جس دن مقام قبا رونق افروز ہوئے اس دن ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ اور دوشنبہ کا دن تھا۔ اس دن شمسی تاریخ 20 ستمبر 622ء تھی۔ اس سال کی تاریخ یکم محرم الحرام شمسی کیلنڈر کے مطابق جمعہ 16 جولائی 622ء تھی اور یہی سن ۱ ہجری کی ابتدا ہے۔

(قاموس تاریخی)

دنیا کی بڑی بڑی مشہور اور قدیم اقوام کے ہاں ان کا خاص کیلنڈر رہے اور ہر قوم کے نزدیک سال کی ابتدا کسی خاص واقعہ سے ہوتی ہے۔ امت مسلمہ میں سال کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے کیا گیا ہے۔ سال ہجرت سے آغاز کی خاص وجہ یہ رہی کہ ہجرت ہی سے مظلومیت کا دور ختم ہوا اور اسلام کی اشاعت اور اس کے غلبہ کی تاریخ شروع ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانہ میں قمری سال کے ساتھ شمسی سال کا اعتبار بھی کیا جاتا رہا ہے۔ چناں چہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض قبائل کو حکم دیا کہ تم سے زراعت کی زکوٰۃ معین مہینے میں نہیں لے جائے گی۔ بلکہ فصل کٹنے پر وصول کی جائے گی۔ دوسرے الفاظ میں شمسی سال پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ (خطباتِ بہاولپور)

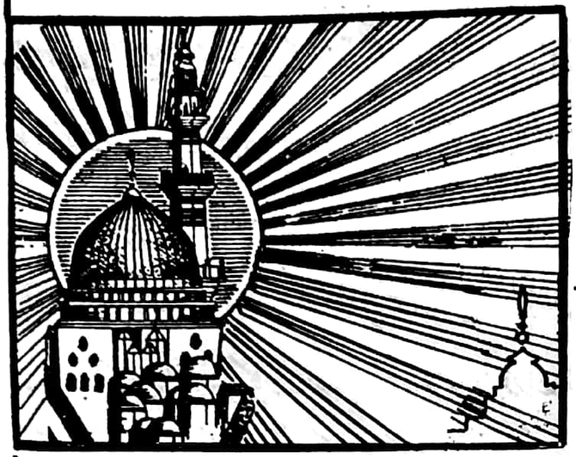
الغرض حجۃ الوداع کے موقعہ پر نسی کی تنسیخ کے اعلان نبویؐ سے قمری کیلنڈر کی بنیاد رکھی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے سرکاری اور غیر سرکاری اور تجارتی و تحریری امور و دستاویزات کے اندر چاند کی تاریخوں کا استعمال عام ہوا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے خلیفہ وقت حضرت عمرؓ سے گزارش کی کہ آپ اپنے خطوط اور سرکاری احکام میں عام الفیل (نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پچاس روز قبل پیش آنے والا واقعہ۔ جس کا ذکر سورۃ الفیل میں ہے۔) یا سن عیسوی کو متعین کر کے اسی حساب سے تاریخ کا اندراج کیجیے۔ اس سے ہمیں احکام و قوانین کے نفاذ کی تاریخ اور ان کی تقدیم و تاخیر اور تنسیخ کے معاملہ کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

حضرت عمرؓ نے اپنی عادت کے مطابق صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ تو بعض حضرات نے بعثت نبویؐ سے سال کا آغاز کرنے کی بات کہی اور بعض نے ہجرت نبویؐ سے سال کا شمار پسند کیا۔ حضرت عمرؓ نے بعثت کے مقابلہ میں ہجرت کو ترجیح دی اور فرمایا: ہجرت ہی اہل ایمان اور اہل کفر کے درمیان امتیاز کا سبب ہے۔ اسی موقعہ پر سال کے پہلے مہینہ کی تعیُّن کا مسئلہ بھی حل ہوا اور محرم الحرام کو پہلا مہینہ قرار دیا گیا

آج دنیا کی اکثر قوموں میں اپنے اپنے قومی سال کے آغاز پر خوشی منانے کا رواج چل پڑا ہے اور اظہارِ خوشی و مسرت کے نت نئے طریقے اور اعمال ایجاد کئے گئے ہیں۔ اور ساری دنیا میں اس کا سب سے زیادہ مظاہرہ مسیحی سال کی شروعات پر ہوا کرتا ہے۔ اور بہت سارے ممالک میں بھی کلچرل پروگرام ہو رہے ہیں۔ سرکاری تعطیل دی جا رہی ہے اور اس موقعہ پر لوگ ایک دوسرے کو سالِ نو کی مبارکباد دے رہے ہیں۔ اور ان امور و اشغال میں امّت مسلمہ بھی شریک اور سہیم نظر آرہی ہے۔ نئے سال کی آمد پر اگر خوش آمدید کہنا ہی ہے تو محرم الحرام کی پہلی تاریخ یہ استحقاق رکھتی ہے۔

اسلام میں چوں کہ سال کی شروعات پر کسی مخصوص فعل اور عمل کے انجام دینے کی ہدایت نہیں ہے۔ اسی لیے عہد صحابہ سے لے کر آج تک بھی امت میں ایسی کوئی نظیر دیکھنے میں نہیں آئی۔ اگر نئے سال کا استقبال ہم دعوتی مجالس کے انعقاد کے ذریعہ کریں تو یہ اقدام مقاصد شریعت کی تکمیل میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح سے امّت دعوت تک اسلام کا پیغام پہنچایا جا سکتا ہے اور یہ امّت اجابت کا ایک اہم فرض بھی ہے۔ اسلام کا سال شروع ہوتا ہے تو ہمیں نواسۂ رسولؐ حضرت حُسین رضی اللہ عنہ کی جانی و مالی قربانی کی یاد دلاتا ہے۔

اور جب سال ختم ہوتا ہے تو ہمیں حضرت ابراھیم علیہ السلام کا اپنے لختِ جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو راہِ خدا میں قربان کرنے والا واقعہ یاد دلاتا ہے سال کا آغاز ہو یا سال کا اختتام وہ ہمیں صرف یہی ایک درس دیتا ہے، قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین ط اے پیغمبر کہہ دیجیے میری نماز، میری قربانی میری زندگی اور میری موت سارے جہانوں کے پروردگار کے لیے ہے ⁂ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔



جواہر الحدیث

☆ مولوی حافظ حکیم ڈاکٹر ابو النعمان بشیر الحق قریشی ایم اے، پی، ایچ ڈی، استاذ دار العلوم لطیفیہ۔ ویلور

عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الطهور شطر الايمان والحمد للہ تملأ الميزان وسبحان الله والحمد للہ تملأن ما بين السموات والارض والصلوٰة نور والصدقة برهان والصبر ضياء والقرآن حجة لك او عليك وكل الناس يغدو فبائع نفسه فمعتقها او موبقها (رواہ مسلم)

یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے منقول ہے۔ امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔ اس حدیث کے پہلے فقرہ میں پاکیزگی اور طہارت و نظافت کو ایمان کا جز قرار دیا گیا ہے۔ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں طہارت و نظافت اور نفاست ایمان کا حصّہ ہے اور الحمد للہ میزانِ اعمال کو بھر دیتا ہے۔ سبحان اللہ اور الحمد للہ آسمانوں اور زمینوں کو بھر دیتے ہیں اور نماز نُور ہے اور صدقہ حجت ہے اور صبر روشنی ہے اور قرآن شریف تمہارے لیے حجت ہے یا تمہارے خلاف حجت ہے۔ ہر شخص صبح کرتا ہے پھر وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے۔ اس طرح سے کہ یا تو خود کو ہلاک کر لیتا ہے یا اپنی نجات کا سامان کر لیتا ہے۔

نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو جوامع الکلم کی نعمت سے سرفراز کیا۔ جس کی وجہ سے آپؐ کی زبانِ مبارک سے صادر ہونے والا ایک ایک جملہ اور ایک ایک فقرہ بھی اپنے اندر معانی و مطالب اور اسرار و دقائق کی ایک وسیع کائنات لیے ہوئے ہوتا ہے یہ حدیث شریف بھی گوناگوں ہدایات اور متعدد موضوعات کی حامل ہے۔ اس حدیث کی ابتدا لفظ طہور سے ہو رہی ہے۔ جس کے معنی ہیں پاکیزگی اور

اور پاکیزگی کو ایمان کا حصہ بتلایا جارہا ہے۔ اس مقام پر ایمان کی تشریح اور تفصیل بے محل نہ ہوگی۔

ایمان کا اصلی اور لغوی معنی یہ ہے کہ کسی شخص پر اعتماد اور اعتبار کرتے ہوے اس کے قول کو سچ اور درست مان لیا جاے۔ اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر کے قول کو سچ اور درست مان لیا جاے اور اس کی کہی ہوی ہر بات کا کامل یقین کیا جاے اور اس یقین کا زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق کی جاے۔ اور اس اقرار اور تصدیق ہیں ایسے حقائق اور امور بھی ہوتے ہیں، جن کا مشاہدہ دنیا کی زندگی میں نہیں ہو سکتا اور وہ انسان کی عقل وحواس سے ماوریٰ ہوتے ہیں۔ اور ان کا تعلق غیب سے ہوتا ہے۔ غیب کی باتوں پر یقین ہی ایمان ہے۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا: اخبرنی عن الایمان؟ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: ان تومن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ: ایمان یہ ہے۔ کہ تم اللہ تعالےٰ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر اور یومِ آخرت پر اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان لاؤ۔

۱۔ ان تومن باللہ

اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھنے کا معنی یہ ہے کہ اس کے وجود کی تصدیق کی جاے اور یہ یقین کیا جاے کہ اللہ تعالےٰ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کا خالق ہے اور وہی غیب وشہادت کا عالم ہے اور ہر چیز کا خالق اور رب ہے اور اس کی ربوبیت میں کوئی شریک نہیں اور ہر چیز اسی کی ملکیت اور تصرف میں ہے اور صرف وہی اللہ ہے اور اس کی الوہیت میں کوئی شریک نہیں اور وہ ہر کمال سے متصف ہے اور ہر نقص سے منزہ ہے۔ موت وحیات کا وہی مالک ہے۔

هو الذی لا الٰہ الا هو عالم الغیب والشهادة هو الرحمٰن الرحیم۔ (الحشر)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ چھپے کھلے کا جاننے والا وہی رحم کرنے والا ہے۔

قل من رب السمٰوٰت والارض قل اللہ۔ آپؐ پوچھیے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالےٰ۔ (الرعد)

رب السمٰوٰت والارض وما بینهما ان کنتم موقنین ؕ لا الٰه الا هو یحیی ویمیت ؕ (الدخان) آسمانوں اور زمین کا رب اور ہر چیز کا رب جو آسمان وزمین کے درمیان ہے۔ اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ اس کے سوا

کوئی معبود نہیں ہے وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔

الا له الخلق والامر تبارك الله رب العٰلمين ؕ (الاعراف)

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص خالق ہونا اور حاکم ہونا۔ بڑی خوبیوں سے بھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ، جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

الحمد لله فاطر السمٰوٰت والارض ؕ (فاطر) اس اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریفات سزاوار ہیں۔ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

قل ادعوا الله او ادعوا الرحمٰن فله الاسماء الحسنٰی ؕ (بنی اسرائیل) تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔

حضرات انبیاء نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت کا اقرار اور اعتراف کیا اور اس سے دعا کی۔ یہ حضرات سارے انسانوں میں علم و معرفت اور عقل و فہم میں کامل و مکمل تھے اور اس زمین میں اللہ کی ذات و صفات کا علم سب سے زیادہ ان ہی حضرات کو حاصل تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا: ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین ؕ (الاعراف)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں یہ عرض کیا: رب ان قومی کذبون فافتح بینی وبینھم فتحا ونجنی ومن معی من المؤمنین ؕ (شعراء) اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔ لہٰذا تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ساتھ با ایمان ساتھیوں کو نجات دے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام بارگاہ ایزدی میں اپنی ذات اور اپنی اولاد اور حرم شریف سے متعلق دست بدعا ہیں۔

رب اجعل ھذا البلد اٰمنا واجنبنی وبنی أن نعبد الاصنام ؕ (ابراہیم) اے میرے پروردگار! اس شہر (مکہ مکرمہ) کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔

اللہ تعالیٰ کی ثناء اور اس کی نعمتوں کا اعتراف اور اس سے دعا کے باب میں حضرت یوسف علیہ السلام کا اندازِ تخاطب ملاحظہ کیجیے:۔

رب قد آتیتنی من الملك وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین ط (یوسف)

اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت وسلطنت عطا کی اور تو نے مجھے خواب کی تعبیر کا علم اور ملکہ عطا فرمایا۔ اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دُنیا اور آخرت میں میرا ولی (دوست اور خیر خواہ) اور کارساز ہے۔ تو مجھے اسلام کی حالت میں موت دے اور مجھے صالحین میں شامل کر دے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فریاد ملاحظہ کیجیے: ما قلت لھم الا ما أمرتنی به ان اعبدوا اللہ ربی وربکم ط (المائدہ) میں نے تو لوگوں سے کچھ نہیں کہا مگر وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا اور وہ یہ کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے ان الفاظ میں مخاطب ہیں: یا بنی اسرائیل اعبدوا اللہ ربی وربکم انه من یشرك باللہ فقد حرم اللہ علیه الجنة ومأواہ النار وما للظالمین من انصار ط (المائدہ) اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ یقین مانو جو شخص بھی اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہی ہے۔ اور گنہ گاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بے شمار دعائیں صدور پذیر ہوئیں۔ آپؐ کرب کے وقت فرماتے تھے: لا الٰه الا اللہ العظیم الحلیم لا الٰه الا اللہ رب العٰلمین ط لا الٰه الا اللہ رب السمٰوٰت والارض ورب العرش العظیم ط (رواہ مسلم فی باب الدعاء الکرب)

اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، خدا عظیم حلیم ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی دونوں جہان کا رب ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی آسمانوں، زمین، عرش عظیم کا مالک ہے۔

مذکورہ دعاؤں کے ذریعہ یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ پر ایمان لانے میں کیا کیا عقائد اور امور شامل ہیں۔ اسی کے ساتھ ہمارے لیے خدا کی ذات وصفات پر روشنی اور رہنمائی ملتی ہے۔

غرض اللہ تعالےٰ کے وجود اور اس کی ذات وصفات، اور اس کے کمال وقدرت اور اس کی الوہیت وربوبیت اور اس کی خالقیت ورزاقیت اور کائنات میں اس کی تدبیر وتصرف وغیرہ سے متعلق بے شمار نقلی دلائل اور عقلی شواہد

موجود ہیں۔ ہر وہ شخص جس کی فطرتِ سلیمہ کا چشمہ گدلا نہ ہوا ہو تو وہ ان باتوں کو ضرور تسلیم کرے گا اور اپنی زبان سے اقرار کرے گا۔ کیوں کہ اللہ نے ہر انسان کو فطرت سلیمہ کے ساتھ دُنیا میں بھیجا ہے اور یہی فطرت خود بخود تقاضہ کرتی ہے کہ وہ اپنے خالق و مربی اور منعم کے وجود اور اس کے انعامات کا اعتراف کرے۔ کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام۔

۲۔ وملائکتہ

عربی زبان میں فرشتہ کے لیے مَلَك کا لفظ مستعمل ہے اور اس کی جمع ملائک ہے۔ فرشتے اللہ کی غیر مادی ذی روح مخلوق ہے۔ جس کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ انسان کو سڑی ہوی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا اور جنّات کو لو والی آگ سے پیدا کیا۔ ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماٍ مسنون والجان خلقنه من قبل من نار السموم ط (الحجر)

اللہ نے اس مخلوق کے ہاتھوں میں دنیا و آخرت کے نظام کی زمام سونپ دی ہے اور ان میں بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔ ان میں سے عظیم اور مقرب فرشتے جبرئیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل ہیں۔ بعض فرشتے انسانوں کی حفاظت و صیانت اور ان کے اعمال کو ضبطِ تحریر لانے اور ان کی ارواح کو قبض کرنے پر مامور ہیں۔ ان میں سے بعض کے ساتھ عرش و کرسی اور جنّت اور اس سے متعلق امور وابستہ ہیں۔ اور بعض کے ساتھ عذاب وعقاب کے معاملات جڑے ہوے ہیں۔

ذیل کی آیات سے ملائکہ کے بارے میں یہ معلومات حاصل ہو رہے ہیں:

ومن یکفر باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضل ضلالا بعیدا ط (النساء)

جو شخص بھی اللہ تعالے سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے تو وہ بہت بڑی گمراہی میں جا پڑا۔

من کان عدوا اللہ وملائکتہ ورسلہ وجبرئیل ومیکائیل فإن اللہ عدو للکافرین ط (البقرۃ) جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالے ان کافروں کا دشمن ہے۔

والملك علی ارجائھا ویحمل عرش ربك فوقھم یومئذ ثمانیہ ط (الحاقہ)

اس دن کے کناروں پر فرشتے ہوں گے اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن (قیامت) آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے

جنت عدن یدخلونھا ومن صلح من اٰبائھم وازواجھم وذریاتھم والملائکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم ط (الرعد)

ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں یہ (اہل ایمان) خود جائیں گے اور ان کے آباء واجداد اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد میں سے جو جو صاحب ایمان ہیں وہ بھی ان کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔ ہر طرف سے فرشتے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے اور ان سے کہیں گے تم پر سلامتی ہو، تم نے دُنیا میں صبر سے کام لیا۔ جس کی وجہ سے آج تم اس نعمت کے مستحق ہوئے ہو۔

وما ادراک ما سقر لا تبقی ولا تذر لواحۃ للبشر علیھا تسعۃ عشر وما جعلنا اصحاب النار الا ملائکۃ ط (المدثر) دوزخ کیا چیز ہے؟ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے کھال کو جھلس دیتی ہے (انسان نہ اس میں مرے گا نہ جئے گا۔) اور اس میں انیس فرشتے مقرر ہیں۔ ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے رکھے ہیں۔

واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک قال انی اعلم ما لا تعلمون ط (البقرۃ)

اور تیرے رب نے جب فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انھوں نے عرض کیا۔ ایسے انسانوں کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح اور تیری تقدیس بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ ط (الرعد)

انسان کے آگے پیچھے پہرہ دار مقرر ہیں۔ جو اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں۔ انسان کی حفاظت کے لیے فرشتے باری باری ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں تو شام کے فرشتے آتے ہیں۔ شام کے جاتے ہیں تو دن کے آجاتے ہیں۔

وان علیکم لحفظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون ط (الانفطار)

تم پر فرشتے بطور نگران مقرر ہیں۔ عزت والے لکھنے والے (فرشتے) جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔

اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا ط (الحج) اللہ ہی ہے جو فرشتوں میں سے پیغام رساں منتخب کرتا ہے۔
قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم ط (سجدہ) کہہ دیجیے موت کا فرشتہ (عزرائیل علیہ السلام) جو تم پر مقرر ہے، وہ تم پر موت طاری کرے گا۔

احادیث میں بھی فرشتوں کا ذکر مختلف پہلوؤں اور زاویوں سے ملتا ہے۔
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نمازِ تہجد ادا فرماتے تو اس وقت مختلف دعائیں پڑھتے۔ ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے، جس میں تین فرشتوں کے نام ملتے ہیں: اللّٰھم رب جبریل ومیکائیل واسرافیل۔
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان البیت المعمور یدخلہ کل یوم سبعون ألف ملک ثم لا یعودون ط (صحیحین) بیت المعمور (جو ساتویں آسمان میں بیت اللہ کی طرح ہے۔) میں ہر روز ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر وہ دوبارہ داخل نہیں ہوتے۔
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اذا کان یوم الجمعۃ کان علی کل باب من ابواب المسجد ملئکۃ یکتبون۔ الاول فالاول فاذا جلس الامام طووا الصحف وجاؤوا یستمعون الذکر ط (رواہ مالک)
جمعہ کے روز مسجدوں کے دروازوں پر فرشتے کھڑے رہتے ہیں اور ہر آنے والے شخص کا نام لکھتے ہیں۔ جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو دفتر بند کر دیتے ہیں اور خود خطبہ سننے کے لیے اندر پہنچ جاتے ہیں (اس کے بعد آنے والے اشخاص کے نام دفتر میں نہیں ہوتے اور وہ جمعہ کی نماز کے مکمل ثواب سے محروم ہو جاتے ہیں۔)
بعض صحابۂ کرامؓ نے غزوۂ بدر کے موقعہ پر فرشتوں کو دیکھا ہے اور حضرت جبرئیلؑ جب بھی دحیہ کلبیؓ کی صورت میں نمودار ہوتے تو صحابۂ کرامؓ انھیں دیکھ لیا کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر حضرت جبرئیلؑ ایک اجنبی کی صورت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض سوالات کیا۔ اس کے بعد چلے گئے تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ سے کہا: أتدرون من السائل؟ جانتے ہو یہ سوالات کرنے والا کون تھا؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسولؐ سب سے زیادہ جانتے ہیں: ارشاد فرمایا: ھذا جبرئیل أتاکم یعلمکم امر دینکم ط یہ جبرئیل تھے جو تمہیں دین کی تعلیم دینے کے لیے تشریف لائے تھے۔

۳۔ کتب

اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ تمام آسمانی کتابیں جن کے نزول کی صحت پر دلائل اور شواہد ہوں، اُن کی تصدیق کی جائے۔ والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک ۔ (البقرۃ) اور جو لوگ ایمان لاتے

ہیں اس پر جو آپؐ کی طرف اتارا گیا اور جو آپؐ سے پہلے (انبیاء کرام پر) اُتارا گیا۔

سابقہ آسمانی کتابوں پر یہ اعتقاد رکھا جائے گا کہ وہ سب سچی ہیں۔ ان پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لو کان موسیٰ او عیسیٰ حیا لم یسعہ الا اتباعی ط (مسلم)

اگر حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ (جو صاحبانِ کتاب ہیں) بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری ہی اتباع کرنی ہوتی۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم وقولوا اٰمنا بالذین انزل الینا وما انزل الیکم ط (بخاری) اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔ بلکہ یہ کہو اللہ نے جو ہماری جانب نازل کیا ہے اور جو تمہاری جانب نازل کیا ہے اس پر ایمان لائے۔

آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں عظیم کتابیں چار ہیں۔ ۱۔ توراۃ۔ ۲۔ زبور۔ ۳۔ انجیل۔ ۴۔ قرآن۔

توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوی۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قرآن حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

نزل علیك الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ وانزل التوراۃ والانجیل ط (اٰل عمران)

جس نے آپؐ پر حق کے ساتھ اس کتاب (قرآن مجید) کو نازل فرمایا ہے، جو اس سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اسی نے توراۃ اور انجیل کو اتارا۔

واٰتینا داؤد زبورا ط (النساء) اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔

قرآن کریم ہی وہ آسمانی کتاب ہے۔ جس کے نازل ہونے کے بعد آسمانی کتابوں کے نازل ہونے کا سلسلہ مکمل ہو گیا اور اس کتاب نے تمام آسمانی کتابوں اور ان کے احکامات و شرائع کو منسوخ کر دیا۔ اور اب یہی کتاب ساری دُنیا کے انسانوں کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے اور اس کتاب میں کسی جہت اور کسی سمت سے باطل کی آمیزش نہ ہوگی اور خود اس کتاب کے نازل کرنے والے نے اس کی حفاظت اپنے ذمّہ لے لی ہے اور جو بھی اس کتاب کو اپنے لیے رہنما بنائے گا۔ وہ ہدایت پر رہے گا۔

وانہ لکتٰب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمیدٍ (حٰمٓ السجدہ)

یہ بڑی باعظمت اور باوقعت کتاب ہے نہ اس کے آگے نہ اس کے پیچھے سے باطل پھٹک نہیں سکتا اور یہ حکمتوں والے اور خوبیوں والے کی طرف سے نازل ہوی ہے۔

انا نحن نزلنا الذکروانا لہ لحفظون ط (الحجر) ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

فمن اتبع ھدٰی فلا یضل ولا یشقی ط (طٰہٰ) جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بھکے گا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔

نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ترکت فیکم ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی ط کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ط (رواہ الحاکم فی المستدرك)

لوگو! تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں، جسے تم تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنّت۔

قرآنِ کریم پر ایمان کا یہ اثر ہے کہ آج لاکھوں فرزندانِ توحید قرآن کی تلاوت، اس کے حفظ اور اس کی تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہیں۔ اور یہ فیض ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ان ترغیبات کا۔ خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ ط (ابوداؤد) تم میں بہترین شخص وہ ہے جو خود قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔

لاحسد الافی اثنین رجل آتاہ اللہ القرآن فھو یتلوہ آناء اللیل وآناء النھار ورجل آتاہ اللہ مالا فھو ینفقہ آناء اللیل وآناء النھار ط (البخاری)

حسد صرف دو ہی شخص پر کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن کا علم اور اس کا فہم و تدبر عطا کیا اور وہ دن رات اس کا پیغام عام کر رہا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے دولت عطا کی اور وہ دن رات اپنے مال کو اسلام کی دعوت میں صرف کر رہا ہے۔

۴۔ ورسلہ

اللہ اپنے بندوں میں سے چند مخصوص افراد کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا، تاکہ ان کے ذریعہ سارے انسانوں تک احکام اور شرائع پہنچ سکیں اور روز قیامت انسانوں کے سامنے حجت مکمل ہو اور ان کے ساتھ وحی کے ذریعہ رابطہ قائم کیا۔

وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ

مایشآء ط (الشوریٰ) اللہ تعالیٰ کسی انسان سے کلام کرے، یہ ناممکن ہے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا فرشتے کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے۔

اس آیت میں پیغمبروں پر وحی نازل ہونے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ دل میں کسی بات کا القاء کرنا یا خواب میں کسی بات سے مطلع کرنا، اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ۲۔ پردے کے پیچھے سے کلام کرنا۔ جیسے کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا گیا۔ ۳۔ فرشتے کے ذریعہ پیغام بھیجنا۔ چنانچہ اس کام کے لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام مامور تھے۔ آپ ہی انبیائے کرام کے پاس وحی لاتے تھے۔

انبیائے کرام نبوت سے پہلے بھی گندگی سے دور رہے اور نبوت کے بعد بھی بدرجۂ اولیٰ دُور تھے اور وہ بشری صفات سے متصف ہونے کے باوجود روحانیت اور نورانیت کے ایک ایسے درجہ پر فائز تھے۔ جہاں تک کسی فردِ بشر کی رسائی نہیں ہوی۔ اور وہ سارے انسانوں میں اخلاقیات کا کامل ترین نمونہ تھے اور بنی نوع انسان میں سب سے افضل و اعلیٰ شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ نے انھیں معجزات عطا کیا۔ جس کی وجہ سے ان کے ہاتھوں غیر معمولی اور محیر العقول واقعات ظاہر ہوے۔ حضور پر نور سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی قریشی سیدنا اسماعیل بن ابراھیم علیہ السلام کی صلب سے ہیں۔ اللہ نے آپ کو تا قیامِ قیامت سارے انسانوں کی جانب نبی اور رسول بنا کر بھیجا۔ اور آپؐ کی ذات قدسی صفات پر رسالات اور نبوت کو ختم کردیا ہے۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہ ہوگا۔ آپؐ کو غیر محدود اور بعض دائمی معجزات عطا کیا اور آپؐ کو ساری مخلوق میں برگزیدہ قرار دیا اور آپؐ کو سارے نبیوں پر فضیلت بخشی اور آپؐ کے ساتھ محبت رکھنے کو فرض قرار دیا اور آپؐ کی طاعت کو واجب قرار دیا اور آپؐ کو بعض ایسے کمالات اور خصوصیات سے مشرف کیا۔ جن میں صرف آپؐ ہی اپنی نظیر ہیں۔ جیسے الوسیلہ الکوثر، الحوض۔ المقام المحمود۔

انبیائے کرام سے متعلق یہ نقلی دلائل ملاحظہ کیجیے، جن کی روشنی میں متعدد معانی اور مطالب اور مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت ط (النحل)

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وھٰرون وسلیمان واٰتینا داوٗد

زبوراط ورسلا قد قصصناهم علیك من قبل ورسلا لم نقصصهم علیك وكلم الله موسیٰ تكليماء رسلا مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل وكان الله عزيزا حكيما ط (النساء)

ہم آپ (سیدنا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف اسی طرح وحی کی جس طرح نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی۔ ہم نے ابراھیم (علیہ السلام) اسماعیل (علیہ السلام) اسحاق (علیہ السلام) یعقوب (علیہ السلام) اوران کی اولادوں پر وحی کی۔ نیز عیسیٰ (علیہ السلام) ایوب (علیہ السلام) یونس (علیہ السلام) ہارون (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) کی طرف وحی کی اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا کی۔ آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کئے ہیں۔

مفسرین کرام کے نزدیک ان کی تعداد چوبیس یا پچیس ہے۔ جن رسولوں کے اسمائے گرامی اوران کے واقعات کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے اور جن رسولوں کے نام قرآن میں بیان نہیں کئے گئے ہیں ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہے۔ ایک حدیث میں انبیائے کرام کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار منقول ہے۔

اور آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔ اور اللہ نے رسولوں کو اس لیے بھیجا تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام باقی نہ رہ جائے۔

ولقد ارسلنا رسلا بالبينات وانزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط (الحدید) اور ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی اور روشن دلیلیں دے کر بھیجا اوران کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔

وايوب اذ نادى ربه أنى مسنى الضر وانت ارحم الراحمين ط (الانبیاء) اور ایوب علیہ السلام کی اس حالت اور کیفیت کو یاد کرو جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا: مجھے یہ بیماری تکلیف دہ ہے۔ تو مجھے اس سے شفاء عطا فرما اور تو رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

وما ارسلنا قبلك من المرسلين الا انهم لياكلون الطعام ويمشون فى الاسواق ط (الفرقان)

ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو آیات ہیں ان کے مطالعہ سے آپ کے مخصوص کمالات اور خصائص پر روشنی ملتی ہے۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین ط (الانبیاء)

ہم آپؐ کو تمام جہاں والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولٰکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین ط (الاحزاب)

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن آپؐ اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں اور آپؐ کی ذات پر نبوت کا سلسلہ ختم ہے۔

ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ ط (الضحیٰ)

آپؐ کو آپؐ کا رب عنقریب انعام دے گا اور آپؐ راضی اور خوش ہو جائیں گے۔

وکذلك جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا ط (البقرۃ)

اور ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت (امت وسط) بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ ہو جائیں۔

اس آیت میں قیامت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی جانب اشارہ ہے۔ جب اللہ تعالےٰ پیغمبروں سے پوچھے گا کہ تم نے میرا پیغام لوگوں تک پہنچایا تھا؟ وہ عرض کریں گے۔ ہاں! اللہ تعالےٰ فرمائے گا: تمہارا کوئی گواہ ہے؟ وہ عرض کریں گے: ہاں! محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت۔ اس وقت امتِ محمدیؐ گواہی دے گی۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی عمومیت اور دوامیت اور بعض خصائص کا ذکر بعض احادیث میں بھی ملتا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے:

کلکم یدخل الجنۃ الامن ابی وقالوا من یأبی یا رسول اللّٰہ! قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد أبیٰ ط (البخاری)

جس کسی نے میرا انکار کیا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کون ہے جو آپ کا انکار کرے؟ فرمایا: جس نے میری پیروی کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے پیروی نہیں کی پس اس نے میرا انکار کیا۔

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی ط اعطیت جوامع الکلم

واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطهورا وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون ط (الترمذی)

نبوت اور رسالت کا اختتام اور تکملہ ہو چکا۔ میرے بعد کوئی نبی اور رسول مبعوث نہ ہوگا۔ مجھے جامع کلمات سے نوازا گیا مجھے رعب اور دبدبہ سے نوازا گیا۔ میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا گیا۔ میرے لیے ساری زمین کو پاک اور سجدہ گاہ بنا دیا گیا۔ اور مجھے ساری مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اور میری ذات سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

اذا کان یوم القیامة کنت امام الانبیاء وخطیبهم وصاحب شفاعتهم ولا فخر ط (ابن ماجہ)

اس نعمت کا اظہار کوئی فخر نہیں ہے بلکہ نعمت کا اعتراف اور اس کا بیان ہے کہ میں قیامت کے روز انبیاءِ کرام کا امام اور ان کا خطیب اور ان کے لیے شفاعت کناں رہوں گا۔

انا سید ولد آدم یوم القیامة (صحیحین) میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار اور پیشوا رہوں گا۔

اول من ینشق عنه القبر یوم القیامة واول شافع واول مشفع ط (صحیحین) میں ہی پہلے قیامت کے روز قبر سے باہر نکل آؤں گا اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی۔

لکل نبی دعوة فدعاها لامته وانی اختبأت دعوتی شفاعة لامتی ط

ہر نبی کے لیے ایک مستجاب دعا ہے اور اس نے دنیا ہی میں اپنی امت کے حق میں وہ دعا کر دی ہے۔ میں نے اپنی مستجاب کو آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لیے مخصوص کر رکھی ہے۔

۵۔ والیوم الآخر

اس دنیا میں جس شخص کی زندگی کی آخری ساعت جب مکمل ہو جائے گی تو برزخی زندگی شروع ہو جائے گی جو قیامت پر منتہی ہو جائے گی۔ پھر یہ زندگی ایک ایسا روپ اختیار کرے گی۔ جس میں وقت کی تحدید اور تعیّن نام کی چیز نہ ہوگی۔ اس حیاتِ برزخ میں منکر نکیر کا سوال و جواب اور عذاب و ثواب کا مسئلہ، ایمانیات اور یقینیات سے تعلق رکھنے والا ہے۔ ایک بزرگ ہمعصر مفسرِ قرآن فرماتے ہیں:

مرنے کے بعد سے قیامت تک کا زمانہ خالص عدم اور کامل نیستی کا زمانہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض کم علم لوگ گمان کرتے ہیں بلکہ اس زمانہ میں جسم کے بغیر روح زندہ رہتی ہے۔ کلام کرتی ہے اور کلام سنتی ہے۔ جذبات و احساسات رکھتی ہے خوشی اور غم محسوس کرتی ہے۔ اہلِ دنیا کے ساتھ بھی اس کی دلچسپیاں باقی رہتی ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مرنے کے بعد اس مردِ مومن

(سورۂ یٰسٓ میں ایک مردِ مومن کا ذکر ہے (جس نے اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور حضرت عیسیٰؑ کے قاصدین کا انکار کرنے سے بچنے کی تلقین کی تو لوگوں نے اُسے قتل کر دیا۔ تو اسی وقت وہ جنت میں داخل کیا گیا۔ (قیل ادخل الجنۃ) کو جنت کی بشارت کیسے دی جاتی اور وہ اپنی قوم کے لیے، یہ تمنّا کیسے کرتا کہ کاش وہ اس کے انجام نیک سے باخبر ہو جائے۔

اس سلسلہ میں یہ آیات ملاحظہ کیجیے:

ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیھم أخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاتہ تستکبرون ولقد جئتمونا فرادی کما خلقنکم أول مرۃ وترکتم ما خولناکم وراء ظھورکم وما نری معکم شفعاءکم الذین زعمتم انھم فیکم شرکاء لقد تقطع بینکم وضل عنکم ما کنتم تزعمون ط (الانعام) اور اگر آپؐ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم (کافر) لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا کر کہہ رہے ہوں گے، اپنی جانیں نکالو۔ آج تم کو ذلّت کی سزا دی جائے گی، اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبّر کرتے تھے اور اب تم تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے۔ جیسا ہم نے تمہیں اول بار تم کو پیدا کیا تھا۔ جو کچھ ہم نے تم کو دُنیا میں دیا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔ اور اب ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ جن کے متعلق تم یہ سمجھتے تھے کہ وہ تمہارے کام بنانے میں شریک ہیں۔ تمہارے آپس کے رابطے منقطع ہو گئے اور وہ سب تم سے گم ہو گئے جن کا تم زعم رکھتے تھے۔

سنعذبھم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم ط (التوبہ) ہم ان کو دہری سزا دینگے پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔

النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ أدخلوا آل فرعون اشد العذاب ط (غافر) آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر روز صبح و شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) فرعونیوں کو سخت عذاب میں ڈالو۔

یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ ویضل اللہ الظالمین ویفعل اللہ ما یشاء ط (ابراھیم) اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ قولِ ثابت پر مضبوط رکھتا ہے دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی اور ظالمین کافرین کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اللہ جو چاہے کر گزرے۔

سورۂ انعام کی مذکورہ آیت میں الیوم سے مراد روح قبض کرنے کا دن ہے اور یہی عذاب کے اور ثواب کے آغاز کا

وقت بھی ہے۔ جس کا مبدا ر قبر ہے۔ اور آیات و احادیث کی رو سے قبر میں عذاب اور ثواب کا ثبوت ہے۔ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف فتنوں سے پناہ طلب کی ہے، ان میں عذاب قبر کا فتنہ بھی شامل ہے۔ امام بخاریؒ نے نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اپنی کتاب میں نقل کی ہے: اللّٰھم إنی اعوذ بك من عذاب القبر ومن عذاب النار ومن فتنة المحیاء والممات ومن فتنة المسیح الدجال ط (البخاری)

اے اللہ میں قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے اور زندگی موت کے فتنہ سے اور دجال کے دجل وفریب سے پناہ مانگتا ہوں۔

ایک بہت مشہور حدیث ہے جس میں عذاب قبر کے علاوہ دیگر امور مثلاً مردوں کا سُننا، جنت، اور اس کی نعمتوں اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا دیدار، فرشتوں کا سوال اور میّت کے جوابات وغیرہ پر بھی روشنی ملتی ہے۔

ان العبد اذا وضع فی قبره وتولی عنه اصحابه وانه یسمع قرع نعالهم۔ أتاه ملکان فیقعدانه فیقولان له۔ ماکنت تقول فی هذا الرجل لمحمد صلے الله علیه وسلم؟ فأما المؤمن فیقول اشهد انه عبد الله ورسوله۔ فیقال له: انظر الی مقعدك من النار قد ابدلك الله به مقعداً من الجنة فیراهما جمیعاً۔ واما المنافق أوالکافر فیقولان له ماکنت تقول فی هذا الرجل؟ فیقول لاادری کنت اقول مایقول الناس۔ فیقال له لادریت ولاتلیت ویضرب بمطارق من حدید ضربة فیصیح صیحة یسمعه من یلیه غیرالثقلین ط

لوگ جب میّت کو قبر میں رکھ کر چلے جاتے ہیں تو وہ جانے والوں کی جوتیوں کی آواز سُنتی ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں: اس بزرگ ہستی (سیدنا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس سوال سے ان کا یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ کیا تم نے اپنی زندگی میں اس ذاتِ گرامی کو نبی تسلیم کیا تھا؟ میّت صاحبِ ایمان ہو تو یہ جواب دیتی ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس سے فرشتے کہتے ہیں: دوزخ میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ لے، جسے اللہ تعالےٰ نے تیرے لیے جنت سے بدل دیا۔ پھر اُسے جنت اور اس کی نعمتیں دکھلاتے ہیں۔

میّت اگر کافر یا منافق ہو تو، وہ یہ کہتی ہے: میں اس شخص (سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اس پر فرشتے اُسے لوہے کی سلاخوں سے زدوکوب کرنے لگتے ہیں۔ جس سے وہ چیخنے لگتا ہے۔

انسان اور جن کے سوا جو مخلوق اُس کے آس پاس ہوتی ہے، وہ اس کی چیخ و پکار سُنتی ہے۔ میت کو قبر میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نظر آئیں گے۔ خواہ میت زمین کی کسی جہت میں دفن ہو جائے یا آگ کے شعلوں کی نذر ہو جائے یا سمندر کی مچھلیوں کا نوالہ بن جائے یا فضا میں بکھر جائے اس کی روح اور قبرِ انور کے درمیان میں حائل سارے حجابات اٹھا دیے جائیں گے۔

امام بخاری نے یہ حدیث نقل کی ہے:

لما مر بقبرين فقال انهما يعذبان وما يعذبان في كبير ثم قال بلى. أما احدهما فكان يسعى بالنميمه واما الآخر فكان لا يستتر من بوله ط (البخاری)

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا۔ یہ دونوں قبر والے عذاب میں گرفتار ہیں۔ اور انھیں عذاب دیے جانے کا سبب یہ ہے کہ ان میں سے ایک شخص لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا اور دوسرا شخص پیشاب کی پاکی کا اہتمام نہیں کرتا تھا۔

امام بخاری نے یہ روایت بھی نقل کی ہے:

اذا مات احدكم عرض عليه مقعده بالغداة والعشي ان كان من اهل النار فمن اهل النار: فيقال له هذا مقعدك حتى يبعثك الله الى يوم القيامة ط (البخاری)

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص انتقال کر جاتا ہے تو اس کے سامنے صبح شام اس کا ٹھکانہ بتلایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے یہی تمہارا ٹھکانہ ہے۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔ (جنت ہو تو جنتی ٹھکانہ دوزخی ہو تو دوزخی ٹھکانہ۔ مومن اپنے جنتی ٹھکانہ کو دیکھ دیکھ کر راحت محسوس کرتا ہے۔ اور دوزخی اپنے دوزخی ٹھکانہ کو دیکھ دیکھ کر تکلیف محسوس کرتا ہے۔)

غرض قبر کی زندگی میں عذاب اور ثواب کا سلسلہ قیامت قائم ہونے تک رہتا ہے۔ اس کے لیے جسم کا محفوظ رہنا اور دو گز زمین کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ میت سمندر میں غرق ہو چکی ہو یا جل گئی اور اس کے وجود کا نام و نشان بھی باقی نہ ہو پھر بھی اس کے ساتھ عذاب و ثواب کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ انسانوں کو عذاب و ثواب کے مناظر دکھائی نہ دینے سے عذاب اور ثواب کی نفی اور اس کے عدم پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ایک مومن کے لیے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہی کافی ہے۔ جو آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں کہا۔

نعم عذاب القبر حق : ہاں! قبر کا عذاب حق ہے۔ اہلِ علم نے عذاب قبر کو سمجھانے کے لیے خواب کی مثال دی ہے۔ ایک شخص خواب میں المناک اور دردناک مناظر دیکھتا ہے اور اس کی وجہ سے کرب اور تکلیف محسوس کرتا ہے اور بسا اوقات اس کی پیشانی عرق آلود ہوجاتی ہے اور اس کی چیخ نکل پڑتی ہے۔ لیکن اس خوابیدہ شخص کی حالت و کیفیت کو کوئی محسوس نہیں کرتا۔ اور اسے دکھائی دینے والے مناظر کا مشاہدہ کوئی نہیں کرتا خوابیدہ شخص کی مثال درکنار۔ بیدار شخص کے درد و کرب و تکلیف اور خوف کی حالت کو بھی اسی وقت محسوس کیا جاتا ہے کہ جب تک وہ خود اپنے خوف اور کرب کا اظہار نہ کرے۔

زید بن ثابت کا بیان ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار قبیلۂ بنی نجار کے ایک باغ کے پاس سے گزر رہے تھے، جہاں کچھ قبریں تھیں۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن نہ کرسکو گے تو میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا کہ قبر کے عذاب میں سے جتنا کچھ میرے کان سُن رہے ہیں، اس میں سے کچھ تم کو بھی سُنا دے۔

اس کے بعد آپؐ ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: قبر اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگو: قال تعوذوا باللہ من عذاب القبر تعوذو باللہ من عذاب النار۔ (مسلم)

غرض آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل قبر ہے۔ پھر جب قیامت قائم ہوجائے گی تو لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ حیرانی و پریشانی کے عالم میں کہہ اٹھیں گے: یہ کس نے ہمیں خواب گاہ سے اٹھا کر کھڑا کردیا۔ یٰویلینا من بعثنا من مرقدنا۔

اس دن کے آنے کا صحیح وقت اور علم اللہ نے اپنے پاس ہی رکھا ہے۔ البتہ یہ دن قریب آجانے کی کچھ علامات اور نشانیاں اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ظاہر فرمایا ہے۔ ان میں چند علامات یہاں بیان کی جارہی ہیں:

یرفع العلم ویظھر الجھل ویفشو الزنا ویشرب الخمر ویکثر النساء ویقل الرجل حتی یکون الخمیس امراۃ قیم واحد

دین کا علم ختم ہوجائے گا۔ جہالت پھیل جائے گی۔ زناکاری عام ہوجائے گی، شراب نوشی عام ہوجائے گی، عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی مردوں کی تعداد گھٹ جائے گی یہاں تک کہ پچاس عورتوں کے مقابلہ میں ایک مرد ہوگا۔

الامانۃ مغنما والزکوٰۃ مغرما ، اطاع الرجل زوجتہ وعق امہ وبر صدیقہ وجفا اباہ وارتفعت الاصوات فی المساجد وکان زعیم القوم ارذلھم ۔ اکرام الرجل مخافۃ شرہ ۔ واتخذت الغیان والمعازف ولعن اخرھذہ الامۃ اولھا ط

امانت کو غنیمت سمجھا جائے گا یعنی امانت ختم ہو جائے گی ۔ زکوٰۃ کی ادائیگی بوجھ سمجھی جائے گی ۔ مرد اپنی بیوی کی فرماں برداری کرے گا اور اپنی ماں سے منہ موڑ لے گا اور اپنے دوست پر مہربان ہوگا اور اپنے باپ پر ظلم کرے گا ۔ مسجدوں میں شور وغل ہوگا اور فتنے اٹھیں گے ۔ قوم کے رہنما رذیل اور بداخلاق ہوں گے ۔ لوگ آدمی کی تعظیم اس کے شر اور تکلیف سے بچنے کے لیے کریں گے ۔ ناچ گانا اور لہو ولعب عام ہو جائے گا ۔ اس امّت کے آخری لوگ اپنے متقدمین و سابقین بزرگوں پر لعن وطعن کریں گے ۔

یشھدون ولا یستشھدون و یخونون ولا یؤتمنون و یفشو فیھم السمن ط لوگ بغیر طلب گواہی دیں گے ۔ حالاں کہ گواہی دینا دُنیا اور آخرت میں بڑی ذمہ داری کا کام ہے ۔ خیانت کریں گے ، ان میں امانت داری نہ ہوگی ۔ اور اس کے علاوہ دین کے سارے احکام و مسائل میں انتہائی لاپرواہی اور بے پرواہی رہے گی ۔

یتقارب الزمان وینقص العمل و یلقی الشح وتظھر الفتن ویکثر الھرج والمرج وقت بڑی تیزی کے ساتھ گزرتا رہے گا ۔ دسال مہینہ ، مہینہ ہفتہ ، ہفتہ دن اور دن گھنٹہ کی طرح بیت جائے گا ۔ عمل میں کمی آجائے گی ۔ بخل اور خود غرضی پھیل جائے گی ۔ نئے نئے فتنے ظاہر ہوتے رہیں گے ۔ کشت وخون اور قتل کا بازار گرم رہے گا ۔ انسانی خون پانی کی طرح بہتا رہے گا ۔ وتکثر الزلازل : زلزلوں کی کثرت ہوگی ۔

ان تلد الامۃ ربتھا وان تری الحفاۃ العراۃ یتطاولون البنیان ط لڑکیاں اپنی ماؤں کے ساتھ ایسے پیش آئیں گی ، جیسے مالکن اپنی خادمہ کے ساتھ پیش آتی ہے ۔ لڑکیاں جب انتہائی نافرمان ادب ناشناس ہوں گی تو لڑکوں کی بداخلاقی اور بدسلوکی کا کیا عالم ہو سکتا ہے ! چرواہے جیسے فقیر وحقیر بے بضاعت لوگ اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے ۔ ان کے پاس دولت کے انبار ہوں گے ۔ اور نا اہل لوگ بڑے بڑے عہدوں اور اونچے مناصب پر فائز ہوں گے ۔ اذا اسد الامر الیٰ غیر اھلہ فانتظر الساعۃ ۔

جب ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو سمجھ لیں کہ قیامت آہی گئی ۔ فانتظر الساعۃ ط

امام ابوداؤد نے یہ حدیث نقل کی ہے ۔ جس میں دس نشانیوں کا ذکر ہے ۔

قال انها لن تقوم حتی ترون قبلها عشر ایات فذکر الدخان والدجال والدابۃ وطلوع الشمس من مغربها ونزول عیسٰی ابن مریم ویاجوج وماجوج وثلثۃ خسوف خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزیرۃ العرب آخر ذالک نار تخرج من الیمن تطرد الناس الی محشرھم ط (ابوداؤد: باب امارات الساعۃ)

دھواں، دجال، دابۃ الارض کا نکلنا، سورج کا مغرب سے نکلنا، عیسٰی ابن مریم کا نزول، یاجوج ماجوج کا نکلنا، تین بڑے خسف یعنی زمین دھنس جائے گی، ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں، تیسرا جزیرۃ العرب میں۔ آخر میں ایک آگ یمن سے نکلے گی جو لوگوں کو ہانکتی ہوی میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔

غرض قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر قیامت اور اس کے مناظر واحوال پیش کئے گئے ہیں۔ اس کی ابتداء صور پھونکنے سے ہوگی۔ جس کی وجہ سے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی ساری مخلوقات سہم جائیں گی۔

فاذا جاءت الصاخۃ یوم یفر المرء من اخیہ وأمہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ ط (عبس)

یہ صاخہ ایک ایسی دہشتناک آواز ہے۔ جس سے کان بہرے ہوجائیں اور ہوش اڑجائیں گے تو اس دن آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ یعنی ان کی جانب التفات نہ کرے گا اور نفسی نفسی کا عالم بپا ہوجائے گا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات کہی کہ اس وقت سارے لوگ میدان حشر میں ننگے بدن، ننگے پیر، پیدل اور غیر مختون ہوں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے یہ بات سنی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا اس برہنگی کے باعث لوگوں کی نظریں ایک دوسرے کی شرم گاہوں پر نہیں پڑیں گی؟ تو اس کے جواب میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی آیتِ کریمہ تلاوت کی:

لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ ط ہر شخص اپنے آپ میں ایسا گم رہ جائے گا کہ وہ کسی جانب التفات ہی نہیں کریگا۔

دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب فنا ہوجائیں گے اور وہی فنا سے محفوظ رہیں گے۔ جن کو اللہ باقی رکھنا چاہے چناں چہ ایک حدیث میں ہے۔ کہ سات چیزوں کے لیے فنا نہیں ہے۔ عرش، کرسی، جنت، دوزخ، لوح، قلم اور ارواح۔ اور بعض روایات میں عرش بردار فرشتے، جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے غیر فانی ہونے کی صراحت ہے۔ ایسی صورت میں قرآن کریم کی یہ آیتِ طیبہ (کل شئی ھالک الا وجھہ) اللہ کی ذات کے سوا ہر شئے کے لیے فنا ہے۔

ویبقیٰ وجہ ربك ذوالجلال والاکرام) مذکورہ روایات اوراحادیث سے متصادم ہوگی۔ اس تصادم کو دور کرنے کے لیے یہ آیتِ طیّبہ معاون ہوگی۔ ونفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوٰت والارض الا ماشآء اللّٰہ ط اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہوکر گر پڑیں گے۔ مگر جسے اللہ چاہے۔

الاماشاءاللّٰہ کے استثناء کی وجہ سے حدیث میں مذکورہ اشیاء غیر فانی قرار پائیں گے۔ پہلی آیت دوسری آیت عام مخصوص منہ البعض ہوگی اور آیت آیت سے متصادم نہ ہوگی۔ اور آیت حدیث سے متصادم نہ ہوگی بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ احادیث میں مذکور غیر فانی اشیاء اور آیت میں مستثنیٰ کے ذریعہ غیر فانی قرار پانے والی اشیاء کے لیے بھی فنا ہے۔ پہلے سے وہ پلک جھپکنے ہی کی مقدار میں ہو۔ وہ پھر فنا کے پردہ سے بقا کے لبادہ کے جلوہ گر ہوجائیں گے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

پھر صور پھونکا جائے گا تو وہ تمام انسان جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک پیدا ہوئے تھے سب کے سب از سر نو زندہ ہوجائیں گے۔ اس کے بعد حساب اور میزان کا مرحلہ سامنے آئے گا۔

مختلف آیات میں صور پھونکنے کی بات۔ اور اس سے متعلق پیش آنے والے احوال اور کوائف کو سامنے رکھتے ہوئے بعض مفسرین نے نفخات میں یہ ترتیب۔ دی ہے:

پہلا صور پھونکنے سے بے ہوش ہوجائیں گے۔ دوسرا صور پھونکنے سے فنا ہوجائیں گے، تیسرا صور پھونکنے سے زندہ ہوجائیں گے اور چوتھے صور کے ساتھ سب اللّٰہ تعالےٰ کے حضور میں کھڑے ہوجائیں گے۔ بعض نے دو ہی صور کو راجح قرار دیا ہے ایک فنا اور ایک بعث۔

پھر ہر ایک کے ہاتھ میں نامۂ اعمال تھما دیا جائے گا۔ حساب لیا جائے گا اور پل صراط سے گزارا جائے گا اور اسی پر یہ عظیم موقف ختم ہوجائے گا۔ اہلِ ایمان جنّت میں داخل کئے جائیں گے اہلِ کفر دوزخ میں داخل کئے جائیں گے۔

یوم آخرت سے متعلق ان آیات کا مطالعہ ایمان و یقین میں مضبوطی اور ثبات کا باعث ہے:

کل نفس ذائقۃ الموت ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ والینا ترجعون ط (الانبیاء) ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ ہم امتحان کے طور پر تم میں سے ہر ایک کو خیر اور شر میں مبتلا کرتے ہیں اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹ آؤ گے۔

انما توفون اجورکم یوم القیٰمۃ (آل عمران) تم سب اپنا اپنا پورا پورا اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔

یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالھم فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ
ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ط (الزلزال)

اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہوکر واپس لوٹیں گے تاکہ ان کے اعمال دکھا دیے جائیں جس کسی نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس کسی نے بھی ذرہ برابر بُرائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

ووفیت کل نفس ما عملت وھو اعلم بما یفعلون ط (الزمر)

اور جس کسی نے بھی جو کچھ عمل کیا ہے اس کا بدلہ بھرپور دیا جائے گا۔ خواہ نیکی کیا ہو یا بدی کیا ہو۔ جزا اور سزا پوری ملی گی۔ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالےٰ بخوبی جاننے والا ہے۔

ووضع الکتاب فتری المجرمین مشفقین مما فیہ ویقولون یویلتنا مال ھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصٰھا ووجدوا ما عملوا حاضرا ولا یظلم ربک احدا ط (الکھف)

لوگوں کے سامنے اعمال نامہ رکھا جائے گا۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی میں درج کردہ اعمال کو دیکھ کر خوف زدہ ہوجائیں گے اور یہ کہیں گے ہائے بدنصیبی! کیا یہ کتاب ہے اس میں تو ہماری ہر چھوٹی بڑی حرکت درج ہوگئی ہے۔ اور انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ سب اپنی نگاہوں کے سامنے لکھا ہوا پائیں گے۔ آپ کا رب کسی پر ذرا برابر ظلم نہیں کرے گا۔

ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیاء وان کان مثقال حبۃ من خردل أتینا بھا وکفیٰ بنا حاسبین ط (الانبیاء)

ہم قیامت کے دن ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو لا رکھیں گے۔ پھر کسی پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا اگر کسی کا رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

ولا تزول قدما عبد یوم القیامۃ حتی یسأل عن أربع عن عمرہ فیما أفناہ و عن علمہ ما عمل بہ وعن مالہ من این اکتسبہ وفیما انفقہ وعن جسدہ فی ما أبلاہ ط (الترمذی)

کوئی شخص قیامت کے دن اپنی جگہ سے ایک قدم نہیں ہٹائے گا یہاں تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں پوچھ تاچھ نہ ہو۔ ایک اس کی عمر ہے کہ اس نے اپنی عمر کیسے گزاری۔ دوسری چیز اس کا علم ہے کہ اس نے اپنے علم پر کہاں تک

عمل کیا ہے۔ تیسری چیز اس کا مال ہے کہ اس نے اپنا مال کس طرح سے کمایا اور کیسے خرچ کیا اور چوتھی چیز اس کا جسم ہے کہ اس نے اپنے جسم کا استعمال کیسے کیا؟

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوزخ کے ذکر سے رو پڑیں اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کیا آپ ﷺ اپنے اہل کو قیامت کے دن یاد رکھیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تین مقامات پر کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔ میزان میں اعمال تولے جانے کے وقت اور نامۂ اعمال ہاتھوں میں تھما دیے جانے کے وقت اور پل صراط سے گزرتے وقت۔ فی ثلاثة مواطن فلا یذکر أحدا أحدا عند المیزان عند تطایر الصحائف وعند الصراط۔

غرض دار آخرت کی زندگی زوال وفنا سے ناآشنا ہے۔ دُنیاوی زندگی میں صدور پذیر اعمال کے حساب و کتاب کے بعد اہلِ ایمان کا طبقۂ ابرار جنت میں داخل ہوگا اور اہلِ کفر کا گروہ دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ اب رہ گئی بات اہلِ ایمان کے گناہ گار طبقہ کی تو وہ بھی دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور اپنے فسق و فجور کی اور بدی کی سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اور یہ داخلہ ایمان کی برکت سے ہوگا جو اُس کے قلب میں موجود ہے۔ اس مقام پر امام ربانی مجدد الف ثانی کا یہ مکتوب ملاحظہ کیجیے۔ جو مکتوبات کی جلدِ اول میں ہے۔ امام موصوف رقمطراز ہیں:

کفر کی سزا دوزخ کا ابدی عذاب ہے اور اگر یہ پوچھا جائے کہ ایک شخص مسلمان ہونے کے باوجود کفر کے رسوم ادا کرتا ہے اور مراسم کفار کی تعظیم بجالاتا ہے اور علماء اس کے کافر ہونے کا حکم دیتے ہیں اور اس کو مرتد شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں پھنسے ہوئے ہیں اور علماء کے فتاویٰ کے مطابق یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ شخص آخرت میں دائمی عذاب میں گرفتار رہے۔ حالاں کہ صحیح احادیث میں ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو تو وہ دوزخ سے نکالا جائے گا اور اس کو ابدی عذاب اور دائمی عقوبت میں گرفتار نہیں کیا جائے گا، تو ایسی صورت میں آپ کے نزدیک اس مسئلہ کی تحقیق کیا ہوگی؟

ہم اس کا جواب یہی دیں گے۔ کہ اگر کافر محض ہے تو اس کے لیے آخرت میں ابدی عذاب ہے: اعاذنا اللہ سبحانہ منہ، اور اگر کوئی شخص مراسم کفر کو ادا کرنے کے باوجود ذرۂ ایمان سے بہرہ ور ہے تو وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ لیکن اس ذرۂ ایمان کی برکت سے ابدی عذاب سے نجات پائے گا اور امید ہے کہ اس کو دائمی نجات حاصل ہوگی۔

یہ فقیر ایک مرتبہ ایسے ہی شخص کی عیادت کے لیے گیا۔ جو سکرات موت میں گرفتار تھا۔ میں نے اس کے حال کی جانب

توجّہ کی تو معلوم ہوا کہ اس کا قلب بہت ساری ظلمتوں کا شکار ہے۔ ہر چند کہ میں ان ظلمتوں کو دور کرنے کی جانب متوجّہ ہوا، لیکن اس کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔ بہت توجّہ کے بعد مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوی کہ یہ ظلمتیں جو اس کے قلب پر چھائی ہوی ہیں، کفر کی صفات سے پیدا ہوی ہیں اور ان ظلمتوں اور کدورتوں کے پیدا ہونے کا سبب مسلسل کفر کے مراسم کا ادا کرنا ہے اور اہل کفر کے ساتھ حد درجہ میل جول اور اختلاط کا نتیجہ ہے اور ان ظلمتوں اور کدورتوں کا تنقیہ اور طہارت عذاب دوزخ کے ساتھ مربوط ہے جو کہ کفر کی سزا ہے۔ ایسی صورت میں توجّہات سے یہ ظلمتیں اور کدورتیں دُور نہیں ہو سکتیں۔

نیز اس شخص کے دل میں ایمان کی ہلکی سی روشنی موجود ہے تو مجھے اطمینان ہوا کہ اس کی برکت سے وہ دوزخ سے نجات پائے گا۔ جب میں نے اس کے اندر اس حالت کا مشاہدہ کیا تو میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

تھوڑی دیر توجہ کے بعد مجھے انشراح ہوا کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا چاہیے۔ لہذا جو شخص مسلمان ہونے کے باوجود بدقسمتی سے کفار کے رسوم ادا کرتا ہے اور ان کے ایام کی تعظیم کرتا ہے۔ اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا چاہیے اور اُسے مسلمانوں ہی کے قبرستان دفن کرنا چاہیے اور کافروں کے ساتھ ملحق نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ آج عمل کیا جارہا ہے اور اس بات کی امید رکھنا چاہیے کہ آخر کار ایسا مسلمان ایمان کی ہلکی سی روشنی کی برکت سے ابدی عذاب سے محفوظ رہے گا۔

۶۔ تومن بالقدر خیرہ وشرہ

اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ درجِ ذیل امور پر کامل اعتقاد رکھا جائے۔ جن کی تفصیل اور تشریح آیات اور احادیث میں ملتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے علم اور اس کے تقدیر اور اس کے ارادہ کے بعد ہی کوئی چیز وجود کا لباس پہن لیتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان کے اختیاری اعمال بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے قضا و قدر میں عادل ہے اور وہ اپنی تدبیر اور تصریف میں حکیم ہے وہ جو چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا ہر گز نہیں ہوتا۔ قوت و طاقت اور قدرت و غلبہ صرف اسی کے لیے ہے۔ قیامت تک وجود میں آنے والی ہر چیز کی تقدیر طے کر دی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی اور ترمیم نہ ہوگی۔ لوح محفوظ اسی کے قبضہ میں ہے۔ اور اسے یہ قدرت حاصل ہے کہ اس میں سے جو چاہے محو کر دے اور جو چاہے ثابت رکھ دے۔ اور دُنیا و ما فیھا

کی ساری چیزیں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ایک ذرّہ بھی اس کے علم اور اس کے ارادے اور اس کی مشیّت کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کو مخلوقات پیدا کرنے سے پہلے ہی سب کا علم تھا۔

انا کل شیء خلقناہ بقدر ط (القمر) بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک مقرّرہ اندازے پر پیدا کیا۔

وان من شیء الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ بقدر معلوم ط (الحجر)

اور جتنی بھی چیزیں ہیں، ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو اس کے طے شدہ مقرّرہ مقدار میں نازل کرتے ہیں۔

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأها ان ذلک علی اللہ یسیر ط (الحدید)

دُنیا میں جو بھی آفات ارضی و سماوی آتی ہیں اور جو بھی تمہیں بیماریاں اور تکلیفیں وغیرہ پہنچتی ہیں ان کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی ہم نے ایک خاص کتاب میں لکھ دیا ہے اور یہ سب کچھ اسی نوشتہ مقادیر کے تحت ظاہر ہو رہا ہے اور یہ کام اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔

قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا هو مولانا وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون ط (التوبہ)

آپ ان سے کہہ دیجیے کہ ہمیں ہرگز کوئی بھی برائی اور بھلائی نہیں پہنچتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ اور اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہلِ ایمان کو اسی پر اعتماد اور توکل کرنا چاہیے۔

وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمها الا هو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمها ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ط (الانعام)

اور غیب کے خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔ ان کو اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا (عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بندوں میں سے جو بھی غیب جانتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے کی بناء پر ہے۔) عالم الغیب فلا یظهر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول ط اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرے۔ (یعنی پیغمبروں کو امورِ غیب سے مطلع کرتا ہے۔) اور اللہ ہی ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جو خشکی میں ہیں اور دریاؤں میں ہیں۔ ایک پتّا بھی گرتا ہے تو وہ اس کو بھی جانتا ہے اور جو بھی دانہ زمین میں پڑتا ہے اور جو کوئی خشک و تر چیز گرتی ہے وہ سب کتاب مبین میں ہیں۔

کتاب مبین سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ جس میں قیامت تک پیش آنے والے واقعات، حادثات اور ہر چھوٹی بڑی چیز کی جزئیات اور تفصیلات ہیں۔

وما تشآءون الا ان یشآء اللہ رب العالمین ط (التکویر) پروردگار عالم کے چاہے بغیر تم کچھ نہیں چاہ سکتے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی مشیّت اور اس کے ارادہ و توفیق کے بغیر کسی کی چاہت رنگ نہیں لاسکتی۔

امام مسلم کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم مادر میں انسان جب مضغہ کی حالت میں رہتا ہے تو اس وقت اللہ تعالےٰ فرشتے کے ذریعہ روح ڈالتا ہے اور اسی وقت پیدا ہونے والے کے حق میں چار چیزوں کا فیصلہ کردیتا ہے۔

یؤمر باربع کلمات یکتب رزقہ واجلہ وعملہ وشقی او سعید فوالذی لا الہ غیرہ ان احدکم لیعمل بعمل اھل الجنۃ حتی مایکون بینہ وبینھا الا ذراع فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اھل النار فیدخلھا وان احدکم لیعمل اھل النار مایکون بینہ و بینھا الا ذراع فیسبق علیہ الکتاب بعمل اھل الجنۃ فیدخلھا۔ (مسلم)

پیدا ہونے والے کی عمر اور اس کا رزق اور اس کی موت اور اس کا عمل۔ آیا وہ شقی ہوگا یا سعید۔ ایک شخص اہل جنّت کا عمل کرتے رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنّت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر وہ ایسے اعمال کا ارتکاب کرنے لگتا ہے جو اُسے دوزخ میں لے جاتے ہیں اور ایک شخص اہلِ دوزخ کا عمل کرتے رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر وہ ایسے اعمال انجام دیتا ہے جو اُسے جنّت میں لے جاتے ہیں۔ اس طرح سے نوشتۂ تقدیر کا ظہور ہوتا ہے۔

امام مسلم کی روایت کردہ ایک حدیث یہ بھی ہے: قدر اللہ المقادیر قبل ان یخلق السمٰوٰت والارض بخمسین الف سنتہ ط (مسلم)

اللہ تعالےٰ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزیں پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہی ساری تقدیریں لکھ دی ہیں۔

امام مسلم نے ایک اور روایت یہ بھی نقل کی ہے:

احتج آدم وموسیٰ۔ قال موسیٰ یا ادم انت ابونا خیبتنا واخرجتنا من الجنۃ؟ فقال ادم! انت موسیٰ، اصطفاک اللہ بکلامہ خط لک التوراۃ بیدہ تلومنی علی امر

قدرہ اللہ علی قبل ان یخلقنی بار بعین عاما۔ فحج آدم موسیٰ ط

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ (علیہم السلام) کے درمیان بحث و تکرار ہو گئی۔ موسیٰؑ نے حضرت آدم علیہ السلام سے عرض کیا: آپ ہمارے باپ ہیں۔ آپ نے ہمیں نامراد کیا اور جنّت سے نکلوا دیا۔ (مطلب یہ ہے کہ آپ جنّت میں ممنوع درخت کا پھل نہ کھاتے تو آپ جنّت ہی میں رہتے اور ہم بھی آپ کے ہمراہ وہیں رہتے۔) آدم علیہ السلام نے کہا: تم موسیٰ ہو۔ اللہ نے تمہیں اپنے تکلّم سے شرف بخشا اور اپنی جانب سے توراۃ عطا کی۔ (مطلب یہ کہ تم ایک پیغمبر اور کلیم اللہ ہو، بھلے ایسا سوال کر رہے ہو؟) اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے معاملہ میں مجھ پر گرفت نہ کیجیے۔ اللہ نے میری تخلیق سے چالیس سال قبل ہی یہ سب کچھ طے کر رکھا تھا۔ جس کا ظہور ہوا۔

اعملوا فکل میسر لما خلق لہ ط (مسلم)

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لوگو! تم صرف عمل کرتے رہو۔ تمہارے لیے عمل کی وہی راہیں متعین ہو جائیں گے، جن پر چلنا تمہارے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

ان اول ما خلق اللہ تعالےٰ القلم، فقال اکتب، فقال رب ماذا اکتب، قال اکتب مقادیر کل شئی حتی تقوم الساعۃ ط (ترمذی)

امام ترمذی کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ نے مخلوقات کی تخلیق میں سب سے پہلے قلم کو وجود بخشا اور کہا: اے قلم! لکھ، قلم نے عرض کیا: کیا رقم کروں؟ فرمایا: قیامت تک وجود میں آنے والی ہر چیز کی تقدیر لکھ۔

امام ترمذی نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔

یا غلام (لعبد اللہ بن عباس) واعلم ان الامۃ لو اجتمعت علی ان ینفعوک بشئی لم ینفعوک الا بشئی قد کتبہ اللہ لک وان اجتمعوا علی ان یضروک بشئی لم یضروک الا بشئی قد کتبہ اللہ علیک رفعت الاقلام وجفت الصحف ط (الترمذی)

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے کہا: اے عزیز! یہ حقیقت ذہن نشین کر لو کہ سارے لوگ مل کر بھی تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے مگر اسی چیز میں تمہیں فائدہ پہنچا سکیں گے جس میں اللہ نے تمہارے لیے فائدہ لکھ دیا ہے اور اگر سارے لوگ مل کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اسی

معاملہ میں تمہیں نقصان پہنچا سکیں گے جس میں اللہ تمہارے لیے نقصان لکھ دیا ہے۔ ہر چیز کی تقدیر لکھی جا چکی ہے۔ قلم چل چکا ہے اور دفاتر بند ہو چکے ہیں۔

سیاق میں تقدیر کی اچھائی، برائی اور بندہ کی عاجزی و درماندگی اور اللہ تعالےٰ کی قدرت وکبریائی سے متعلق چند آیات اور احادیث نقل کی گئیں۔ اس موضوع پر قابل وضاحت بات یہ ہے کہ تقدیر کا مسئلہ انتہائی دقیق اور نازک ہے۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ کو اس مسئلہ پر غور وفکر اور بحث وتکرار کرنے سے منع فرمایا۔

عن ابی ہریرۃ قال خرج علینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ونحن نتنازع فی القدر فغضب حتی احمر وجہہ حتی کانما فقئ فی وجنتیہ حب الرمان فقال ابہذا امرتم ام بہذا ارسلت الیکم انما ہلک من کان قبلکم حین تنازعوا فی ہذا الامر عزمت علیکم عزمت علیکم ان لا تنازعوا فیہ ط (الترمذی) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ مسجدِ نبویؐ میں قضا و قدر کے موضوع پر بحث کر رہے تھے۔ اس اثناء میں سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آپہنچے اور ہماری گفتگو سن لی۔ اور اس پر بہت ہی خفا اور ناراض ہو گئے اور اس خفگی کی علامت پوری طرح چہرۂ مبارک پر ظاہر ہونے لگی۔ آپؐ نے ہم سے فرمایا: کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اس مسئلہ پر بحث ومباحثہ اور تکرار کرتے بیٹھ جاؤ۔ اور کیا میں تمہارے پاس یہی پیغام لے کر آیا ہوں؟ خبردار! میں تمہیں قسم دیتا ہوں، اس مسئلہ میں ہرگز بحث وتکرار اور حجت نہ کرو۔ تم سے پہلے کی اُمتیں ہلاک ہو گئیں، جب انھوں نے قضا وقدر کے مسئلہ میں حجت تکرار اور بحث ومباحثہ کی روش اختیار کی۔

ایک اور حدیث میں بھی نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تقدیر کے مسئلہ میں سکوت اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

اذا ذکر القدر فانصتوا و اذا ذکر النجوم فانصتوا واذا ذکر اصحابی فانصتوا ط

جب تقدیر کا مسئلہ موضوع بحث بن جائے تو سکوت کو ترجیح دو اور جب نجوم (ستاروں کی گردش اور اس کے انسانی زندگی پر مفید اور مضر اثرات) کا ذکر ہو تو خاموش رہو اور جب میرے صحابہؓ کی بات آجائے تو اپنی زبان بند رکھو۔ (یعنی کسی صحابی کی شخصیت اور کردار پر بحث کھڑی ہو گئی۔ تو جرح وقدح، طنز وتعریض اور تنقیص وتنقید، لعن و طعن اور خطاء وصواب سے دامن بچالو اور ہر صحابی کا ذکر صرف خیر کے ساتھ کرو، ورنہ خاموشی اختیار کرو۔)

تقدیر کے باب میں یہ موقف اختیار کر لیا جائے کہ ہمارے جذبات واحساسات، خیالات وخواہشات، حرکات واعمال اور مساعی سے کوئی نتیجہ برآمد ہونے والا نہیں۔ ہماری زندگی میں تو وہی چیزیں سامنے آتی رہیں گی

جو ہماری تقدیر میں لکھی جا چکی ہیں۔ یہ طرز فکر عقلی حیثیت سے صحیح نہیں ہے اور مذہبی نقطہ نگاہ سے بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ انسان مجبور محض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے تدبیر و تفکیر، عقل و شعور، فہم و بصیرت، حرکت و عمل، رد و قبول اور فیصلہ کی قوت بخشی ہے۔ اور اس کے سامنے خیر و شر، خطا و صواب اور نفع و ضرر دونوں پہلو نمایاں کیا ہے۔ اور یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ عمل زندگی ہے اور زندگی عمل ہے۔ اور اسی عمل سے انسان کی زندگی جنّت بھی ہے اور جہنم ہے۔ بقول علّامہ اقبال علیہ الرحمہ : ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنم بھی　　یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

انسان اس دنیا میں پوری طرح قادر بھی نہیں ہے اور پوری طرح عاجز بھی نہیں ہے۔ بلکہ وہ بعض امور میں قادر اور مختار ہے تو بعض امور میں عاجز و مجبور ہے۔ چناں چہ زندگی کے میدان میں اس کا مجبور و عاجز ہونا بھی واضح ہے اور اس کا مختار و قادر ہونا بھی واضح ہے۔ اور یہ ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جسے ہر کوئی اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے اور مشاہدہ کر رہا ہے، لیکن اس کے باوجود اسلام میں ایسے فرقے بھی پیدا ہوئے کہ کسی نے انسان کو مجبور محض کے خانہ میں بٹھا یا اور کسی انسان کو مختار کُل ٹھہرا دیا۔ حالاں کہ انسان جبر و اختیار کی دو منزلوں کے درمیان ایک منزل پر کھڑا ہوا ہے۔ نہ مجبور بندہ نہ مختار بندہ۔

اور تقدیر کے باب میں یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ بعض حالات اور اعمال کی وجہ سے بدل بھی جاتی ہے۔ چنان چہ حدیث میں ہے : لا یرد القضا الا الدعاء ولا یزید العمر الا البر بالوالدین الصدقة تدفع البلاء۔ قضا و قدر میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی مگر دعا کی وجہ سے بدل جا سکتی ہے۔ عمر میں اضافہ نہ ہوگا، لیکن والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیکی کی وجہ سے بدل جا سکتی ہے۔ اور صدقہ بلیات اور آفات کو دور کر دیتا ہے اور قرآنِ کریم کا بیان ہے : یمحوا اللہ ما یشآء و یثبت و عندہ ام الکتاب۔ تقدیر سے اللہ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے برقرار رکھتا ہے اور ام الکتاب اسی کے پاس ہے۔ علّامہ اقبال فرماتے ہیں : ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں　　جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یہ شعر دو پہلو رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ آدمی کے ذاتی فعل سے اس کی تقدیر بدل جا سکتی ہے۔ دوسرا یہ کہ کسی دوسرے کے عمل سے بھی کسی کی تقدیر بدل جا سکتی ہے۔

حاصلِ کلام کسی صاحبِ ایمان کے لیے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ تقدیر کا سہارا لے کر جد و جہد اور حرکت و عمل سے دست کش ہو جائے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرا بیٹھ جائے : من جد وجد مشہور قول ہے۔ جس کسی

نے جدوجہد کی وہ اپنی مراد پاگیا۔ ہاں کسی معاملہ میں تدبیر و تفکیر اور جدوجہد کے بعد ناکامی سامنے آجائے تو اس وقت یہ خیال کرے کہ یہی نوشتۂ تقدیر ہے۔ اور اگر کامیابی حاصل ہوئی تو اس وقت بھی اپنی تدبیر اور سعی کا نتیجہ نہ سمجھتے ہوئے یہی سمجھے کہ یہ تو نوشتۂ تقدیر تھا۔ اس طرزِ فکر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کامیابی اور ناکامیابی دونوں حالتوں میں بندہ اپنے رب کی جانب متوجہ ہوگا اور اس کے اندر شکر و صبر کی کیفیات پیدا ہو جائیں گی اور ہر دو پہلو میں تقدیر پر راضی اور خوشنود رہے گا اور یہی سلامتی کی راہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الطهور شطر الایمان

ایمان اور عقائد کی مذکورہ تفصیل کے بعد زیرِ بحث حدیث کا پہلا لفظ الطهور تشریح کا طالب ہے طہارت اسلام کی لغت کا ایک خاص لفظ ہے۔ جو اپنے اندر غیر معمولی وسعت و جامعیت اور گہرائی و گیرائی رکھتا ہے۔ طہور، طہارت، تطہیر، طاہر، مطہر سب ایک ہی لفظ طہر سے مشتق ہیں۔ دوسرے لفظوں کے ساتھ مل کر ان کے معانی میں وسعت و تغیر کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً ماء طاہر پانی پاک ہے۔ پاک کرنے کی صلاحیت بنتی ہے ماء مطہر پانی پاک ہے، پاک کرنے کی صلاحیت ہے۔

ایمان ایک درخت ہے تو طہارت اس کی جڑیں ہیں۔ اور ان کی صحت و مضبوطی ہی پہ درخت کی زندگی اور شادابی قائم ہے۔ اسی لیے طہارت کو ایمان کا جز قرار دیا گیا۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا تو آپ کو پہلے مرحلہ میں یہ حکم دیا گیا۔ کہ وثیابك فطهر والرجز فاهجر: اپنے کپڑے پاک وصاف رکھیے اور ناپاکی چھوڑ دیجیے۔

ثوب کی جمع ثیاب ہے اور اس کے حقیقی معنے کپڑے کے ہیں اور اس کے مجازی معنی عمل، قلب نفس، جسم، اخلاق اور دین وغیرہ کے بھی آتے ہیں۔ اور یہاں حقیقی معنی کے ساتھ مجازی معنی اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ مجازی لینے میں آیت کے مفہوم میں ہمہ جہتی کی شان پیدا ہوتی ہے۔ کپڑے اور جسم کی ظاہری پاکی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ نفس و قلب اور اخلاق و عمل کی پاکی حاصل کرنے کا مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے۔

اسلام میں لباس اور اس کی وضع قطع اور اس کی خوب صورتی و شائستگی اور اس کی پاکی وصفائی کی بڑی اہمیت ہے۔ لباس ہی سے آدمی کی شخصیت کا تعارف ہوتا ہے اور اس کی قدر و قیمت اور اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔ عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے الناس باللباس۔ لوگ کپڑوں سے ہیں۔ اسی لباس سے آدمی

کے ذہن، وخیال، ذوق ومزاج اور سیرت وکردار کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ صاف ستھرا اور عمدہ ونفیس لباس آدمی کے لیے وقار وعظمت اور قدر ومنزلت اور اس کے حسن معاملہ کی دلیل بن جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس گندہ ونجس اور غیر شائستہ وغیر سائز لباس آدمی کو بے قدر وبے وزن اور غیر ثقہ و بد معاملہ ٹھہراتا ہے۔

اسلام نے لباس کی صفائی، جسم کی صفائی، رہائش گاہ کی صفائی، رہن سہن کی صفائی اور استعمال میں آنے والی اشیاء کی صفائی سے متعلق بڑی ہدایات دی ہے۔ احادیث اور فقہ کی ساری کتابوں میں طہارت کے عنوان سے ایک مستقل باب موجود ہے۔ جس میں پاکی حاصل کرنے کے مختلف طریقوں پر روشنی ملتی ہے۔

ایک مسلمان کو نیند سے بیدار ہوتے ہی سب سے پہلا حکم یہی ملتا ہے۔ کہ وہ اپنے ہاتھوں کو دھوئے بغیر پانی اور کھانے پینے کے برتنوں اور استعمال کی چیزوں کو ہاتھ نہ لگائے۔ اس لیے کہ نیند کی حالت میں نامعلوم اس کا ہاتھ بدن کے کس کس حصہ پر پہنچا ہو۔ ممکن ہے کہ اس کے ہاتھ پسینہ اور اتفاقی نجاست سے آلودہ ہوں۔ اذا استیقظ احدکم من نومہ فلا یغمس یدہ فی الاناء لانہ لایدری این باتت یدہ

بیت الخلاء جائیں تو اپنے کپڑوں اور جسم کی جانب نظر رکھیں تاکہ پیشاب کے چھینٹے کپڑوں اور بدن پر نہ اڑیں اور جب وضو کریں تو اس میں مسواک کریں تاکہ منہ اور دانت اچھی طرح پاک وصاف ہوسکے اور بدبو دور ہوسکے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یرقد من اللیل ولا نہار فیستیقظ الا تسوک قبل ان یتوضأ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی نیند سے بیدار ہوتے تو مسواک کرتے اور وضو کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا: لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلاۃ: اگر مجھے میری امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اربع من سنن المرسلین الحیاء، والتعطر والسواک والنکاح ط انبیاء کرام کی چار سنتیں ہیں۔ حیاء کرنا خوشبو لگانا مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔

اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی، آپ نیند سے بیدار ہونے کے بعد جب ضروریات سے فارغ ہوجاتے تو خوشبو لگاتے۔

غسل کی خصوصی تاکید مختلف احادیث میں ملتی ہے۔ ایک موقعہ پر حضرات صحابہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: آدمی کو امانت جنت میں لے جاتی ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! امانت سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے وضاحت کی، ناپاکی سے پاک ہونے کے لیے غسل کرنا۔

نہانے کی ضرورت ہو تو غسل کرنے کے علاوہ بھی مختلف حالات میں غسل کی بابت کہی گئی ہے۔ جیسے سفر سے لوٹنے کے بعد یا سستی و تھکان دور کرنے کے لیے یا گرمی دُور کرنے کے لیے۔ اس کے علاوہ ہفتہ بھر میں ایک بار غسل کرنے کو لازمی قرار دیا گیا۔ چنانچہ بڑی مشہور حدیث ہے: غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم ہر بالغ مرد اور عورت پر جمعہ کے دن نہانا ضروری ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: عشرة من الفطرة، قص الشارب واعفاء اللحية والسواك واستنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء يعني الاستنجاء

انبیائے کرامؑ کی سنتیں دس ہیں: ۱۔ مونچھیں کاٹنا۔ ۲۔ داڑھی بڑھانا۔ ۳۔ مسواک کرنا۔ ۴۔ پانی سے ناک صاف کرنا۔ ۵۔ ناخن تراشنا۔ ۶۔ انگلیوں اور جوڑوں کو اچھی طرح دھونا۔ ۷۔ بغل کے بال صاف کرنا۔ ۸۔ زیرِ ناف کے بال صاف کرنا۔ ۹۔ کلی کے ذریعہ منہ اور دانت صاف کرنا۔ ۱۰۔ استنجاء میں پانی بقدرِ ضرورت استعمال کرنا۔

بارگاہِ خداوندی میں نماز کے لیے حاضری کے وقت جسمانی پاکی حاصل کرنے کے بعد صاف کپڑے زیب تن کرنے کی تاکید بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ یا بنی ادم خذوا زينتكم عند كل مسجد: ہر نماز کے وقت خود کو مزین کرو۔

اس تزئین و تطہیر میں جسم اور قلب دونوں کی پاکی کا حکم ہے تاکہ بندہ قالب اور قلب کی صفائی کے ساتھ اپنے رب سے ہم کلام ہو جائے۔ اس ہم کلامی کے لیے بہترین مناجات سورۂ فاتحہ کو قرار دیا گیا ہے، جو ہر نماز میں دہرائی جاتی ہے۔ اگر کسی نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز ہی ناقص اور نامکمل ہو: لاصلوٰة الا بفاتحة الكتاب

سورۂ فاتحہ کی عظمت اور فضیلت کے لیے یہ حدیث ملاحظہ کیجیے:

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ نے فرمایا: نماز (فاتحہ) میرے اور میرے بندے کے درمیان دو حصوں میں منقسم ہے۔ نصف میرے لیے ہے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے اور میرا بندہ جو طلب کرتا ہے وہ اس کو دیا جائے گا۔ جب بندہ الحمد للہ رب العٰلمین کہتا ہے تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے میرے بندے نے میری

حمد کی۔ اور جب بندہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی۔
اور جب بندہ مالک یوم الدین کہتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری عظمت بیان کی۔
اور جب بندہ ایاک نعبد وایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان مشترک ہے۔ (اس لیے کہ اس آیت میں اللہ کی حمد اور بندے کی دُعا ہے۔)

پھر جب بندہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم والضالین o کہتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، یہ سب میرے بندے کے لیے ہے اسے وہ چیز ملے گی جو اس نے طلب کی۔

والرجز فاھجر

پاکی کا ایک پہلو ظاہر سے تعلق رکھتا ہے تو ایک پہلو باطن سے تعلق رکھتا ہے۔

اے نبیؐ محترم! گندگی سے دُور رہو ۔ رُجز اور رِجز، ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے اور دونوں قرأت کے ساتھ ایک ہی معنی ہے گندگی۔

یہاں گندگی سے مراد ہر قسم کی گندگی ہے۔ خواہ عقائد و افکار کی گندگی ہو یا افعال و اعمال کی گندگی یا اخلاق کی گندگی ہو۔ ہر قسم کی گندگی سے دور رہنے کی تعلیم اور تلقین ہے۔ ان آیتوں میں نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور آپ کو حکم دیا جارہا ہے کہ ظاہری اور باطنی صفائی کو اختیار کیجیے۔ حالاں کہ ذاتِ اقدسؐ ظاہری اور باطنی نجاست سے پاک و صاف ہے۔ بلکہ یہ ذات سراپا طہارت ہے۔ پھر بھی آپؐ کو اس لیے خطاب کیا گیا ہے کہ اُمّت کو یہ احساس ہو جائے کہ نبی معصوم ہی کو یہ حکم دیا گیا ہے تو ہمارے لیے بدرجۂ اولی یہ حکم ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی اس نوع کے احکام آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیے گئے ہیں وہ دراصل آپؐ کے واسطہ سے اُمّت کے لیے احکام ہیں۔ اگرچہ کہ راست طور آپ ہی سے خطاب کیا گیا ہے

غرض اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں مثلاً لباس، شکل و صورت، رہن سہن، رہائش و سکونت استعمال کی اشیاء میں پاکیزگی و صفائی اور نظافت و نفاست کو اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اسی طرح ایمان و افعال، افکار و عقائد، سیرت و کردار اور اخلاق میں بھی پاکیزگی کی تعلیم دی ہے۔ جس سماج اور سوسائٹی کے لوگوں کا رہن سہن، بود و باش، سکون و رہائش میں صفائی اور پاکیزگی نہ ہو تو اُن کی ذہنیت اور نفسیات میں گندگی اور

کثافت جمع ہو جاتی ہے اور ایسے افراد ظاہری اور باطنی سطح سے اعتنا اور التفات کے قابل نہیں ہوتے۔

عربوں کی کہاوت ہے: فلان طاهر الثیاب، فلان طاهر الذیل، فلان دنس الثیاب۔ فلاں صاحب کے کپڑے پاک ہیں، فلاں کا دامن پاک ہے، فلاں کے کپڑے گندے ہیں۔ کپڑوں کی صفائی سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں خوش خلق اور خوش معاملہ ہے۔ کپڑوں کی گندگی سے اشارہ ہے فلاں بد خلق اور بد معاملہ ہے۔ پاکی اور ناپاکی کے مختصر لفظ کے ذریعہ کسی شخص کے قابلِ اعتماد اور ناقابلِ اعتماد ہونے کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے۔ فرد سے سماج کی تشکیل اور تصویر بنتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے ایک صالح سماج کی تشکیل کو اہمیت دی ہے۔

والحمد للہ تملأ المیزان

الحمد للہ کا کلمہ میزان کو بھر دے گا۔ اور سبحان اللہ اور الحمد للہ آسمان و زمین کو بھر دیں گے میزان کے معنی ہیں ترازو۔ وہ آلہ جس کے ذریعہ کسی چیز کی مقدار معلوم ہو سکے اور دو چیزوں کے درمیان کمی و بیشی کا علم ہو سکے۔ اشیاء کا وزن جانچنے اور پہچاننے کا آلہ ہر دور میں بدلتا رہا ہے۔ موجودہ زمانے میں چھوٹی سی مشین لاکھوں ٹن وزنی اشیاء کا صحیح صحیح حساب بتلا دیتی ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بند پیکٹ اور بنڈل میں موجود اشیاء کی شکل و صورت اور کیفیت کا پتہ بھی دیتی ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیث میں میزان کا لفظ کثرت سے ملتا ہے۔ جو دنیا کی اشیاء کا وزن معلوم کرنے کے علاوہ آخرت میں اعمال کا وزن کرنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ آخرت کی تمام چیزیں عقل و فہم اور تصوّر و خیال سے بالاتر ہیں۔ ان میں سے ایک چیز میزان بھی ہے۔ جس کی شکل و صورت اور کیفیت و نوعیت سمجھنے سے انسان کی عقل عاجز ہے۔

آخرت میں انسان کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ ہر انسان کا عمل اچھا ہو گا یا بُرا۔ حق و انصاف اور عدل کا تقاضہ ہے کہ بندہ کی نگاہوں کے سامنے اس کے اعمال خیر اور اعمال شر دونوں کو بھی دکھلایا جائے اور ان میں سے نیکیوں اور بدیوں کی کمی و بیشی کو بھی نمایاں کیا جائے تاکہ ظلم کا خیال اور تصوّر بھی نہ ابھرے۔ چناں چہ قرآن ناطق ہے:

ووضع المیزان ط اور خدا نے ترازو رکھی ہے۔ والوزن یومئذِِ الحق ط اس دن وزن حق ہے۔

جب کسی شخص کے اعمال تولے جائیں گے تو اس کی نیکیوں کا پلّہ بھاری ہو جائے گا یا برائیوں کا پلّہ بھاری ہو جائے گا اور جس کی نیکیاں زیادہ نکل آئیں تو نجات پا گیا اور جس کی برائیاں زیادہ نکل آئیں تو ہلاکت میں پڑ گیا۔

کلمۂ الحمد للہ میزان کو بھر دیے گا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص کی نیکیاں کم ہوں یا نیکیوں کا پلّہ ہلکا ہو جائے تو اس کلمہ کے وزن سے نیکیوں کا پلّہ جھک جائے گا۔ میزان میں اسمائے الحسنیٰ اور بعض کلماتِ الٰہی کے ثقیل ہونے کی صراحت مختلف احادیث میں ملتی ہے۔

ابن ماجہ کی روایت عبداللہ بن عمرو سے منقول ہے:

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ سیخلص رجلا من امتی علی رؤس الخلائق یوم القیامۃ فینشر علیہ تسعۃ وتسعین سجلا کل سجل مثل مد البصر ثم یقول أتنکر من ھذا شیأ اظلمک کتبتی الحافظون فیقول لا یا رب۔ فیقول أفلک عذر۔ قال لا یا رب۔ فیقول بلیٰ۔ ان لک عندنا حسنۃ وانہ لا ظلم علیک الیوم فتخرج بطاقۃ فیھا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ فیقول احضر وزنک۔ فیقول یا رب ماھذہ البطاقۃ مع ھذہ السجلات۔ فیقول انک لا تظلم۔ قال فتوضع السجلات فی کفۃٍ والبطاقۃ فی کفۃٍ فطاشت السجلات وثقلت البطاقۃ فلا یثقل مع اسم اللہ شیئ ط (ابن ماجہ)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: قیامت کے روز سارے لوگوں کے سامنے میرے ایک اُمتی کو پیش کیا جائے گا اور اس کے روبرو اس کے اعمال نامہ کے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے۔ (دفتروں کا تصوّر بھی محال ہے۔ ایک دفتر کی لمبائی حدِّ نگاہ تک ہوگی۔) پھر اس سے کہا جائے گا، ان دفاتر میں سے کسی دفتر سے متعلق تمہیں کوئی اعتراض ہے؟ کیا تجھے کوئی شکایت ہے؟ کہ نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں نے تیرے ساتھ کسی قسم کا ظلم کیا؟ وہ عرض کرے گا: نہیں پروردگار! عزت والے نگہبان فرشتوں نے کوئی ظلم نہیں کیا۔ یہ سب تو میرے کئے ہوئے اعمال ہیں۔ پھر اللہ تعالےٰ فرمائے گا: ان اعمال سے متعلق تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ بندہ عرض کرے گا: اے رب میرے نزدیک کوئی عذر نہیں ہے۔

اس کے بعد اس بندے کو اور دوسرے لوگوں کو بھی یقین ہو جائے گا کہ اللہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بچنا ناممکن ہے۔ اس صورتِ حال میں اللہ تعالےٰ اس بندے سے فرمائے گا: ہمارے پاس تیری ایک خاص نیکی ہے آج کے دن تیرے ساتھ کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔ یہ فرمانے کے بعد کاغذ کا ایک پرزہ نکالا جائے گا، جس میں اشھد ان

لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ لکھا ہوا رہے گا۔ اور اس بندے سے کہا جائے گا۔ اس پرزہ کو لے اور تیرے نامۂ اعمال تولے جانے کے مقام پر جاکر دیکھ یعنی اس پرزے کو ترازو کے پلہ میں رکھ دیکھ اس کی وجہ سے نیکیوں کا پلہ جھک جائے، اور تو عذاب وعتاب کی گرفت سے بچ نکلے۔ وہ بندہ عرض کرے گا: اے خداوندا! میرے گناہوں کے ضخیم ضخیم اور عظیم عظیم دفتروں کے مقابلہ میں اس پرزہ کی کیا حیثیت اور حقیقت ہے۔

نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس کے بعد اس بندے کے ننانوے دفاتر میزان کے ایک پلہ میں رکھے جائیں گے اور دوسرے پلّہ میں صرف وہ پرزہ رکھا جائے گا اور کاغذ کے پرزے کا پلّہ بھاری ہو جائے گا۔ اللہ تعالےٰ کے نام کی عظمت کے مقابلہ میں کوئی چیز بھی ثقیل نہ ہوگی۔

الغرض کلمات ربانی اور اسمائے ربانی میزان میں ثقیل ہونے اور ان کے ذریعہ کسی بندہ کو پروانۂ نجات حاصل ہونے کے علاوہ بھی دنیاوی اور برزخی زندگی میں رحمتِ الٰہی کے ظہور اور نزول کا سبب ہیں۔ میّت کے کفن پر الم نشرح لکھنے کے مسئلہ میں حضرت قطبؒ ویلور نے اپنے فتاویٰ میں درج ذیل وضاحت کی ہے:

سورۂ الم نشرح کی تحریر کے متعلق سنّت نبویؐ اور فقہ کی مستند کتابوں میں کوئی سند نہیں ملی۔ بلکہ صاحب نصاب الاحتساب نے لکھا ہے کہ اسماء باری تعالےٰ یا کلام الٰہی کی آیات کا مردہ کے کفن پر لکھنا ممنوع ہے لیکن مولا بخش صدیقی بہاری نے "زاد الآخرت" میں درمختار کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اگر عہد نامہ کو مردہ کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر لکھا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کی مغفرت کرے گا۔

اسی میں یہ بھی منقول ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے حضرت سلمان فارسی کے کفن پر یہ شعر لکھا تھا۔ ؎

وفدت علی الکریم بغیر زاد   من الحسنات والقلب السلیم
فان الزاد اقبح کل شئی   اذا کان الوفود علی الکریم

نیز یہ روایت بھی ملتی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ سے یہ حدیث سنی "العمرؓ سراج الجنّۃ (عمرؓ جنّت کا چراغ ہیں۔) تو حضرت علیؓ سے اِس حدیث کو لکھوالیا اور اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ میرے انتقال کے بعد میرے کفن میں یہ تحریر رکھی جائے کیوں کہ قیامت کے دن میرے پاس دستاویز ہوگی۔

تفسیرِ عزیزی میں مرقوم ہے کہ ایک عارف نے بسم اللہ الرحمان الرحیم لکھ کر اپنے گھر والوں کو

وصیت کی کہ وفات کے بعد میرے کفن میں یہ تحریر رکھ دی جائے۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو عارف نے کہا میں نے سنا ہے کہ ایک فقیر ایک عالی شان گھر کے دروازہ پر پہنچا اور سوال کیا۔ گھر والوں نے اُسے انتہائی حقیر اور معمولی چیز لا کر دی۔ فقیر واپس چلا گیا اور ایک کدال لے جا کر اس گھر کا عظیم الشان دروازہ گرانا شروع کیا۔ مالک مکان گھر سے نکلا اور فقیر سے اس حرکت کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا: دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کرو۔ ایک یہ کہ دروازہ کو اپنی بخشش کے لائق کر دو، دوسری یہ کہ اپنی بخشش کو اس عظیم الشان دروازہ کے لائق بناؤ۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم کتاب اللہ کا دروازہ ہے تو میں اسی دروازہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس کے رحم و کرم کی بھیک طلب کروں گا۔

حاصل کلام! الحمد للہ، سبحان اللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور اسی طرح کے اور بھی متعدد کلمات ہیں، جن کے پڑھنے سے دُنیا میں بھی خیر ہے اور آخرت میں بھی خیر ہے۔ اور ان کلمات کے ورد اور ذکر کی تاثیر اور فیضان سے قلب و روح اور نفس کو پاکیزگی اور صفائی حاصل ہوتی ہے۔ اور قلب کی یہی وہ صفائی ہے جس کے باعث اعمالِ صالح صادر ہوتے ہیں اور کسی بندے کو جنت میں لے جانے والی چیز اعمالِ صالح ہیں۔ کلمۂ الحمد للہ وغیرہ کا میزان میں ثقیل ہونے اور جنت کے خزانے ہونے کی وجہ طہارت ہے اور یہی طہارت ایمان کا جز ہے۔ اور جس قلب میں ایمان ہے وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔

الصلوٰۃ نورٌ: نماز نور ہے۔

اسلام میں نماز ایک ایسا عمل ہے۔ جسے دین و ایمان کی اساس قرار دیا گیا ہے اور اس کے پڑھنے کو دین کا قیام اور اس کے چھوڑنے کو دین کا انہدام کہا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ نبویؐ ہے: الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامھا اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین ط اور کفر و ایمان کے درمیان وجہِ امتیاز نماز کو قرار دیا گیا ہے۔ آدمی نماز چھوڑ دینے سے کفر سے قریب ہو جاتا ہے۔ بین الرجل وبین الکفر ترک الصلوٰۃ ط

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب وحی سے شرف یاب ہوئے تو سب سے پہلے آپؐ کو نماز کی تعلیم دی گئی۔ سورۂ علق پہلی وحی نازل ہونے کے بعد جبرئیل امین علیہ السلام آپؐ کو پہاڑ کے دامن میں لائے اور آپؐ کے سامنے خود وضو کیا اور آپؐ نے بھی وضو کیا۔ پھر دونوں نے مل کر نماز پڑھی۔ ایک آدمی اپنی زبان سے کلمۂ اسلام

کا اقرار کرنے کے بعد سب سے پہلا فرض جو اُس کے سامنے آتا ہے وہ نماز ہے۔ اور اسلام کے فرائض میں نماز ہی وہ فرض ہے جو ہر چند گھنٹوں کے بعد مسلسل پیش آتے رہتا ہے۔ اور اس کی ادائیگی کا سلسلہ دس برس کے بچّہ سے شروع ہو کر زندگی کی آخری سانس تک قائم رہتا ہے۔ کارگاہ حیات میں آدمی مسافر رہے یا مقیم تندرست رہے یا بیمار، جنگ میں گھرا رہے یا کسی خوف و خطر کا شکار، خواہ وہ کسی بھی حالت میں رہے، اس فرض کے ادا کرنے سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ قرآن و حدیث میں نماز کا ذکر مختلف جہات سے کیا گیا ہے۔ جس سے اس کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ زیر بحث حدیث میں اس کا جو پہلو نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ نماز نور ہے۔

نماز ظاہری اعتبار سے بدن کی صفائی، کپڑوں کی صفائی اور جگہ کی صفائی کا ذریعہ بنتی ہے تو باطنی اعتبار سے نفس کی تطہیر اور قلب کے تزکیہ اور روح کے تصفیہ کا ذریعہ بنتی ہے۔ یاایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا بروسکم وارجلکم الی الکعبین وان کنتم جنبا فاطھروا (المائدہ)

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھولو اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلو۔

واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر والبغی (العنکبوت)

نماز پڑھو نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

دن اور رات میں پانچ نمازوں کو ادا کرنے کے لیے پانچ مرتبہ وضو کیا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ نوافل اور تلاوت قرآن کے علاوہ کے لیے بھی وضو کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے طہارت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں:

وضو کا ایک حصہ ظاہری ہے اور ایک حصہ باطنی ہے۔ وضو کا پہلا مقام جسم کی طہارت ہے۔ خارجی نجاست سے پاک ہونے کے ساتھ قلب کو نفسانی خواہشات سے پاک کرنا ہے۔ لباس کی صفائی کے ساتھ قلب کو گناہوں سے پاک کرنا ہے۔ جگہ کی صفائی کے ساتھ اس کو ناجائز کمائی کے مال سے پاک رکھنا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا: یہ بتاؤ اگر کسی شخص کے دروازے پر نہر بہہ رہی ہو، جس میں وہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر میل رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا: نہیں!

آپؐ نے فرمایا: اسی طرح جو آدمی دن میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث ہے: من توضأ فاسبغ الوضوء غسل یدیہ ووجھہ ومسح علی رأسہ و اذنیہ ثم قام الی صلوۃ مفروضۃ غفر اللہ لہ فی ذلک الیوم ما مشت الیہ رجلاہ وقبضت علیہ یداہ وسمعت الیہ اذناہ ونظرت الیہ عیناہ وحدثت بہ نفسہ من سوء ط

جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور پھر فرض نماز پڑھے تو اللہ تعالےٰ اس کے وہ سارے گناہ معاف کرتا ہے جو دن بھر میں اس کے ہاتھوں اور اس کے پیروں اور اس کے کانوں اور اس کی آنکھوں سے صادر ہوئے ہوں اور وہ گناہ بھی جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں۔

ایک اور مشہور حدیث ہے:

نبیؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں جنّت کو دیکھا، جس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جوتیوں کی آواز سنی نیند سے بیدار ہونے کے بعد جب حضرت بلالؓ سے سامنا ہوا تو پوچھا: تمہارا وہ کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے تم جنّت میں بھی میرے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! رات اور دن میں جب بھی میرا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو وضو کرتا ہوں اور اس کے بعد حسب ہدایت وقدرت نماز پڑھ لیتا ہوں۔

ایک حدیث میں نماز کو مومن کا نُور قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی وہ نُور ہے جس کے ذریعہ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم آخرت میں اپنی امّت کو پہچان لیں گے اور اسی نُور سے امّت محمدیہ دوسری امّتوں سے ممتاز نظر آئے گی۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں نماز سے روزی میں اضافہ ہوتا ہے۔ صحت قائم رہتی ہے۔ چہرہ پُر نور رہتا ہے اور دلِ منوّر رہتا ہے سینہ علم وحکمت سے معمور رہتا ہے۔

غرض نماز کے فوائد وبرکات اور اثرات خواہ ظاہری ہوں یا باطنی کوئی حد نہیں ہے۔ زیر بحث حدیث کا ممتاز پہلو یہ ہے کہ نماز نور ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

الصدقۃ برھان

صدقہ دلیل اور حجّت ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں صدقہ کا لفظ کثرت سے مستعمل ہے اِس لفظ کے معنی ومفہوم میں بڑی وسعت اور گہرائی ہے اور اس کا اطلاق خیر وبھلائی اور فلاح کی ساری اقسام پر ہوتا ہوتا ہے۔ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الکلمۃ الطیبۃ صدقۃ۔ تعمیری بات کرنا صدقہ ہے۔

یمیط الاذیٰ عن الطریق: راستہ میں تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا صدقہ ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر صدقۃ: سماج سے برائیوں کو ختم کرنا اور نیکیوں کو پھیلانا صدقہ ہے۔ ان کل تسبیحۃ صدقۃ: ہر تسبیح صدقہ ہے۔ ایک مسلمان سے خندہ پیشانی سے پیش آنا صدقہ ہے۔ کسی کو پینے کے لیے پانی دینا صدقہ ہے۔ ایک لقمہ کھلا دینا، ایک گھونٹ پانی پلا دینا اور لباس پہنا دینا صدقہ ہے۔ بھوکے شخص کو کھانا کھلانے سے افضل کوئی صدقہ نہیں ہے۔

کھجور کا ایک ٹکڑا ہی سہی صدقہ کر کے خود کو جہنم کی آگ سے بچا لو۔ جو شخص کسی حاجت مند کی حاجت پوری کرے تو اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے اس کی حاجت روائی فرمائے گا اور جو شخص کسی مصیبت زدہ شخص کی مصیبت دور کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کے مصائب دور فرمائے گا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ماں رحلت کر چکی ہے۔ ان کے ایصال ثواب کے لیے کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے۔ ارشاد فرمایا: پانی! یہ بات سن کر حضرت سعدؓ نے اپنی ماں کے ثواب کے لیے ایک کنواں کھدوایا۔

پانی کے صدقہ سے خود بخود یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ہر ضرورت کی چیز صدقہ میں دی جا سکتی ہے۔

صدقہ بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔ اپنے مریضوں کا علاج صدقہ و خیرات کے ذریعہ کرو: الصدقۃ تدفع البلاء داووا مرضاکم بصدقۃ

حدیث زیر بحث میں صدقہ حجت ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ آخرت میں آدمی کے وہ اعمال جن کو صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حجت اور دلیل بن جائیں گے۔ جن کے باعث آدمی دوزخ کی آگ سے محفوظ رہ جائے گا۔

الصبر ضیاء

صبر اجالا ہے۔ یہ اجالا دنیاوی زندگی میں بھی ہے اور اخروی زندگی میں بھی رہے گا۔ زندگی کے راستے میں نشیب و فراز ہے۔ راہرو کو موافق اور ناموافق اور مفید و مضر حالات کا سامنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں انسان کی رہبری کے لیے صبر ایک روشنی ہے۔ دنیاوی زندگی میں مصائب اور آلام ہی کی کثرت ہوتی ہے خوشیوں اور مسرتوں کے لمحات بہت ہی قلیل ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جب پتلا بنایا گیا تو اس پر ۳۹ دن تک رنج و غم اور تکلیف و مصیبت کی بارش مسلسل ہوتی رہی اور اس کے بعد صرف ایک دن خوشی و مسرت کا مینہ برسا۔ اسی کا اثر ہے کہ بنی نوع انسان کی زندگی میں مصائب زیادہ ہوتے ہیں اور خوشیاں بہت کم آتی ہیں۔ ایسے حالات میں صبر وضبط اور ثبات و

استقامت کا مظاہرہ ہی اہلِ ایمان کی علامت اور شناخت ہے ۔ قرآنِ کریم میں مختلف اسالیب کے ذریعہ صبر کی تعلیم و تلقین کی گئی ہے ۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت کا کام شروع کیا تو آپؐ پر ہر طرف سے مشکلات میں گھر گئے ۔ ان حالات میں اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو ہدایت دی کہ آپؐ بھی ذی عزم رسولوں کی طرح صبر کا دامن تھامے رہیے : فاصبر کما صبر اولو العزم۔

اہلِ ایمان کو ہدایت دی گئی : واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین ط (البقرہ)

صبر (جرأت اخلاقی، ثابت قدمی، پامردی اور دل کی مضبوطی) اور دعا سے قوت حاصل کرو۔ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی تائید ہے ۔

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ط اولئک علیھم صلوٰۃ من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون ط (البقرہ)

اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنائیے ۔ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو اللہ کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ۔ صابرین ہی ہدایت یافتہ ہیں ۔ ان کے رب کی رحمتیں ان پر نازل ہوتی رہیں گی ۔

ما عندکم ینفذ وما عند اللہ باق ولنجزین الذین صبروا باحسن ما کانوا یعملون ط (النحل)

تمہارے پاس جو بھی ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور اللہ کے پاس جو بھی ہے وہ باقی ہے اور ہم صبر کرنے والوں کو نیکیوں کا بہترین صلہ عطا فرمائیں گے ۔

انما یوفون الصابرین اجرھم بغیر حساب ط (الزمر) صبر کرنے والوں کو ان کا پورا پورا بدلہ جائیگا۔

واصبر علی ما اصابک ان ذلک من عزم الامور ط

یہ حضرت لقمان کی نصیحت ہے ۔ جو انھوں نے اپنے صاحب زادے سے کی ۔ پیارے بیٹے ! جب بھی تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو صبر کرنا ۔ یقین مانو یہ بڑی ہمت اور بڑے حوصلہ کا کام ہے ۔

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

عجب لامر المؤمن إن امرہ کلہ لہ خیر ولیس ذلک لأحد الا للمؤمن إن اصابتہ سراء شکر وکان خیرا لہ وإن اصابتہ ضراء فصبر فکان خیرا لہ ط (مسلم)

صاحب ایمان شخص کا معاملہ بھی بڑا عجیب و غریب ہے۔ اس کے ہر معاملہ میں خیر ہی خیر ہے اگر اسے کوئی نعمت ملے تو شکر ادا کرتا ہے اور یہی شکر گزاری مزید انعامات کے پہنچنے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے صبر کرتا ہے اور یہی ضبط اور ثبات اس کے لیے دُنیا و آخرت میں خیر کا چشمہ ہے۔

جناب ابن ارث کا بیان ہے کہ ہم نے نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں کی شکایت کی۔ اس موقعہ پر آپؐ چادر مبارک کو تکیہ بنائے ہوئے کعبہ کی چھاؤں میں آرام فرما رہے تھے۔ یہ سن کر ارشاد فرمایا۔ تم سے پہلے جو اہلِ ایمان تھے، اُن پر تم سے کہیں زیادہ مصائب و آلام پہنچے، لیکن مصیبتیں انھیں راہِ ہدایت سے دُور نہ کر سکیں۔ اللہ نے ہمیں رسولوں کے حالات اور بیانات سے مطلع فرمایا۔ (امتوں نے جب انھیں ایذائیں پہنچائیں تو فرمایا) ہم اللہ پر کیوں نہ بھروسہ کریں جب کہ اسی نے ہماری زندگی کی راہوں میں ہماری رہنمائی کی۔ جو تکالیف تم لوگ ہمیں دے رہے ہو، ان پر ہم صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کا اعتماد اللہ ہی پر ہونا چاہیے۔

دُنیا میں سب سے زیادہ مصائب اور تکالیف اللہ کے پیغمبروں پر آتی ہیں۔ پھر اُن لوگوں پر آتی ہیں جو نبیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ صبر انبیاء، مرسلین اور صدیقین و صالحین کا شعار ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہٗ کا بیان ہے کہ ۲۹ صفر روز دوشنبہ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک جنازے سے واپس آ رہے تھے۔ راستہ ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا پھر سخت بخار لاحق ہوا۔ اس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سرِ مبارک پر جو رومال ڈال رکھا تھا، میں نے اسے ہاتھ لگایا تو گرم تھا۔ جسمِ مبارک بھی ایسا گرم تھا کہ میرے ہاتھ کو برداشت نہ ہوئی۔ میں نے تعجب کیا تو فرمایا: انبیائے کرام کو سب سے بڑھ کر تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی لیے ان کا اجر سب میں بڑھا ہوتا ہے۔

صبر ایک ایسی قوت ہے کہ اسی کے ذریعہ زندگی کا قافلہ حُسن و خوبی اور سلامتی کے ساتھ منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ صبر و ضبط اور استقامت کے بغیر مقاصد کی تکمیل انتہائی مشکل ہے۔ اسی لیے اس حدیث میں صبر کو اُجالا کہا گیا ہے۔

القرآن حجة لك عليك

قرآن تمہارے حق میں حجت ہے یا تمہارے خلاف حجت ہے۔ لہٰذا جس کسی نے بھی قرآن کی تلاوت کی اور اس میں تدبر کیا تو وہ دُنیا و آخرت میں کامران رہا۔ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کچھ لوگ قرآن کے ذریعہ عروج و ارتقاء کی منزلیں طے کریں گے اور کچھ قرآن (چھوڑ کر) ذلت و نکبت کے غار میں جا گریں گے۔

غرض قرآن کریم اسلام کی اساس ہے اور یہی دستورِ حیات ہے اور وہ تاقیامِ قیامت ہر قسم کے تغیر اور تحریف سے محفوظ رہے گا۔ کیوں کہ خود اللہ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی ہے۔ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ وصیت کر دی کہ میں تمہارے درمیان قرآن اور اپنی سنّت کو چھوڑ جا رہا ہوں تم میں سے جو بھی کتاب وسنّت کو تھامے رہے گا راہِ ہدایت سے دُور نہیں ہوگا۔

كل الناس يغدو فبائع نفسه فمعتقها او موبقها

ہر شخص صبح کرتا ہے پھر وہ اپنے نفس کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے نجات دلاتا ہے یا پھر اُسے ہلاک کر دیتا ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اعمالِ صالح کے ذریعہ اپنی آخرت بنا رہا ہے تو کوئی فاسد اعمال کے ذریعہ اپنی آخرت تباہ کر رہا ہے۔ یہاں کوئی اپنی جنت بنا رہا ہے تو کوئی اپنے لیے دوزخ بنا رہا ہے۔ اور قربِ قیامت کے سامنے ایمان میں بڑے تغیّرات دیکھنے میں آئیں گے۔ ایک آدمی صبح کرے گا تو اس کا قلب ایمان سے بھرا رہے گا اور جب شام ہوگی تو اس کے قلب سے ایمان نکل چکا ہوگا۔

حاصلِ کلام!

موضوع بحث حدیث میں ظاہری و باطنی پاکیزگی وصفائی، نماز، صدقہ، صبر، الحمد للہ اور سبحان اللہ کے ورد اور ذکر کا فائدہ اور قرآن کی تلاوت اور اس میں تدبر اور اس پر عمل اور زندگی کے گزرے لمحات کا احساس وقدر اور اعمالِ صالحہ کی ترغیب وتحریص سے متعلق اشارات موجود ہیں اور یہ حدیث ہر دَور اور ہر علاقہ کے مسلمانوں کے لیے چراغِ ہدایت ہے۔

سبحٰنك لا علم لنا الا ما علمتنا وما علينا الا البلاغ و اٰخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين ۔

قول فاطمہ رضؓ

۱۔ ایمان اور حیا کا چولی دامن کا ساتھ ہے، جس عورت میں حیا باقی نہیں، اس کا ایمان بھی سلامت نہیں۔

۲۔ قناعت وہ سرمایہ ہے جو کبھی کم نہیں ہوتا۔

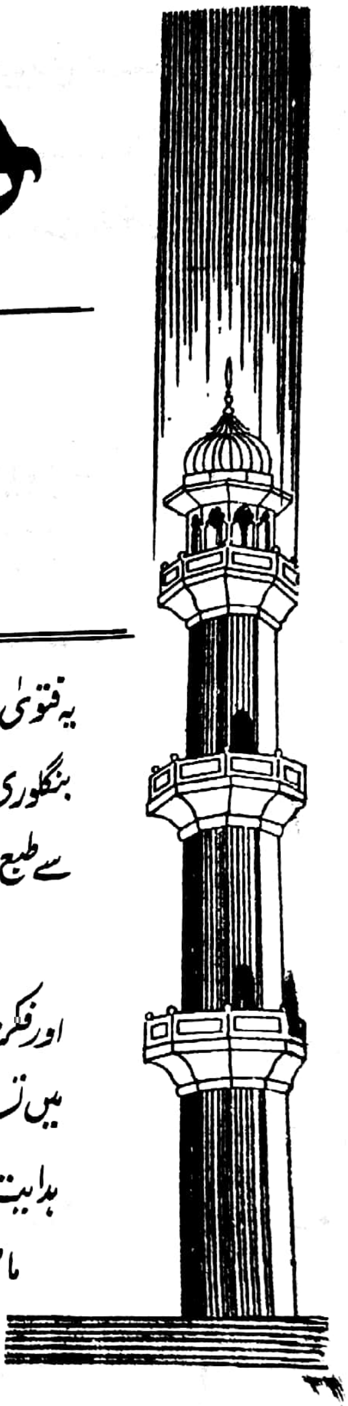
۳۔ عورتوں کے لئے کپڑوں کا دھونا غم و غصے کو کم کر دیتا ہے۔

۵۔ مجھ پر ایسے مصائب پڑے ہیں کہ اگر دن پر پڑجاتے تو وہ رات کی طرح سیاہ ہوجاتا۔

حدیث

- علم تیرا نگہبان ہے، اور تو مال کا نگہبان۔
- نماز دعاؤں کے قبول ہونے کا ذریعہ ہے۔
- نماز دین کا ستون ہے اور مسلمان کا نور۔
- جنت سخاوت کرنے والوں کا گھر ہے۔
- بات کرنے سے پہلے سلام کرو۔
- لوگوں کے گناہ اکثر زبان سے سرزد ہوتے ہیں۔
- عذابِ قبر عموماً پیشاب کی بے احتیاطی سے ہوتا ہے

فتویٰ



زبدۃ السالکین، امام العلماء، قدوۃ الفضلاء، حضرت مولانا مولوی
حافظ حاجی سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ
حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز

یہ فتویٰ حضرت قطبؒ ویلور نے اہلِ بنگلور کے استفسار پر رقم کیا تھا۔ جسے عبدالقادر صاحب بنگلوری نے شائع کیا ہے۔ ۱۲۶۸ھ میں الحاج سید رستم صاحب کے زیر اہتمام مطبع حیدری ویلور سے طبع ہوا ہے۔

بنگلور کے مسلمانوں میں مسلکی اختلافات شدت سے ابھرے تو وہاں کے بعض درد مند اور فکر مند مسلمانوں نے حضرت قطبِ ویلور کی جانب رجوع کیا۔ آپ نے اختلافی اور فروعی مسائل میں تشدّد اور سختی سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اور مسلمانوں میں تفرّق کی فضا کو ختم کرنے کی ہدایت دی ہے۔

ماضی کی جھلک موجودہ حالات میں بھی دکھائی دے رہی ہے۔ اللہ کرے کہ یہ فتوے ھدی للمتقین کی شان پیدا کردے۔

پیش کش

مولوی حافظ ڈاکٹر ابوالنعمان بشیرالحق قریشی غفرلہ

هُوَ الهَادِی

بعونہ در بنگلور

بمطالعۂ جماعتِ مسلمین سلّمہم اللہ تعالےٰ موصول باد ۲۹ رجمادی الآخر ۱۲۶۸ھ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد سلام سنت اور دعائے خوبی دنیا وآخرت ۔ بنگلور کے دوستان اور جماعتِ مسلمانان پر ظاہر ہووے کہ تمہارا خط مرقوم چھٹویں ربیع الثانی ۱۲۶۸ھ ہجری کا پہنچا اور اس میں دینی مسائل کا استفسار ہونے سے دل کو سرور پہنچایا۔

الحمد للہ علی ذٰلک ! اِس زمانے میں ہر کوئی کھانے پینے، زراعت تجارت اور دیگر مشغلوں؟ تن پروری کے غرق ہیں۔ دین پہچاننے اور آخرت کمانے اور جان پروری کے کام پر کوئی متوجہ نہیں۔ ایسے زمانے میں تمہارے سوالات مجھے بہت خوش آے۔ ے این کارِ دولت است اکنوں تاکرا رسد : اللہ تعالےٰ تم کو خوش رکھے۔ دین اور دنیا میں ترقی دیوے آمین یا الٰہ العالمین ۔ تم لکھے تھے کہ ہم حنفیہ نماز میں رکوع اور قومے کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے اور آمین آہستہ بولتے تھے اور زیرِ ناف ہات (ہاتھ) باندھتے تھے اور اذان میں ناخنوں کو دونوں آنکھوں پر رکھتے تھے۔ اب چند حنفیہ رفع یدین کرتے اور آمین پکار کر بولتے اور ناخن آنکھ پر رکھنے والوں کو تم انگلیاں ناحق آنکھوں میں کیوں چُبا لیتے ہو کر کر کہتے ہیں۔ کیا ہم اُن کے موافق کرنا یا آگے جیسا کرتے تھے ویسا ہی کرنا ؟

جواب اس کا یہ ہے تم جیسا پہلے رفع یدین نہیں کرتے تھے ویسا ہی اب بھی نکرو۔ اس لیے کہ حنفیہ اس کے نہیں کرنے پر گئے ہیں۔ مگر بعض حنفیہ چنانچہ ملک العلماء مولانا عبد العلی لکھنوی مدراسی رحمۃ اللہ علیہ رسائل ارکانِ اربعہ میں نئیں (نہیں) کرنے کو اچھا اور کرنے کو لاباس[1] بولے ہیں۔ اور مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ البالغہ میں رفع کرنے والا رفع نیں کرنے والے سے میرے پاس دوست تر کہے ہیں اور جیسا تمھے آمین آہستہ بولتے تھے اور زیرِ ناف ہات باندھتے تھے اب بھی ویسا ہی کرتے رہو۔ اس لیے کہ حنفیہ کے پاس آمین آہستہ بولنا اور زیرِ ناف ہاتھ باندھنا مستحب ہے۔ لیکن حنفیہ میں مولانا عبد العلی

---

[1] پوشیدہ نماند کہ عبارت لاباس دی درجائز است کہ خلاف آن نوع اولیٰ داشتہ باشد لیکن مکروہ نبود وگاہے بمعنی مطلق نفی اثم نیز واقع شود بے آنکہ خلاف دراولی بود ، ۱۲ شرح

مطلق آمین بولنا سنّت اور آمین کو پکار کر کہنا اور آہستہ بولنا دونو مستحب کہے ہیں۔ اور ناخن دونو آنکھ پر پہلے جیسا رکھتے تھے ویسا اب بھی رکھے جاے۔ اس لیے کہ بعض علما، اس کو مستحب کہے ہیں لیکن نکرنے والوں پر طعن کرنا ناروا ہے۔ اس لیے کہ بعض اس کو بے سند بولے ہیں۔ اور ناخن رکھنے والوں کو ناحق آنکھوں میں انگلیاں کیو چبا لیتے ہو بولنا بھی بے جا۔

اور یہ بھی معلوم ہووے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب پر چلنا بعض علما کے پاس واجب ہے اور بعض علماء کے پاس واجب نہیں بلکہ دوسرے مذہب پر اہل سنّت کے چلا تو بھی جائز ہے ؛کذا فی کتب الاصول اور دوسرے مذہب پر چلنا طائفہ اولی کے پاس جائز نہیں اور اپنے مذہب پر چلنا باتفاق علما، جایز ہونے سے اور اختلاف پہنچنے سے بہتر اور افضل ہوا

اور یہ بھی معلوم ہووے کہ تمھے پوچھے سو مقدمے میں کچھ فرض اور واجب اور سنّت موکدہ نہیں بلکہ اہل سنّت و جماعت کے اختلافی مستحبات و مکروہات ہیں۔ عقاید ملا جلال میں ہے کہ فتنہ نہ اٹھے اور امید قبولیت کی ہووے تو اَمر واجب کا واجب اور مستحب کا مستحب ہے اور نہے حرام کی واجب اور مکروہ کی مستحب ہے۔

اور "قول الجمیل" میں ہے آداب سے اَمرِ معرُوف اور نہے منکر کے رفق و نرمی ہے تشدّت و سختی کام امیران اور بادشاہان کا۔ انتہی: سُنا جاتا ہے کہ وہاں کے بعض مردم امر و نہی میں اس اختلافی مستحبات و مکروہات کے سختی اور شدّت اور طعن اور ملامت کرنے سے غیبت اور چغلی اور نفاق اور دشمنی اور دیگر محرمات میں گرفتار ہوتے ہیں اور اتفاق کو مسلمانوں کا جو مقصود شارع کا ہے کھوتے ہیں: معاذاللہ من ذٰلک۔

اگر ایسا ہی ہے تو معلوم ہوا کہ آداب سے امر و نہی کے انجان ہیں۔ اور مستحب کرنے جا کے حرام کاموں ہیں پڑتے ہیں۔ قاعدہ اصول کا ہی کُلُّ مَا ینجر الی الحَرَامِ فَھُوَ حَرَامٌ۔ آج وہ روز ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر ہووے یا نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج چھوڑے یا شراب پیوے اور زنا کرے اور پیاز کھاوے تو سزا دینا یکطرف اس کو روکنا بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر اختلافی مستحبات و مکروہات پر چلنے والے کو روکنا کیونکر ہو سکے گا۔ بلکہ اگر جاننے والا ہو تو قول بعض علما کے جو ایک ہے پر رہنے کو واجب نہیں کہے ہیں سند کر کر بحث کرنے اور لڑنے کھڑے رہیں گا۔ غرض اتفاق بڑی دولت ہے: ؎

دولت اتفاق خیزد بے دولتی از نفاق خیزد

چار پایوں میں ہاتی (ہاتھی) اور اونٹ اور چیتل اور سامبر اور ہرن اور خرگوش باتفاق فوج فوج پھرتے اور چرتے اور پرندوں میں کوّے اور بگلے اور کبوتر اور فاختے اور حواصیل اور ابابیل جوق در جوق باہم اڑتے اور چگّن کھاتے اور خزندوں میں چیونٹیاں قطار چلتے چگتے اور منڈھے پر بات مارتے ہیں۔ عوام اہل سنّت کے باوجود انسانیت کے اختلافاتِ علما اور اجتہاداتِ فقہاء

ہیں خصوصاً اختلافی مستحبات و مکروہات میں شدّت و سختی سے دخل دینا اور روافض و خوارج کی طرح بایکدگر لڑنا اور لڑائی میں بے فایدہ عمر کھونا بڑی آفت اور سخت قیامت ہے اور میرے دل پر بہت گراں ۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون : اللہ مجھے اور سب دوستان اور مسلمانان کو امر معروف اور نہی منکر میں نرمی اور برادروں کی خیر خواہی عنایت فرماوے اور بلا سے نا اتفاقی کے بچاوے ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ هٰذَا مَا يَسَّرَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْاُمُوْرِ ۔

○○○

بعونہ در لشکر بنگلور در مسجد سنگین : بمطالعہ شریف مخاصی شاہ محمد یعقوب صاحب قادری سلمہ اللہ تعالیٰ

موصول باد ۲۹ رجمادی الآخر ۱۲۶۸ھ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

بعد الحمد والصلوٰت وتبلیغ السلام والداعوات ظاہر ہووے جماعت مسلمین کا خط اور تمھارے اور میر محی الدین صاحب کے خطوط مکررہ پے در پے پہنچے (پہنچے) اور کوائف سب معلوم ہووے ۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اعمار میری امت کے مابین ستّین اور سبعین کے ہے ۔ اور امام حجۃ الاسلام کیمیائے سعادت میں اختلافی مقدمات کو حق میں سالک کے موانع راہ سے گنے ہیں ۔ میرے دل پر اس یکستّویں سال میں اختلافاتِ فقہا طرف متوجہ ہونا بہت بھاری ہے : مثنوی ؎

دفترِ صوفی سوادِ حرف نیست — جز دلِ اسپید ہمچون برف نیست

پھر حکم میں یک انار صد بیمار اور یک سر ہزار سودا کے بہت کم فرصت ہوں ۔ مسایل کو تفحص اور انتخاب کرنے کی مہلت نہیں ۔ پھر سنا جاتا ہے کہ وہاں بازار نفسانیت کا بہت گرم ہے ۔ نفسانیت میں حق بات کو اثر نہیں ۔ اسی لیے جدّی و شیخی حضرت سید عبد اللطیف قادری المعروف بمحی الدین ذوقی قدس سرّہ استفتا کو نفسانیت کے چراغ پر جلائے اور جواب اُس کا بھی جلانا فرمائے ۔ اللہ تعالیٰ دلوں کو سب مسلمانوں کے پاک کرے اور دلِ قبول دیوے ۔ اِنَّهٗ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ۔

بہر حال جواب میں جماعت مسلمین کے صاف صاف عوام فہم چند باتیں مرقوم و ملفوف میں پہنچا دینا اور تم دوستان کو واقع کھلنے اور چپ و راست پر نظر پڑنے باوجود کم فرصتی کے کچھ تفصیل کے ساتھ لکھا ہوں ۔ بغور ملاحظہ کرنا ۔

رفع یدین کرنے نکرنے میں اور آمین بجہر یا بسر بولنے میں اور زیر ناف ما عند الصدر ہات باندھنے میں اور ناخن کو

آنکھ پر رکھنے نہ رکھنے میں سوال کئے تھے۔ اس ابواب میں قلّت فرصت و اندیشۂ ملامت اکتفا پر تیتیس سند کے باعث ہے۔

رفع یدین[1] کو اکثر معتبر کتابوں میں حنفیہ کے مکروہ لکھے ہیں اور اس مقدمے میں بارا سند مرقوم ہیں۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہووے گا کہ رفع یدین اختلاف سنّت و جماعت کا ہے۔ اہلِ سنّت میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کوفی اور امام مالک عدم رفع کئے اور امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ اور یک روایت میں امام مالکؒ عدم رفع کئے اور

پھر حنفیہ میں اکثر عدم رفع پر اور بعض جواز رفع پر ہیں۔ چناں چہ ملک العلماء مولانا عبدالعلی لکھنوی مدراسی لاباس کہے اور مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی رفع کرنے والا رفع نہیں کرنے والے سے میرے پاس دوست تر بولے ہیں۔

اور مقدمے[2] میں آمین کے پانچ سند مرقوم ہیں۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہووے گا کہ حنفیہ کے پاس آمین پکار کر بولنا مکروہ ہے اور شافعی اور احمد کے پاس آہستہ بولنا مکروہ اور مذہب میں مالک کے خلاف ہے۔ مگر حنفیہ میں ملک العلماءؒ آمین کو پکار کر بولنا اور آہستہ بولنا دو بھی مستحب فرمائے ہیں۔

اور مقدمے[3] میں ہات باندھنے کے چھے سند مرقوم ہیں۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ محل ہات باندھنے کا امام اعظم کے پاس زیر ناف ہے اور شافعی اور مالک اور احمد کے پاس سینے پر اور حنفیہ میں زیر ناف ہات باندھنے میں کوئی خلاف کیا سو میری نظر میں نہیں آیا۔

اور مقدمے[4] میں اذان کے دس سند مرقوم ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہووے گا کہ اجابت موذن کی عند البعض واجب ہے اور عند البعض مستحب اور رکھنا اطفار کا دونوں آنکھوں پر عند البعض مستحب ہے۔ اور عند البعض امر بے سند اور غیر مستحب اس لیے کہ ان کے پاس ثبوت اُس کا حدیث سے موضوع ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہووے کہ ایک مذہب والے نے دوسرے مذہب پر چلنے میں تین مذہب ہیں۔ مذہبِ[1] اوّل یہ کہ اپنے ہی مذہب پر رہنا واجب ہے اور دوسرے مذہب پر چلنا جائز نہیں۔ اگر قصد وَرَع اور احتیاط کا ہو تو وہی مذہب سے روایت اقوی اور احوط پر عمل کرے یہ طریقہ متاخرین کا ہے۔ بہت مضبوط اور بڑا محکم وفیہ الصّواب وفیہ الخیر۔

مذہب دوّیم[2] یہ کہ مذہب واحد پر رہنا اور اتباعِ مجتہد واحد کا کرنا واجب نہیں بلکہ مذاہبِ حقّہ سے کسی پر چلے تو بھی جائز ہے۔ یہ طریق متقدمین کا ہے۔ ظاہر میں انصاف سو نزدیک تر دستا اور فہم میں جلد تر آتا ہے۔

مذہب سیوم[3] یہ کہ اپنے مذہب سے دوسرے مذہب پر چلنا شہوتِ نفس اور اتباع ہوا، اور تتبع رخص سے جائز

نہیں۔ مگر اعتقاد دوسرے مجتہد کے حقانیت کا راجح ہووے اور اس کو افضل جاننے یا احتیاط اور ورع دوسرے مذہب میں بیشتر پاوے یا سخت واقعے میں یا بڑی تکلیف میں مبتلا ہووے اور بدون رجوع ہونے دوسرے مذہب کے مخلصی نپاوے۔ ایسے صورتوں میں دوسرے مذہب پر چلنا جائز ہے۔ (کذافی شرح سفر السعادۃ للعبد الحق الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اسی مذہب اخیر پر جوابات میں سوالات عشرہ کے جواب تمہارے سوال کا دے چکے ہیں سوال اور جواب مذکور بعینہ یہ ہے:

سوال ششم آنکہ اگر حنفی المذہب در بعضی احکام بر مذہب شافعی مثل رفع یدین وغیرہ عمل نماید چہ حکم است

جواب آنکہ اگر حنفی المذہب بر مذہب شافعی عمل نماید در بعضے احکام بیکے از سہ وجہ جائز است۔ اوّل آنکہ دلائل کتاب وسنّت در نظر او در آن مسئلہ مذہب شافعی را ترجیح دہد۔ دوّم آنکہ در ضیقے مبتلا شود کہ گزارہ بدون مذہب شافعی نماند مثل احکام میاہ درین دیار یا احکام مفقود۔ سیوم آنکہ شخصے باشد صاحب تقوی و دار عمل با احتیاط منظور افتد و احتیاط در مذہب شافعی یا بہ مثل صدقہ دادن زائد از قدر دو آثار یا گوشت طاؤس نخوردن وعلی ہذا القیاس لیکن درین سہ وجہ شرط دیگر ہم ہست و آن آنست کہ تلفیق واقع نشود یعنے سبب ترک مذہب صورتے متحقق شود کہ بہر دو مذہب روا نباشد مانند آنکہ فصد را ناقض وضو ندانند باز بہمان وضو نماز عقب امام بے قرات فاتحہ بگذارد کہ در ہیچ مذہب روا نشد وضو برمذہب حنفی باطل گشت و نماز بہ مذہب شافعی اگر سوائے این وجوہ ثلثہ ترک اقتدائے حنفی نمودہ اقتدا بشافعی کرد۔ یا بالعکس مکروہ قریب بحرام است۔ زیراکہ لعب است در دین۔ انتہی

اور یہ بھی معلوم ہووے کہ یہ چاروں اماماں دین کے مقتدایان اعتقاد اور اصول دین میں متفق فقہ اور فروع میں بعضے مواضع میں مختلف ہیں۔ احکام کو کتاب وسنّت سے بقیاس اجتہاد استنباط کئے اور ضبط میں لائے اور دین کی تقویت اور استحکام میں بڑے بڑے محنتاں اٹھائے اور پے نہایت رنج واذیت کھینچے۔ خدا اور رسولؐ خدا پر جان نثار رہے ہیں۔ صلوۃ اللہ وسلامہ علیہ اجمعین۔

فضائل ومناقب ان کے کتب معتبرہ میں بے شمار مذکور ہیں۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ بزرگان ہر ایک ایک آیت الٰہی امر اوج ہدایت کے مہر منیر تھے۔ پھر دانشمندی اور ریاضت اور نفس کشی اور خدا ترسی اور دین کو زندہ کرنے میں نظیر اپنی رکھتے تھے۔

مناقب ائمۂ اربعہ میں ہے کہ ائمۂ اربعہ مانند حلقۂ مذکور کے ہیں جو ایک کو دوسرے پر ترجیح دیے نہیں جاتا اور شرح سفر السعادۃ

میں ہے امام اعظم اقدم واسبق ائمہ اور بقول راجح تابعین سے ہیں اور دوسرے ائمہ تابعین سے نہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی شاگردوں سے یہی امام عالی مقام کے تھے۔ امام محمد چھے کتاب تصنیف کئے ہیں کہ ہر یک سات مجلد اور ستّر مجلد بلکہ زیادہ اس سے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض شاگرداں اور یاران سے یہی امام کے تھے رحمۃ اللہ اجمعین۔

اور امام ربانی قدس سرہ مکتوب پنجاہ وپنجم میں جلد دویم کے لکھے ہیں:

بانی فقہ ابوحنیفہ ہیں۔ فقہ سے تین حصے اون کے مسلّم رکھیں ہیں اور ربع باقی میں سب کو شرکت ہے۔ فقہ میں ابوحنیفہ صاحب خانہ ہیں اور دوسرے سب ان کے عیال۔ امام شافعی فرماتے ہیں الفقہاء کُلّھم عیال ابی حنیفہ۔ ابوحنیفہ تقلید سنّت میں سب سے پیش قدم ہیں۔ اس لیے کہ ان کے پاس احادیث مرسل مانند احادیث مسند کے شایان متابعت ہے اور رائے پر مقدم۔ پھر اسی طرح ان کے پاس قول صحابی کا رائے پر متقدم ہے۔ شرف صحبت سے سرور انبیاء کے علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ انتہی

ہر چند بحکم المجتہد یخطی ویصیب الحکم اجتہادیہ میں ہر یک کے احتمال صواب وخطا کا ہے۔ ولیکن خطا میں بھی ماجور ہیں اور تابعان بھی ان کے ماجور حقوق یہ بزرگوں کے گردنوں پر سب مسلمانوں کے ثابت ہیں۔ اللہ تعالٰے ہم کو توفیق دیوے تا ان کے حقوق کو پچھانے اور ان کے سات بہت باادب رہے۔ اِنَّہٗ قَرِیبٌ مُّجِیب۔

ذیل میں یک جدول مرقوم ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوویگا کہ یہ بزرگان سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے کس قدر قریب ہیں۔ زیادہ اللہ معکم اینما کنتم ۵

دیگر آن کہ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں مداخل شیطان کے بیان میں لکھے ہیں۔ عوام کا کام یہی ہے کہ ایمان واسلام لاوے اور عبادات ومعایش میں مشغول رہے اور اس علم کو جو عقل سے ان کے پرے ہے علماء پر چھوڑے۔ انھوں نے زنا وسرقت کرنا بہتر ہے علم میں کلام کرنے سے۔ انتہی

پس خیرخواہی مسلمانوں کی بھی ہے کہ سمجھے اور دیگر فہمیدہ صاحبان منتفع ہوکر مکتوبات اور اسناد کو بغور ملاحظہ کر کر عوام کی دیے تھے سو او اپنے ہاتوں کو تکبیر تحریمہ کے سواے دوسرے وقت نیں اوٹھاتے تھے۔

ولا یرفع یدیہ مع تکبیر رکوع والرفع منہ اِلّا عند الشافعی واحمد وعن مالک کھما ۵

عیون المذاہب از فقیہ ابو اللیث حنفی۔ یعنے نہ اٹھاوے دونو ہات اپنے رکوع سے سر اوٹھانے کے تکبیر کے سات مگر نزدیک شافعی کے اور احمد کے اور مالک سے موافق شافعی اور احمد کے مروی ہے۔

مصلّی را نباید کہ ہر دو دست را بر دارد مگر در تکبیر تحریمہ واین مذہب علماے ما است و شافعیؒ میگوید کہ بعد از قرات تکبیر گوید و ہر دو دست بر دارد تا بحادے ہر دو منکب ورکوع کند وہمچنین ہر گاہ سر از رکوع بردارد دستہا بر دارد تا بمکبھا زیرا چہ عبد اللہ بن روایت کردہ است کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم دستہا بر میداشت وقتیکہ رکوع میکرد و وقتیکہ سر از رکوع بر میداشت و دلیل علماے ما انیست کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم فرمودہ است کہ دستہاے برداشتہ نمیشود مگر در ہفت موضع یکے در تکبیر تحریمہ و دویم در تکبیر قنوت وسیوم در تکبیرات عیدین۔ وچہار موضوع دیگر در حج بیان فرمودہ و حدیثی کہ دلیل گرفتہ است بآن شافعیؒ۔ پس آن محمول است برابتدا ہمچنین منقول از ابن زبیر ترجمہ ہدایہ وبکر۔

۵ ان یرفع یدیہ عند الرکوع (از ابتداے اسلام) وعند رفع الرأس من الرکوع لانہ فعل زائد ولکن لا نفسد بہ الصّلوٰۃ فی الصحیح لانہ من جنسھا خلافًا لما رواہ مکحول ان ابی حنیفہ انھا نفسد بہ ۵: شرح منیتہ المصلی

یعنی مکروہ ہے دو ہات اٹھانا رکوع کرنے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت اس لیے کہ وہ فعل زاید ہے پر نماز فاسد نہیں ہوتی ہے صحیح روایت میں ہاتان اٹھانے سے۔ کیوں کہ ہات اٹھانا نماز کے جنس سے ہے۔ بخلاف اس روایت کے جو مکحول نے ابوحنیفہ سے روایت کئے ہیں کہ ہات اٹھانے سے نماز ہے۔

۶ لا یرفعھما فی تکبیرۃ سواھا کذا فی الاختیار شرح المختار فلو رفع عند (از ہر دو دست را) لا نفسد صلوتہ علی الصحیح کذا فی السراج الوھاج ۵ عالمگیری

یعنے نہ اٹھاوے دونو ہات سواے تکبیر تحریمہ اور تکبیر قنوت اور تکبیرات عیدین کے۔ ایسا ہی ہے منیا شرح مختار میں اگر کسی نے اوٹھایا تو ہمارے پاس نماز اس کی نہ ٹیٹیگی (ٹوٹے گی) صحیح قول پر ایسا ہی ہے سراج الوہاج میں۔

۷ حق درین مقام آنست کہ حدیث رفع یدین و عدم حدیث رفع یدین ہر دو ثابت اند بسند صحیح و عمل بعض صحابہ چون امیر المومنین عمر و عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما۔ بر عدم رفع بود چنان کہ طحاوی روایت کردہ و عمل یک کردہ صحابہ بر رفع بود و از ان عبد اللہ بن عمر اند پس معلوم شد کہ عمل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بدو وجہ بود گاہے این گاہی آن و سنت لازمہ نبود و ائمہ ما رضوان اللہ علیہم عدم رفع اختیار کردند ببعض ترجیحات کہ مذکورہ اند در فقہ ۵ شرح منار فارسی میں ملک العلماء مولانا عبد العلی حنفی رحمۃ اللہ علیہ۔

۸ اکنون معلوم شد کہ اخبار و آثار در جانب رفع و عدم رفع ہر دو ثابت است و جماعہ از صحابہ و من بعدہم خصوصًا

ابن مسعود و تابعان وی در جانب عدم رفع اند محمل آن جز آن نبود کہ گوئیم در اوقات مختلفہ ہر دو فعل از آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بوجود آمدہ وچون علم وفقہ ابوحنیفہ واستاذوے منتہی بجانب ابن مسعود و تابعان وی است وے طریقہ ایشان عدم رفع است مذہب حنفیہ طریقہ ایشان آمدہ ماخوذ بہمین عقیدہ ایم و علماء مذہب ما باین مقدار اکتفا نکنند و گویند کہ حکم رفع منسوخ است ط شرح سفر السعادۃ للعبد الحق الدہلوی الحنفیے رحمۃ اللہ علیہ۔

لعل[9] الرفع کان اقل القلیل لعدم اختیارا کابر الصحابۃ فلیس الرّفع سنۃ الا عند الافتتاح وماعدا ذلک ان ترک فھو حسن وان فعل فلا باس بہ وانّما اختار الحنیفۃ عدم الرفع فیما سوا الافتتاح لان الرفع کان اولا فی کل حفض ورفع نسخ فی السجود ورفع الراس منہ فھذا مع عدم اختیار الصحابۃ الاجلّۃ ذلک یُرَجِّح احتمال انتساخ ذلک وفی ترکہ لانقصان فاختار والترک احتیاط وفی بعض شروح الھدایۃ قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ رفعھلما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرفعنا ھما ایضا وترکہ فترکناہ فان صحّ ھذا فظاھران الرفع منسوخ واللہ اعلم باحکامہٖ۔ رسایل ارکان اربعہ من مولانا ملک العلماء عبد العلے حنفی رحمۃ اللہ علیہ۔ یعنے شاید کہ رفع بہت کم تھا۔ اس لیے کہ اکابر صحابہ اوس کو نہیں اختیار کئے تھے۔ پس رفع یدین سنت نہیں۔ مگر تکبیر تحریمہ کہنے کے وقت اور غیر تکبیر تحریمہ میں رفع نہیں کیا تو اچھا ہے۔ اور کیا تو اندیشہ نہیں اور غیر تکبیر تحریمہ میں حنفیہ رفع یدین کو اختیار نہیں کئے۔ مگر اس لیے کہ ابتدائے اسلام میں ہر جھکنے اور سر اوٹھانے میں رفع یدین تھا بعد اس کے سجدے میں جانے اور سر اوٹھانے میں تھا سو منسوخ ہوا۔ پس یہ اور کبار صحابہ رفع یدین کو اختیار کرنا اور رکوع سے سر اوٹھانے کے وقت ترجیح دیتا ہے۔ احتمال کو منسوخ ہونے رفع مذکور کے اور چھوڑنے میں رفع مذکور کے کچھ نقصان بھی نہیں۔ پس حنفیہ احتیاط اس کے ترک کو اختیار کئے اور ہدایہ کے بعض شرح میں ہے کہ کہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اوٹھانے دونو ہات کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تو ہم بھی اوٹھائے اور چھوڑ دئے آن حضرتؐ اوس کو تو ہم بھی چھوڑ دیے پس یہ قول اگر صحت کو پہنچا تو پس ظاہر ہے کہ رفع یدین منسوخ ہے واللہ اعلم ط

وقت[10] رفتن بر کوع و سر بر داشتن ازاں رفع یدین نزد ابی حنیفہ سنت نیست۔ لیکن اکثر فقہاء و محدثین اثبات آن میکنند ط مالا بدمنہ از قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ۔

قال[11] النووی اجتمعت الامۃ علی استحباب رفع الیدین عند تکبیرۃ الاحرام و اختلفوا بینما سواھا فقال الشافعی واحمد وجمھور العلماء من الصحابۃ یستحب الضا رفعھما

عند الرکوع وعند الرفع منه وھو روایۃ عن مالک ؎ مواھب اللدنیہ

یعنے کہے امام نووی شافعی جمع ہوے امۃ منتخب ہونے بر رفع یدین کے تکبیر تحریمہ بولنے کے وقت اور اختلاف کئے غیر تکبیر تحریمہ میں پس کہے شافعی اور احمد اور جمہور علماء صحابہ کے مستحب ہے۔ رفع یدین رکوع کرتے کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے وقت بھی اور یہ یکروایت ہے امام مالک سے۔

وھو[۱۲] من الھیأت فعلہ النبی مرۃ وترکہ مرۃ والکل سُنّۃ اخذ بکل واحدٍ جماعۃ من الصّحابۃ والتابعین ومن بعدھم وھذا احد المواضع الّتی اختلف بھا العریقان اھل المدینۃ واھل کوفۃ ولکلٍ واحد اصل اصیلٌ والحق عندی فی مثل ذلک ان لکل سنۃ ونظیرۃ الوتر برکعۃ واحد او بثلث والذی یرفع اَحَبُّ اِلیّ ممّن لایرفع فان احادیث الرفع اکثر واثبتُ ؎

حجۃ اللہ البالغہ من شاہ ولی اللہ الدہلوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ۔

یعنے رفع یدین اون ہیئتوں سے ہے جو کئے اوس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کبھو اور نہیں کئے کبھو اور سب سنّت ہے اور اختیار کئے ہیں ہریک کو جماعت صحابہ اور تابعین اور جو اون کے بعد ہیں اور یہ بات ایک اُون مواضع سے ہے جو اختلاف کئے ہیں اوس میں مدینے والے اور کوفے والے اور واسطے ہریک کے اصل اصیل ہے اور حق میرے پاس ایسے موضوع میں دونو بات سنّت ہے اور مثال اس کا (یعنے مضبوط۱۲) وتر پڑنا ہے۔ یک رکعت کے (ساتھ) سات یا تین رکعت کے سات اور جو شخص کہ رفع یدین کرتا ہے دوست تر ہے میرے پاس اوس شخص سے جو رفع یدین نہیں کرتا ہے۔ اس لیے کہ حدیثاں رفع یدین کے اکثر ثابت تر ہیں۔

یکرہ[۱۳] الجھر بالتسمیۃ والتأمین[لہ] ؎ فتاوی عالمگیری۔

یعنے مکروہ ہے بسم اللہ اور آمین پکار کر بولنا۔

یکرہ[۱۴] للمصلی ایضًا ان یجھر بالتسمیۃ والتامین المخالفۃ السنّۃ ؎ شرح منیۃ المصلی۔

یعنی مکروہ ہے نمازی کو پکار کر بولنا بسم اللہ اور آمین کا واسطے مخالفت سُنّت کے۔

و[۱۵] سنتھا التامین سرًّا الا عند الشافعی واحمد جھرًا ؎ عیون المذاہب از فقیہ ابو اللیث حنفی۔

یعنے سنّتاں سے نماز (ای الصّلوٰۃ ۱۲) کے آمین آہستہ بولنا ہے اور شافعی اور احمد پاس پکار کر بولنا۔

لہ اسناد آمین کے مقدمے میں پانچ ہیں۔

وارد[16] شدہ است در جہر تا این احادیث و مذہب شافعی و احمد این است و در مذہب مالک خلاف است در مذہب ابو حنیفہ جہر نکند مطلقاً و احادیث در جانب جہر بیشتر و صحیح تر آمدہ و بعضے علماء در عدم جہر نیز تصحیح حدیث نمودہ اند و از عمر بن الخطاب روایت کردہ اند کہ گفت چہار چیز است کہ امام در وی اخفا کند تعوذ و بسملہ و آمین و سبحانک اللّٰھم و بحمدک و از ابن مسعود نیز مثل این آمدہ تو اند کہ جہر و اخفا ہر دو بودہ باشد نارۃ نارۃ واللّٰہ اعلم ۵ شرح مشکوۃ فارسی للدہلوی۔

لکن[17] الامر فیہ سھل فان السنۃ التامین وما الاسرار والاخفا فندب ۵ رسائل ارکان اربعہ من ملک العلماء مولانا عبد العلی رح۔

یعنے امر آمین بولنے میں آسان ہے۔ اس لیے کہ سنّت مطلق آمین بولنا ہے اور پکار کر بولنا اور آہستہ بولنا ہے سو مستحب ہے۔

و[18] وضع یمینہ علی یسارہ وکونہ تحت السرۃ للرجال لقول علی رضی اللہ عنہ من السنۃ وضعھما تحت السرۃ ۵ در المختار شرح تنویر الابصار۔

یعنے سنّتوں سے نماز کے ہے سیدھے ہات کو بائیں ہات پر رکھنا نمازی کا اور ہونا اس کا ناف کے نیچے مردوں کو قول سے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے جو فرمائے کہ سنّتوں سے نماز کے ہے رکھنا دونوں ہات کا ناف کے نیچے۔

و[19] وضع یدہ الیمنی علی الیسری تحت السرۃ ۵ فتاوی عالمگیری۔

یعنے رکھے اپنے سیدھے ہات کو بائیں ہات پر نیچے ناف کے۔

و[20] یضع یمنہ علی شمالہ تحت سرتہ ۵ کمال الدرایۃ شرح مختصر وقایۃ۔

یعنے رکھے اپنے داھنے ہات کو بائیں پر۔

و[21] محلہ تحت السرۃ وعند الصدر ۵ عیون المذاہب من فقیہ ابو اللیث سمرقندی۔

یعنے محل ہات باندھنے کا زیر ناف ہے۔ اور نزدیک شافعی اور احمد اور مالک کے سینے پاس۔

بعد از آن دست راست بر دست چپ نہادی زیر سینہ بالائے ناف نزد شافعی و زیر ناف (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) نزد امام ابو حنیفہ و بعض اصحاب شافعی کذا فی المواہب و در ہدایہ مذہب شافعی بالائے سینہ گفتہ و مذہب امام احمد موافق مذہب امام حنیفہ گفتہ و در روایتی نزد وی مخیر است کہ بر سینہ نہد یا زیر ناف ترمذی گفتہ کہ امر درین

لہ اسناد ہات (ہاتھ) باندھنے کے مقدمے میں چھپے ہیں۔

باب واسع است نزد علما یعنی ہر چہ کنند جایز است ۃ مدارج النبوہ من شیخ عبد الحق الدہلوی۔

۲۳ قال الشیخ ابن الھمام نثبت حدیث صحیح یوجب العمل فی کون الوضع تحت الصدر وفی کونہ تحت السرۃ فیحال علی حال قصد التعظیم فی القیام والمعھود ھو کونہ تحت السرۃ ۃ مسائل ارکان اربعہ من مولانا ملک العلماء عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ۔

یعنے کہے ہیں شیخ ابن الھمام ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہووی جو سینے کے نیچے ہات باندھنے کو واجب کر دیوے پس حوالہ کیا جاتا ہے یہ کام اوپر حال قصد کرنے تعظیم کے قیام میں اور عادت میں رکھنا ہات کا ہی نیچے ناف کے۔

۲۴ ویجب[1] علی السامعین عندہ الاذان الاجابتہ وھی ان یقول مثل ماقال الموذن الا فی قولہ حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح فانہ یقول مکان حی الصلوۃ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ومکان حی علی الفلاح ماشاء اللہ کان ومالم یشاء مالم یکن کذا فی محیط السرخسی وھو الصحیح کذا فی فتاوی الغرایب ۃ فتاوی عالمگیری۔

یعنے واجب ہے اذان سننے والوں پر عند الاذان جواب دینا مراد جواب دینے سے موذن کہے موافق کھنا ہے مگر قول میں موذن کے جو حی علی الصلوۃ اور حی الفلاح ہے پس کہے بجائے حی الصلوۃ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور بجاے حی الفلاح ما شاء اللہ ومالم یشاء مالم یکن۔ ایسا ہی ہے محیط سرخسی میں اور یہ بات صحیح ہے۔ چنانچہ فتاوی غرایب میں ہے۔

۲۵ ویجیب من سمع الاذان بان یقولہ کمقابلتہ الا فی الحیعلتین ۃ (وجوبا وقال الحلوے ندبا والواجب الاجا مالقدم۔۱۲۔درمختار) :تنویر الابصار۔

یعنے جواب دیوے سننے والا اذان کا سات اس طور کے کہے موافق کہے موذن کے۔ مگر حیعلتین میں۔

(یعنے دونو جانے لاحول ولا قوۃ الا باللہ بولے۔۱۲۔)

۲۶ ندب اجابتہ بمثل ما قال الا فی الحیلتین ۃ عیون المذاھب من فقیہ ابو اللیث سمرقندی حنفی

یعنے مستحب ہے جواب دینا موذن کا مانند کہے موذن کے مگر بیچ حی الصلوۃ اور حی الفلاح کے۔

---

[1] اسناد اذان کے مقدمے میں دس ہیں

[27] وفی المحیط یجب علی السّامع للاذان الاجابۃ ویقول مکان حی علی الصلوٰۃ: لَاحَوْلَ وَ لَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ ومکان حی الفلاح ماشاء اللہ کان ومَالم یشالم یکن ۵ کمال الدرایہ: یعنی شمنی شرح مختصروقایۃ۔

یعنی محیط میں ہے واجب ہے سننے والے پر اذان کے جواب اذان کا دینا اورکہے بجائے حی الصلوٰۃ لاحول ولاقوۃ الاباللہ اوربجائے حی الفلاح ماشاء اللہ کان ومالم یشالم یکن ۵

[28] یجب علی مستمع الاذان اجابۃ الموذن بمثل ماقال الموذن الاعند الحیعلتین فقیل یقول مثل ماقال وقیل یقول لاحول ولاقوۃ اِلَّا باللہ ۵ رسائل ارکان اربعہ من ملک العلماء مولانا عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ۔

یعنی واجب ہے سننے والے پر اذان کے جواب دینا موذن کا مانند کہے موذن کے مگر نزدیک حیعلتین کے پس بعضے کہے ہیں کہے موافق موذن کے بعضے کہے کہے لاحول ولاقوۃ اِلَّا باللہ

[29] فی حاشیۃ شاھان یستحب لمن سمع الاذان ان یقول مثل مَاقال الموذن اِلَّا فی الصّلوٰۃ والفلاح فانہ یقول فیہما لاحول ولاقوۃ اِلَّا باللہ لماروی الطحاوی وغیرہ عن النبی انہ قال مثل ماقال الموذن غفرلہ الا فی الصّلوٰۃ و الفلاح فانہ یقول فیہما لاحول ولاقوۃ اِلَّا باللہ لانہ دعاء الی الصّلوٰۃ ولیس ثنا فیکون اللایق بہ سوال الحول والقوۃ ۵ کنزالعباد۔

یعنی حاشیہ شاہان میں ہے مستحب ہے سننے والے کو اذان کے بولنا مانند بولنے موذن کے مگر حی علی الصّلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں کہ دونوں میں لاحول ولاقوۃ الاباللہ کہے۔ اس لیے کہ روایت کئے ہیں طحاوی وغیرہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمائے جس نے کہیگا مانند کہے موذن کے بخشے جاویگا مگر بیچ حی علی الصلوۃ اورحی علی الفلاح کے کہ اون دونو میں کہے لاحول ولاقوہ الاباللہ اوراس لیے کہ وہ بولتا ہے نماز طرف اورکچھ تعریف نہیں پس لایق اس کے ہے مانگنا حول و قوۃ کا۔

[29] فی الصلوۃ التغشبی چوموذن اول بارگوید اشھد ان محمدًا رسول اللہ تو بگو صلے اللہ علیک یارسول اللہ چون دوم بار بشنوی بگوید قُرَّۃ عینی بك یارسول اللہ و ناخن ہردوابہام برچشم کند برطریق وضع نہ سبیل مدواین دعا بخواند اللّٰھم مَتِّعْنِی بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ حضرت رسالت میفرماید من سَمَعَ اِسمی فی الاذان ووضع ابہامیہ علی عینہ نانا طالبہ فی صفوف القیامۃ وقایدہ الی الجنّۃ ۵ کنزالعباد۔

وقتی کہ اذان بشنود سامع باشد وجواب بمثل آن بدہد کہ واجب است ما خشام محققان مثل شیخ ابن ہمام[۱۳۱] وغیرہ اکثر علماء باستحباب آن قایل اند ۵ فتوح الاور از من فتح محمد قدس سرہٗ

مفتاح الصلوۃ[۱۳۲] باید کہ درین وقت ہر دو انگشت شہادت (ای وقت شہادت ثانی ۔۱۲) بر چشم نہد کہ از علی کرم اللہ وجہٗ مروایت کر در وقت شہادت ثانی ہر دو چشم می نہاد و می گفت رَضِیْتُ بِاللہِ رَبًّا وبالاسلام دینا وبحمد محمد صلے اللہ علیہ وسلّم نبیًا ۔ رواہ الرویانی وعمل حضرت صاحب ہمیں بود و در باب این احادیث بسیار وارد است لیکن خالی از ضعف نیست چنان کہ در تذکرہ الموضوعات اکثر احادیث آوردہ وبیان ضعف آن نمودہ احدیث۔

علی رضی اللہ عنہٗ ملا بیان ضعف نقل کردہ است ۵ فتوح الاور از من فتح محمد قدس سرہٗ صاحب مفتاح الصلوۃ در کنز العباد اوردہ مستحب است کہ در اذان نزد شہادت اولی گوید صلے اللہ علیک یارسول اللہ و نزد ثانیہ قرۃ عینی بارسول اللہ بعد ازان اطفار ابہامین را بر عینین وضع نماید بگوید اللّٰھم متعنی بالسّمع والبصر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم او را قائد تحیّت گردد و بعضے از علماء گفتہ اند کہ حدیث وضع اصفاء بر عینین موضوع است ۔ انتہی ۵ شرح نام حق۔

تمام شد

ہوتا ہے اور محض خبری علم مشاہدہ کے علم کے برابر نہیں ہو سکتا۔

امام غزالیؒ نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ بندہ جب بعض صفاتِ الٰہیہ کا حامل ہو جاتا ہے تو مرنے کے بعد یہ صفات زایل نہیں ہوتیں بلکہ مرنے کے بعد بھی اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے ۔ حقیقت میں یہ اس کے ولی اللہ ہونے کی علامت ہے ۔ جیسا کہ مولانا روم کہتے ہیں : ۵

اے بسا در گور خفتہ خاک وار ۔۔۔ بہ ز صد احیا بہ نفع وا بتشار

(بہت سے ایسے لوگ ہیں جو قبروں میں خاک کی طرح پڑے ہیں لیکن نفع اور خوشخبری دینے میں ہزاروں زندوں سے بہتر ہیں۔) ▲

مکتوبات

حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ

درجِ ذیل مکتوب میں مکتوب نگار نے ایک ہی مسئلہ کے دو پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے ایک پہلو کشف والہام اور خواب سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا پہلو علم ابدان سے تعلق رکھتا ہے حضرت قطب ویلور نے یہ مکتوب اپنے خلیفۂ خاص حضرت مولانا شاہ عبدالحی واعظ بنگلوری کے نام ارسال کیا تھا آپ کی اصل تحریر کے ساتھ اس کا ترجمہ پیش ہے۔ • ڈاکٹر بشیر الحق قادری

مکتوب بنام شاہ عبدالحی قادری واعظ بنگلوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوات وتبلیغ السّلام والدعوات نمودہ می آید التفات نامہ مرقوم دویم محرم ۱۲۰۷ھ ہجری درباب ولادتِ نورِ چشم رکن الدین سید محمّد مد عمرہ مع ابیات وتواریخ ثلثہ ومسایل مستفسرہ رسید۔ الحمد للہ علی ذالک جواب ہر دو مسئلہ مسئولہ در قرطاسے ملفوف ہذہ الرقیمہ است وابیات وتواریخ مرسلہ پسندیدہ آمد و باجمل تواریخ سابقہ در بیاضے منضم گردیدند عظم اللہ اجرکم ویسر امرکم ورفع قدرکم وشرح صدرکم بحرمۃ سید البشر المطہر عن زیغ البصر علیہ وعلی آلہ واصحابہ من الصلوۃ افضلہا ومن التحیات اکملہا۔ جدی وشیخی سیدی سید عبداللطیف المعروف بمحی الدین ذوقی قدس اللہ روحہ وافاض علینا فتوحہ پیش از ہشتاد وشش سال در بیاض بخط خاص خود نوشتہ اند کہ در شب بیست وہشتم ربیع الثانی ۱۱۸۳ھ ہجری فقیر در واقعہ دید کہ در پس خانقاہ ایستادہ بر آرفع عسرت فریاد می کند یکایک حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم خود را متوجہ خانۂ فقیر فرمودند تا آنکہ قریب فقیر رسیدند در اثنائے توجہ خانہ دیگر کسے را خانہ کمترین تصور فرمودہ بجانب آن میل فرمودند وفرمودند کہ خانۂ فلانی کجا است کسے گفت حضرت فلان جا است بخانہ فقیر تشریف ارزانی داشتند چون این عاصی بحضور پر نور سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مشرف شد دید کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نیستند بلکہ سید محمّد نام فرزند فقیر است وبجد شیخوخت

رسیده بخانه کمترین آمد و ایما شد که اینکه سید محمّد را باکبرسن نموده شد برای آنست که تا مخفی نماند که آن فرزند بجدّ شیخوخت خواهد رسید الحمد للّٰہ والمنه انتہی و ایضاً این واقعه را در زبان عربی تحریر فرموده اند ارایت فی الواقعة بعد صلوت المغرب ثامن وعشرین من ربیع الثانی الی قایم خلف... رباطنا سمعت انّ النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یحیٔی فاستبشرتُ بذالک البشری وتہیئتُ لتسلیم عتبة العلیا فلمّا دنی موکبه صلی اللّٰہ علیه وسلم الیّ وتوسمتُ فی مبسمه الطالع علیّ فاذا ہو لیس النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بل انبی محمّد وقد صار علوّ محاسنه واضحًا والشیب فی محاسنه لایحا وقیل لی انّ ذالک الشیب اشارةٌ الی انّ ولدک النجیب یشیب ومن کرم اللّٰہ لایخیب آمین یارب العالمین والحمد له اکرم الاکرمین انتہی وایضاً نگاشته اند این عبارت بنظر اکسیر حضرت قبله گاہی مدظله العالی گذشته بر پشت آن تحریر فرمودند الحمد للّٰہ والمنه: مصرع: مبارک است وتبارک خدات خیر دہاد: انتہی وایضاً فقیر فی المکة المعظمه المشرّفة زادہا اللّٰہ تعظیماً وتشریفا در ۱۲۶۱ھ ہجری درحالت غیبت دید که کریمه ربّ ہب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعله ربّ رضیًّا را در عین طواف بجای آل یعقوب آل محمّد می خواند وایضاً فی ہذه السنة وفی ہذه البلدة المبارکة محمد حسین حیدرآبادی در خواب دیدند که فقیر بر سطح کعبه نصب علم نمود و بر بازوی چپ وی زنی است که بادی تبسّم می کند مولانا اسحاق رحمة اللّٰہ علیه در تعبیر آن فرمودند که از وی واز نسل وی تقویتی در دین باہلِ قبله خواہد رسید وچون نزد امام مالک رحمة اللّٰہ علیه تفاؤل از معانی قرآن مجید جائز است فقیر به پنجم شوال ۱۲۶۹ھ ہجری که در آن زمان نور چشم درحالت حمل بود از پسریت وعدم پسریت وصلاحیت وعدم صلاحیت وی در قرآن مجید دیدم علیک رطباً جنیًّا فکلی واشربی وقرّی عینًا الی آخره برآمد وچون توجّه زن حامله بر چیزی موجب خروج ولد مشابه متوجه الیه چنانچه سند آن از فتوحات می آید بنا بران مردم خانه ہشت ماه کامل درحالت حمل غرق تصوّر تصویر جدّی وشیخی حضرت سید عبد القادر جیلی رضی اللّٰہ عنه وارضاه عنّا بودند وما ورای بشارات وعلامات دیگر اند که بترجمان آن وقت مساعدت وکاغذ کفایت نمی کند قال الشیخ فی الباب الثامن والثمانین ومائة من الفتوحات اذا دلّت الرؤیا علی وجود ولدٍ فذلک الولد مخلوق من عین تلک الرؤیا خُلِقَ من تلک الرؤیا ماءٌ فی صلب ابیه و ان کان ذلک الماءُ قد نزل فی الرّحم فصورت فیه تلک الرؤیا ولدًا فهو ولدُ رؤیا وان لم یتقدم له رؤیا فهو علی صل نشأته کما هو سائرُ الاولاد فاعلم ذلک فانّه سرٌّ عجیب وکشف صحیحٌ فکلُّ ولدٍ یکون عن رؤیا تریٰ له تمیزًا عن غیره ویکون اقرب الی الارواح من غیره ان جهلت بالک هکذا تبصره هو وکلُّ مخلوقٍ من حالةٍ اوعرضٍ اونسبةٍ من ولایةٍ وغیرها یکون عن رؤیا یکونَ له مزیّة علی من لیس عن رؤیا وانظر ذلک فی رؤیا آمنة ام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم تبدو لک صحّة ما ذکرنا. فکان صلی اللّٰہ علیه وسلم عن رؤیا فی ماء ابیه تبلک

الصورة التی رأتهٗ اُمّہ ولذٰلك الكثرت الرأي فيه صلی اللہ علیہ وسلم فتیمّز عن غیرہ ولا یعرف ما قلناہ الّا اہل العلم بصورة الکشف وهو من اسرار اللہ تعالیٰ فی خلقه وان اردتّ ثانیاً لما ذکرناہ فانظر فی العلم الطبیعة اذا توجّهت[1] المرأة وهی حاملة علی شیئ خرج الولد یشبه ذٰلك الشیئ واذا نظرتْ عند الجماع اوتخیل الرجل صورةً عند الوقاع وانزال الماء یکون الولد علی صورة ما تخیل ولذلك کانت الحکماء تأمر بتصویر صور الفضلاء من اکابر الحکماء فی الاماکن بحیث تنظر الی تلك الصورة والمرأة عند الجماع والرجل فتطبع فی الخیال تتؤثر فی الطبیعة فتخرج تلك القوة التی کانت علیها تلك الصورة فی الولد الذي یکون من ذٰلك الماء وهو سرٌّ عجیب فی العلم الطبیعة وانظر فی تکوین عیسٰی علیه السلام عن مشاهدة مریم جبرئیل فی صورة بشر کیف جمع بین کونه روحًا یحیی الموتٰی وبین کونه بشرًا اذ کان الروح به یُحیی الاجسام الطبیعیّة واقوٰی من ذٰلك ما فعلهٗ السّامری من قبضة اثر جبرئیل لما علم انّ الروح تصحبه الحیاة حیث حلّ ما قبضه فی العجل فخار العجل بذٰلك الاثر المقبوض من وطی الرّوح ولو رماہ فی شکل فرس لصهل اوفي شکل انسانٍ لنطق فانّ الاستعداد لمّا ظهر بالحیاة انّما کان للقابل ومن نها تُعرف صورة الظاهر فی المظاهر وانّ المظاهر تُعطٰی باستعدادها فی الظاهر فیها ما یظهر به من الصورته الحاملة والمحمولة ولهذا اظهر اللہ هٰذه الحکمة لتقف من ذٰلك علی ما هو الامر علیه وایضًا قال فیه کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اصبح فی اصحابه سألهم هل رایٰ احدٌ منکم رؤیا لانها نبوّة وکان یحبّ ان یشهدها في امّته والنّاسُ الیوم فی غایته من الجهل بهذه المرتبته التی کان رسول اللہ علیه السلام یقتنی بها ویسأل کُلّ یوم عنها والجهلاءُ فی هذا الزمان اذا سمعوا بامرٍ وقع فی النوم لم یرفعوا به راسًا وقالوا بالمنامات یریدان یحکم هٰذا خیالٌ وما هی هی الّا الرّؤیا فیستهزیٔ بالرّائیِ اذا اعتمد علیها وهذا کلّه لجهله بمقاماتها انتهی - نظر براین امور فقیر از حضرت باری امیدواری دارد که مبشّر وموعود ہمیں نورِ چشم مولود بود واللہ علی کلّ شیئ قدیر. دل درباب عالم مثال سخنہا دارد و وقت از اظہار آن مانع می آید اگر درین کتابت غور فرمایند باشد که دری از عجائب و غرائب مثالِ متصل مفتوح گردد: ؎ عمر بگذشت وحدیث، دردِ ما آخر نشد، شب بآخر شد کنون کوتہ کنم افسانہ را
بهمه ہا از ہمہ سلام سنت رسانند زیادہ اللہ معکم اینما کنتم •

---

[1] فقیر در بلدۂ طائف بماہ شعبان ۱۲۶۱ھ ہجری از زبانِ اکرم خان کابلی شنید که از بلاد روس تصاویر افراس بتعیین فیمت باستبول می آیند مشتریان استبول بران دستخط می کنند پس با یع تصویر را در آئینہ می نہد و آئینہ را پیش مادہ اسپ حاملہ میگذارد و بر چشم وی پردہ می اندازد و چون وقت غذا رسد پردہ می بر آرد و از پس تصویر توبرۂ می آرد و بر سروی می بندد بدین تدبیر تصویر مطلوب در خیال مادۂ اسپ خوب متمکن بگردد و بچہ در رنگ وشکل وداغ وغیرہ بعینہٖ ہمچو تصویر مذکور مولود میگردد واللہ اعلم ۱۲ منہ

مکتوب بنام حضرت مولانا مولوی شاہ عبدالحیٔ قادری واعظ بنگلوری

حمد و صلوٰۃ اور سلام و دعا کے بعد واضح ہو کہ

۲ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ ہجری کا تحریر کردہ التفات نامہ اور نور چشم رکن الدین سید محمد عمرہٗ کی ولادت کے باب میں تین تاریخی ابیات اور سوالات دستیاب ہوے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اس خط کے ساتھ آپ کے سوالات کے جوابات موجود ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوی تاریخیں (مادۂ تاریخ ولادت) اور ابیات پسند آے۔ پہلے کے اُن چوالیس ۴۴ تاریخی قطعات کے ساتھ یہ تاریخی قطعات بھی اپنی بیاض میں شامل کر لیے گئے ہیں اللہ تعالےٰ آپ کو اجر عظیم عطا کرے اور آپ کے سارے کام آسان کردے اور آپ کی قدر و منزلت بڑھاے اور آپ کے سینے کو کشادہ اور روشن کردے بحرمتہ سید البشر المطہر و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ

میرے دادا اور شیخ حضرت سید شاہ عبداللطیف المعروف بہ محی الدین ذوقیؔ قدس سرہٗ نے چھیاسی ۸۶ سال پہلے اپنے ہاتھ سے یہ واقعہ اپنے بیاض میں نقل کیا ہے کہ :

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ ہجری کی شب فقیر نے یہ خواب دیکھا کہ وہ خانقاہ کے پیچھے کھڑے ہوئے عسرت و تنگدستی دور ہونے کے لیے دعا کر رہا تھا کہ اچانک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جو فقیر کے گھر کی جانب تشریف لا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ میرے قریب پہنچ گئے اور اس درمیان میں ایک غیر شخص کے گھر کو میرا گھر خیال کرتے ہوئے اس جانب توجہ فرماتے ہیں۔ اور یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ فلاں کا گھر کہاں ہے؟ کسی نے جواب دیا: حضور فلاں جگہ ہے۔ چنانچہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم فقیر کے گھر تشریف لے آے۔ جب یہ گنہ گار حضور پُر نور سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو دیکھا کہ اصل میں وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں بلکہ فقیر کا لڑکا سید محمد ہے جو اس کمترین کے مکان میں بڑھاپے کی حالت میں آیا ہے۔

اس خواب سے یہ اشارہ ملا کہ یہ سید محمد جو بڑھاپے کی حالت میں نمودار ہوے تھے۔ یقیناً لمبی عمر پائیں گے۔ الحمد للہ والمنہ۔

نیز اس واقعہ کو دادا جان صاحب محترم نے عربی زبان میں بھی تحریر کیا ہے (اور وہ عبارت اس طرح سے شروع ہو رہی ہے)

رأیت فی الواقعۃ بعد صلاۃ المغرب ثامن وعشرون من ربیع الثانی انی قائم خلف رباط اذ سمعت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجیٔ فاستبشرت بذلک البشریٰ الی آخرہٖ

دادا جان محترم فرماتے ہیں :

نیز اس تحریر کو میں نے حضرت قبلہ گاہی (حضرت ذوقی علیہ الرحمہ کے والد ماجد حضرت قربی علیہ الرحمہ) کی نظر کیمیا و تاثیر سے گزارا تو آپ نے اسی قرطاس کی پشت پر یہ لکھا:

اے فرزند! اللہ کا شکر و احسان ہے تجھے یہ منامی بشارت ہو۔ اللہ تعالےٰ تجھے بھلائیوں سے نوازے۔

نیز فقیر نے مکۂ مکرمہ زادھا اللہ تعظیماً و تشریفاً میں ۱۲۶۱ھ ہجری میں سُکر اور غیبت کی حالت و کیفیت میں طواف کے دوران خود کو قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے ہوئے پایا:

فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من اٰل یعقوب واجعلہ رب رضیا۔ اور یہاں فقیر کی زبان پر اس وقت اٰل یعقوب کی بجائے اٰل محمّد کے الفاظ بلا اختیار جاری تھے۔

نیز اسی سال ۱۲۶۱ھ ہجری میں مکہ مکرمہ میں مولانا محمد حسین حیدر آبادی نے ایک خواب دیکھا کہ یہ فقیر کعبہ کی چھت پر علَم (جھنڈا) نصب کر رہا ہے اور اس کے بائیں بازو میں ایک خاتون کھڑی مسکرا رہی ہے۔

اس خواب کی تعبیر مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ نے، جو ان دنوں مکہ مکرمہ میں ٹھہرے ہوئے تھے یہ بتائی کہ سید محمد اور ان کی اولاد سے دین کو تقویت حاصل ہوگی۔

امام مالکؒ کے نزدیک قرآن کریم کے معنی سے فال نکالنا (نیک شگون لینا) درست ہے چنانچہ اس فقیر نے قرآنِ کریم سے فال نکالی۔ جب کہ ۱۲۶۹ھ ہجری میں نورِ چشم (رکن الدین) حالتِ حمل میں تھے۔ فقیر اُن کے صحیح و سلامتی کے ساتھ لڑکا تولد ہونے یا نہ ہونے اور اُن کے نیک ہونے یا نہ ہونے پر قرآن مجید سے فال نکالا اور غور و فکر کیا تو سورۂ مریم کی یہ پوری آیت نکلی:

وھزی الیک بجذع النخلۃ تسٰقط علیک رطبا جنیا فکلی واشربی وقری عینا الی

اور ہلا اپنی طرف سے کھجور کی جڑ، اس سے گریں گی تجھ پہ پکی کھجوریں اب کھا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ جب کسی چیز پہ بار بار حاملہ عورت کی نظر پڑتی ہے تو پیدا ہونے والے بچّہ پر بھی اس چیز کا مشابہ اثر ہو جاتا ہے۔ فتوحات مکیہ میں حضرت شیخ عارف باللہ محی الدین ابن عربیؒ نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے۔ اسی لیے گھر والے (اہلیہ) ایام حمل میں کامل آٹھ مہینوں تک میرے جدّا مجد شیخی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی تصویر و تصوّر میں غرق تھے۔

مذکورہ نقل کی ہوئی بشارتوں کے علاوہ بھی بعض بشارتیں اور علامتیں ایسی بھی ہیں جن کی ترجمانی کے لیے وقت

ساتھ نہیں دے رہا ہے اور کاغذ بھی کافی نہیں ہے۔

شیخ ابنِ عربیؒ نے فتوحات کے ۱۸۸ ویں باب میں لکھا ہے:

جب کسی خواب کے ذریعہ بچّہ کا وجود ظاہر ہو جائے تو وہ بچّہ اس کے مطابق ہی پیدا ہوگا۔ اس خواب کی وجہ سے وہ باپ کی صلب میں جو پانی (یعنی منی) ہے اس کے اندر بھی وہی نقش و نگار اور وہی تصویر بن جاتی ہے اور جب وہ پانی (منی) کے قطرے ماں کے رحم میں گرتے ہیں تو اس بچّہ میں اس خواب کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ پس وہ بچّہ خواب والا بچّہ ہے۔ اگرچہ کہ وہ خواب اس سے پہلے نہیں ہوا۔ پھر بھی وہ اپنی اصلی ہیئت اور صورت پر ہے جیسا کہ ساری اولاد ہے۔ اس سے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ یہ ایک عجیب راز بھی ہے اور صحیح کشف بھی۔

ہر وہ بچّہ جو خواب کے ذریعہ پیدا ہوگا وہ دوسرے بچّوں سے ممتاز اور الگ رہے گا۔ اور اس کو ارواح سے بھی قربت و نزدیکی حاصل رہے گی بہ نسبت دوسرے بچّوں کے۔ اگر اس حقیقت کو اپنے دل میں بٹھالیں تو آپ کو ایسا ہی نظر آئے گا۔

ہر وہ مخلوق (اولادیں) جو بذات خود قائم ہو یا قائم نہ ہو یا کسی ذریعہ یا تعلق سے قائم ہو اگر وہ خوابوں کے ذریعہ وجود میں آئیں تو اُن کی شان ہی الگ ہوگی۔ یہ دوسروں کی بہ نسبت جو خواب کے بغیر وجود میں آئے ہیں زیادہ ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

ابھی ہم نے جو ذکر کیا ہے، اسے سمجھنے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے خواب پر غور کیجیے تو آپ پر اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ محترمہ کے خواب کی وجہ سے اپنے والدِ ماجد کے صلب میں اسی شکل اور روپ میں ظاہر ہوئے جو آپؐ کی والدہ ماجدہ نے دیکھا تھا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اکثر اہلِ علم کی یہی رائے ہے۔ اور بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت دوسروں سے ممتاز ہے۔

اور ہم نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے، اس کی حقیقت کو صرف اہلِ علم حضرات ہی جانتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ان ہی پر منکشف ہوتی ہے اور یہ مخلوقات میں اللہ تعالےٰ کا ایک راز ہے۔ جو ہر کسی پر ظاہر نہیں ہو سکتا۔

اگر آپ مسئلہ کو کشف و الہام سے ہٹ کر سمجھنا چاہتے ہیں تو علمِ طب (علم ابدان) کی طرف رجوع کریں۔

یہ علم طبعیات اور اجسام کا معروف مسئلہ ہے، جب کوئی حاملہ عورت کسی خاص شکل و صورت پر توجّہ دے تو پیدا ہونے والا بچّہ کے اندر بھی اس کی مشابہت آجاتی ہے۔ اور جب کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کے دوران کسی چیز کو دیکھے یا کسی خاص خیال میں کھویا رہے اور انزال کے وقت اس خیال پر اس کی نگاہیں مرکوز رہیں یا اس کے تصور میں غرق رہے تو بچّہ کے اندر اس خیال کی مشابہت غالب ہوتی ہے اور اسی لیے حضرات حکماء نے مشہور زمانہ اصحاب علم و فن کی تصویریں اپنے

کمروں میں آویزاں کرنے کو پسندیدہ سمجھا، تاکہ جماع کے وقت میاں بیوی کی نگاہیں ان پر پڑتی رہیں۔ اوران کے ذہن ودماغ میں ان اصحابِ کمال کا تصور اور خیال ابھرتا رہے۔ تو پیدا ہونے والا بچّہ کے اندر بھی ان اکابرین کا عکس نمودار ہو۔ پس وہ قوت تخیل جو اس تصویر کے ساتھ ہے بچّہ میں ظاہر ہوگی، جب کہ وہ بچّہ ابھی پانی کی حالت ہی میں موجود ہے۔ یہ علم حکمت و فلسفہ کی بڑی عجیب وغریب باتوں میں سے ایک بات ہے۔ (اب یہیں سے ایک راز یہ بھی فاش ہوتا ہے کہ بسا اوقات بلکہ اکثر اوقات میاں بیوی کی ایک خواہش ہوتی ہے کہ ہمارے ہاں لڑکا پیدا ہو، یا لڑکی پیدا ہو۔ چناں چہ جن کے ہاں لڑکے ہی پیدا ہوتے ہیں تو وہ لڑکی کی خواہش کرتے ہیں اور جن کے ہاں لڑکیاں ہی پیدا ہوتے ہیں تو وہ لڑکوں کی خواہش کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ماں کو ہمیشہ یہ فکر دامنگیر رہتی ہے کہ ایسا ہو جائے۔ پس اس کا یہ خوف ہے جو نو ماہ اس کے دل ودماغ میں سمایا ہوا ہے۔ اسے اس کی خواہش کے خلاف خوف کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اور بالآخر لڑکی ہی جنم دیتی ہے جو اس کی ذہنی الجھن کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ کہ قدرت ہی سب کچھ کرتی ہے مگر یہ بظاہر یہ ہمہ وقتی سوچ وخیال بھی کسی حد تک اثر انداز ہوتا ہے۔)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق اور تکوین پر غور کیجیے کہ حضرت مریم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو انسان کی شکل میں دیکھا۔ پس یہ روح ایک بے جان میں کس طرح جان بھردی ؟ اور اس کے بشر (انسان) ہونے کو بھی جمع کردیا اور ظاہر کردیا۔ کیوں کہ یہ روح اجسام طبیعیہ کو حیات وزندگی بخشتی ہے۔

اس سے بھی زیادہ قوی دلیل سامری کے فعل سے دی جاسکتی ہے کہ اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نشانِ قدم کی مٹی سے ظاہر کیا۔ اس سے یہ علم ہوا کہ ایک بچھڑے میں ایک مٹھی بھر مٹی ڈال دیں تو اس نشانِ پا کی مٹی کے اثر سے بچھڑے میں حیات وزندگی آگئی اور وہ بول اٹھا۔

اگر گھوڑے کی شکل بناکر اس میں یہ مٹی ڈال دی جاتی تو وہ بھی ہنہنانے لگ جاتا۔ یا انسان کی شکل میں ڈال دیں تو وہ بھی بے ساختہ بول اٹھے۔ اور ایسا اس لیے ہے کہ جب استعداد اس قابل ہے تو وہ ظاہر ہونے لگتی ہے۔

اس سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ مظاہر میں ظاہری شکل وصورت پہچانی جاتی ہے اور بلاشبہ مظاہر اپنی استعداد کے مطابق ہی ظاہر میں نمودار ہوتے ہیں۔

اس سے حاملہ اور جنین کی صورت اور حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کو ظاہر کیا ہے۔ جو اس کے حکم پر موقوف ہے۔

نیز شیخ ابن عربی علیہ الرحمہ نے اسی باب ۱۸۸ میں لکھا ہے کہ:

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم صبح ہونے کے بعد حضرات صحابہؓ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ یہ اس لیے کہ خواب نبوت کا ایک حصّہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امّت میں اسے دیکھنے اور بیان کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں لوگ خواب کی حقیقت سے حد درجہ جہالت کی بنا پر غافل ہیں۔ حالاں کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس کی جانب پوری توجّہ فرماتے تھے اور ہر روز دریافت کرتے تھے۔

اس زمانہ کے بے علم جاہل لوگ جب خواب کی کوئی بات سنتے ہیں تو اس کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو خواب ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک خیالی اور وہمی اور ناقابلِ التفات چیز ہے اور یہ کہ کردہ خواب کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حالاں کہ یہ ایک قابلِ اعتنا اور لائق اعتماد چیز ہے اور یہ ساری باتیں اس لیے پیش آرہی ہیں کہ لوگ خواب کے مقام و مرتبہ اور حقیقت سے ناآشنا ہیں اور ان سے نادانی میں ایسی باتیں نکل جاتی ہیں۔

خواب کی اسی حقیقت اور افادیت کے پیش نظر فقیر حضرت باری تعالےٰ سے امیدوار ہے کہ یہ پیش آنے والی خوش خبریاں درحقیقت نورِ چشم مولود (فرزند سید محمد رکن الدین) ہی ہے۔ واللہ علےٰ کل شیٔ قدیر اللہ تعالیٰ ہر شیٔ پر قادر ہے۔ دل میں عالم مثال سے متعلق بہت سی باتیں ہیں لیکن ان کے اظہار کے لیے وقت نہیں ہے۔ اگر آپ اس خط میں غور کریں تو عجیب وغریب اور ملی جلی بہت سی مثالیں ملیں گی : ؎

عمر بگذشت حدیث درد من آخر نشد شب بآخر شد اکنوں کوتہ کنم افسانہ را

عمر کٹ گئی لیکن میری درد بھری بات پوری نہ ہو سکی۔ رات ختم ہو رہی ہے لہذا میں افسانہ اسی پر ختم کئے دیتا ہوں۔

ہم تمام کی جانب سے وہاں تمام کو سلام مسنون سنائیں۔ اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو۔

ے حاشیہ : فقیر نے شعبان ۱۲۶۱ھ ہجری میں طائف میں اکرم خان کابلی سے یہ بات سنی ہے کہ روس کے شہروں میں عمدہ گھوڑوں کی تصویریں لینے کی کچھ قیمت طے ہوتی ہے اور انھیں استنبول لاتے ہیں۔ استنبول کے خریدار ان میں اپنی پسند سے دستخط کرتے فروخت کرنے والا تصویر کو آئینہ میں رکھ دیتا ہے اور آئینہ کو حاملہ گھوڑی کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے اور اس کی آنکھوں پر ایک ایسا پردہ لٹکا دیا جاتا ہے (جس سے دوسری طرف اس کی نگاہ نہ پڑے۔) اور جب غذا ڈالنے کا وقت آتا ہے تو وہ پردہ ہٹا دیا جاتا ہے اور تصویر کے پیچھے سے چارہ (غذا) والی تھیلی نکالتے ہیں اور اس کے سر پر باندھ دیتے ہیں۔ اس تدبیر سے مطلوب تصویر گھوڑی کے ذہن میں خوب اچھی طرح جم جاتی ہے اور پیدا ہونے والا بچّہ رنگ وروپ اور شکل وصورت اور داغ وغیرہ میں ہوبہو مذکورہ تصویر کے مطابق ہوتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب ۔

شرح لطایف لطیفی

ربّ یسّر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وتمم بالخیر

✪ ڈاکٹر سید وحید اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھوی سابق صدر شعبۂ عربی، فارسی و اردو، مدراس یونیورسٹی

ترجمۂ الفاظ ابتدائیہ :

حمد ہے اس ظاہر کرنے والے کی جس سے مظاہر وجود میں آئے اور درود ہے اس پر جو اس ظاہر کرنے والے کا مظہر اتم ہے اور اُن کی آل پر اور اصحاب پر ظاہری اور باطنی معنی کے اعتبار سے ۔

یہ چند لطایف ہیں جن کو فقیر ضعیف غلام محی الدین سید عبد اللطیف نے دریائے حقیقت سے نکالا ہے ، اور سلکِ تقریر اور سمطِ تحریر میں پرو دیا ہے اور اس تصنیف کو لطایف لطیفی سے موسوم کیا ہے ۔

ترجمۂ لطیفۂ اوّل

اے عزیز! ایمان کے دو پہلو ہیں ۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی ۔

اس کا ظاہری پہلو بیگانگی کی نسبت کی تصدیق ہے اور اس کو اسلامِ مقیّد کہتے ہیں اور اسی پر شریعتِ مطہّرہ کی بنیاد ہے ۔

اس کا باطنی پہلو یگانگی کی نسبت کی تصدیق ہے ۔ اس کو کفرِ حقیقی کہتے ہیں اور حقیقت اسی وجہ پر قائم ہے اور ان دو نسبتوں کو جمع کرنا ہی معرفت ہے اور معرفت کے حصول کے بغیر اسلام کی کمالیت اور جامعیت حاصل نہیں ہوسکتی چناں چہ یہ رباعی اس مفہوم کی وضاحت کرتی ہے : ؎

تا مدرسہ و منارہ ویران نشود
اسباب قلندری بسامان نشود
تا ایمان کفر و کفر ایمان نشود
یک بندۂ حق بحق مسلمان نشود

اور جو حقیقت بیگانگی کی نسبت کی جامع نہیں ہے وہ فی الواقع حقیقت ہی نہیں بلکہ وہ تو الحاد اور زندیقیت ہے چنانچہ سلطان الاولیاء فرماتے ہیں :

"ہر وہ حقیقت جس کی تصدیق اور تائید شریعتِ مطہّرہ سے نہ ہو وہ زندیقیت ہے۔"

ایمان کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہری اور باطنی :

شرعی اعتبار سے یہ قول واضح ہے کیونکہ ایمان نام ہے زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا۔ ایک کا تعلق ظاہر ہے اور دوسرے کا تعلق باطن سے ہے۔ شرعی احکامات ظاہر پہ صادر ہوں گے اور دل اور باطن کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے۔ آخرت میں فیصلہ باطن کے حال پر ہوگا اور باطن کے حال کی گواہی بندے کے ظاہری اعضا بھی دیں گے

ظاہری کیفیت کو طریقت کی زبان میں مصنف علیہ الرحمہ نے اس طرح بیان کیا ہے :

" ایمان کا ظاہری پہلو یگانگی کی نسبت کی تصدیق ہے اور اس کو اسلام مقیّد کہتے ہیں اور اس پر شریعت مطہّرہ کی بنیاد ہے۔"

اس کو یوں سمجھو کہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کی نسبت معبود کے ساتھ بالکل صحیح اور درست ہو۔ جب بندہ نے کلمۂ طیبہ پڑھا اور اس کی تصدیق دل سے کر دی تو اس نے اس نسبت کو صحیح طور سے قایم کر دیا۔ اب یہاں یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک مسلم کو کم از کم کس بات کی تصدیق کرنی ہوتی ہے اور کس طرح ؟

اللہ تعالےٰ کے سامنے بندہ جب ایمان کا دعویٰ کرتا ہے وہ بلا دلیل نہ ہونا چاہیے ورنہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوگا اور جھوٹ اللہ تعالےٰ کے سامنے نہیں چلے گا۔ اس دعویٰ کی دلیل تین طرح سے ہے۔

ایک تو یہ کہ اُس نے اللہ تعالےٰ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت کا اقرار زبان سے کھُل کر کیا۔ اور خاتم النبیین حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی گواہی دی۔

دوسرے یہ کہ زبان سے جو کچھ کہا، دل سے اس پر یقین بھی ہو ورنہ فقط ظاہری اقرار آخرت میں کام نہ آئے گا۔

تیسرے اس کا عمل اس کی زبانی اور قلبی تصدیق کے کبھی خلاف نہ ہو۔ مثلاً یہ کہ نماز بھی پڑھ لی اور کبھی بُت بھی پوج لیا۔ تو یہ عمل منافقانہ ہوگا اور منافق کافر سے بھی بدتر ہے۔

کلمۂ طیبّہ کے مندرجۂ بالا معنی کی قولی و عملی تصدیق اللہ تعالےٰ کی معرفت کا کم سے کم درجہ ہے۔ جس سے اسلام قائم ہو جاتا ہے اور بندہ کو اسلامی حدود میں مقیّد کر دیتا ہے اور شریعت کے احکامات کا نفاذ اس پر لازم ہو جاتا ہے۔

یعنی شارع علیہ السلام کی پیروی۔

اسے بیگانگی کی نسبت اس لیے کہا ہے کہ اس معرفت میں بندہ صرف اللہ کے وجود اور اس کی یکتائی کا اقرار کرتا ہے۔ اس کی تمام اچھی صفات پر اجمالی طور پر ایمان لاتا ہے اور نبیؐ کے لائے ہوئے تمام احکامات کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کو یہ نہیں معلوم کہ سارے وجود اس کے وجود میں مستہلک ہیں۔ اس کو عقلاً بھی موجودات کے فنافی اللہ ہونے کا علم نہیں ہوتا۔ اس دوئی کی کیفیت کو بیگانگی کی نسبت کہا گیا ہے۔

ایمان کے باطنی پہلو کو یگانگی کی نسبت کی تصدیق کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وجود صرف ایک ہے جسے صوفیاء کی اصطلاح میں وحدت الوجود کہتے ہیں۔ اسے کفرِ حقیقی اس لیے کہا ہے کہ اس میں دو وجود کا انکار ہے۔ کفر بمعنی انکار۔ کیوں کہ حقیقت یہی ہے کہ اصل وجود صرف ایک ہے۔ اس لیے تمام موجوداتِ ظاہری کے وجود کا انکار حقیقی انکار ہوا۔ طریقت کی بنیاد وحدت الوجود ہے۔ اس میں بندہ کا وجود ذاتِ باری کے وجود میں فنا ہوجاتا ہے۔ اس لیے اس کو یگانگی کی نسبت کہا ہے۔ لیکن شریعت پر عمل کے بغیر بندہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے بیگانگی اور یگانگی کی نسبتوں کو جمع کرنے کے بعد ہی معرفت حاصل ہوسکتی ہے۔

کلمۂ طیّبہ کا ایک مفہوم جو معرفتِ الٰہی کی کم از کم شرط پیش کرتا ہے، جو اسلام کی بنیاد ہے اور جس کا ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے' اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ جس کا تعلق نسبت بیگانگی سے ہے۔ نسبت یگانگی میں اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے: لا موجود اِلّا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی حقیقی وجود نہیں رکھتا۔ لیکن جیسا کہ کہا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ کا کوئی دعویٰ بلا دلیل نہیں ہونا چاہیے' ورنہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا سمجھا جائے گا۔ اس لیے جب بندہ لاموجود اِلّا اللہ کا دعویٰ کرے تو اس پر دلیل لانا بھی ضروری ہے تاکہ دعویٰ جھوٹا نہ ہو۔

اہلِ طریقت کہتے ہیں چونکہ حقیقی وجود صرف اللہ کا ہے۔ اس لیے دُنیا کی کوئی چیز بھی اس قابل نہیں کہ اسے مقصدِ زندگی قرار دیا جاسکے۔ دُنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ انسان فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے گا تاکہ وہ سزا اور جزا کو پاسکے۔ اس لیے باقی کا مقصود فانی کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لیے انسان جو افضلِ خلائق ہے' اس کا مقصود وہی ہوسکتا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جو سب کا خالق و مالک ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اِنّا للہِ وانّا الیہ راجعون ؕ یعنی ہم دُنیا میں اسی لیے ہیں کہ ہماری زندگی کا مقصد صرف باری تعالیٰ کی رضا ہو اور پھر ہمیں اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اسی لیے لاموجود اِلّا اللہ کا مطلب ہوا لا مقصود

اِلا اللہ اور اس کی دلیل یہ ہوگی کہ زندگی کا ہر لمحہ اور ہر عمل اور ہر بات کا مقصود صرف اللہ کی ذات ہو۔ ایک لمحہ بھی اس سے غفلت میں نہ جائے۔ جیسا کہ حضرت سید اشرف جہانگیر قدس سرّہ حالتِ وجد میں اپنے مطلق فرماتے ہیں :

نجنبند گاھے اشرفؔ بے ارادہ — کہ ہرگز دور بے دوّار باشد

یعنی اشرفؔ ارادۂ الٰہی کے بغیر ایک حرکت بھی نہیں کرتا۔ جس طرح زمانہ کو گردش میں لانے والا وہ ہے اسی طرح وہ میرا محرّک ہے۔ یعنی میری رضا اس کی رضا کے تابع ہے۔ یہ محبوبیت کی شان ہے۔ جس میں بندہ کا فعل خود حق کا فعل ہو جاتا ہے۔ غرض کہ لاموجود اِلاّ اللہ اور لا مقصود الا اللہ کا دعویٰ کرنے والے کی دلیل یہ ہے کہ بندہ ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ سے غافل نہ رہے اور اس کا ہر عمل اس کی رضا کے مطابق ہو۔ جب بندہ وحدت الوجود کے مقام پہ پہنچتا ہے تو وہ فنافی اللہ ہو جاتا ہے۔ اس پر ایسے لمحات طاری ہوتے ہیں کہ اُسے اپنے وجود کا بھی شعور نہیں رہتا۔ لیکن ایسا ہر وقت نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہر وقت ہو تو شریعت کے احکام اس سے ساقط ہو جائیں اور وہ اپنے مرتبہ سے گر جائے۔ کمال تو یہی ہے کہ بندہ کسی حال میں بھی شرعی احکام کے ادا کرنے سے محروم نہ رہے۔

یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ معرفت کیا ہے؟ اور اس کی طلب کیوں ضروری ہے؟ کیا قرآن میں اس کا حکم ملتا ہے؟ یہ سوال آج کل وہ علماء ظاہر کرتے ہیں جو ایک بدیہی اور بنیادی حقیقت ہی سے صرفِ نظر کرتے ہیں اور اس طرح وہ عقلاً اسلام کی بنیاد ہی ڈھا دینا چاہتے ہیں۔

جب خالقِ کائنات نے موجودات کو پیدا کیا اور اس میں انسان کو بنایا تو دراصل اس کا خالق و مالک ہی یہ بتا سکتا ہے کہ اس نے موجودات اور انسان کو کیوں بنایا؟ اس کی ذمہ داری کسی دوسرے پر عائد نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی اس کا مدّعی بن سکتا ہے۔ اسلام جو دینِ حق ہے اس کی بنیادی کتاب قرآن ہی میں اس کا جواب تلاش کرنا پڑے گا کہ خالقِ کائنات نے انسان کو کیوں پیدا کیا؟ دینِ فطرت کو اس فطری سوال کے جواب سے خالی نہ ہونا چاہیے۔ قرآن نے انسانوں جنّوں اور دوسری مخلوقات کے بارے میں بار بار اُن کے وجود کے مقصد کو بیان کیا ہے ہماری بحث یہاں صرف انسانوں سے ہے۔ اس لیے اس کو یہیں تک محدود رکھیں۔ قرآن ہمیں یوں اس کا جواب دیتا ہے:

وماخلقت الجنّ والانس اِلاّ لیعبدون

ہم نے جنّوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس آیت میں یہ نہیں بتایا ہے کہ عبادت کس کی جائے

اور معبود کون ہے؟ لیکن قرآن میں بار بار اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کا اعلان کیا گیا ہے۔

اس آیت میں صرف اللہ کی عبادت کا ذکر کرنا اور معبود کا ذکر نہ کرنا حکمت کے سبب ہے۔ اس حکم کی تعمیل کے لیے قرآن کی دوسری آیتوں کو دیکھنا پڑے گا جس میں بتایا گیا ہے کہ معبود حقیقی صرف اللہ ہے۔ اس لیے عبادت کے لیے اس بات کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی۔ کہ معبودِ حقیقی کون ہے؟ اور عبادت کس کی کی جائے۔ کلمۂ طیبہ کی بحث میں جہاں ظاہری ایمان کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی ہے کہ کم سے کم معرفت یہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس معرفت کے بعد ہی عبادت کرنا لازم ہوتا ہے۔ اسی لیے لیعبدون کا ترجمہ لیعرفون کیا ہے۔ یعنی جب اللہ کو پہچان لیا تو عبادت لازم ہوگئی اور عبادت کے ذریعہ معرفت کا دروازہ کھل گیا۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ بندہ جب کم سے کم اور لازمی معرفت حاصل کرنے بعد عبادت کرے گا اور عبادت میں اس کا ذوق وشوق بڑھتا جائے گا تو وہ معرفت میں بھی ترقی کرے گا۔ عبادت کے بغیر وہ مسلسل معرفت میں ترقی نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کہ جب وہ عبادت اس طرح کرے گا کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو اس کی معرفت میں مزید ترقی ہوگی۔ یہ ترقی اس کے احوال سے ظاہر ہوگی۔ اسے خود باطن کی صفائی کا احساس ہوگا۔ اسے اپنے محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی یاد کے بغیر چین نہیں ہوگا۔ کہ وہ اللہ کے عشق میں ڈوب جائے گا۔ اس کے قول وفعل کا اثر یوں ہوگا کہ گویا وہ اللہ کا قول وفعل ہے۔ غرض کہ بندۂ مومن کی شان میں قرآن وحدیث میں جو کچھ رفتہ رفتہ وہ اس کا مظہر ہو جائے گا۔ اسی کے ساتھ اس کے اندر اسلام میں کمال اور جامعیت پیدا ہوگی۔ مصنف نے یہاں ایک رباعی نقل کی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: ؎

جب تک مدرسہ اور منارہ ویران نہ ہو جائے — اس وقت تک قلندری کے اسباب پیدا نہیں ہوتے
جب تک کہ ایمان کفر اور کفر ایمان نہ ہو جائے — اس وقت تک کوئی بندہ مومنِ کامل نہیں ہو سکتا

مدرسہ اور منارہ ویران ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مدرسہ کی تعلیم صرف ظاہری احکامات تک محدود ہے۔ اس کے باطنی پہلوؤں پر مولوی کی نظر نہیں ہوتی)۔ ویران ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مدرسہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ ظاہری تعلیم کے بغیر دین پہ عمل نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ دل کی صفائی کے بغیر ظاہری اعمال کی قدر وقیمت نہیں ہے۔ اور یہ اگلے زمانے میں خانقاہ میں میسّر ہوتی تھی۔ ان اللہ لاینظر الیٰ صورکم ولا الیٰ اعمالکم ولکن ینظر الیٰ قلبکم ونیّاتکم۔ اسی کو مولانا روم نے ایک شعر میں یوں کہا ہے: ؎

ما درون را بنگریم وحال را — ما برون را ننگریم وقال را

یعنی اللہ تعالٰی دل کی حالت کو دیکھتا ہے۔ وہ ظاہری حالت اور محض زبانی باتوں کو نہیں دیکھتا۔ باطنی پہلو کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے: ؎

فقیہان دفترے را می پرستند　　حرم پویان درے را می پرستند

برافگن پردہ تا معلوم گردد　　کہ یارانِ دیگرے را می پرستند

یعنی مفتی صرف فتوے کے ظاہری پہلو پر عمل کرتا ہے۔ حاجی کے سامنے صرف در و دیوار ہوتے ہیں۔ اے اللہ اپنے اوپر سے پردہ ہٹا دے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ تیرے غیر میں مشغول ہیں۔

اس لیے جب تک شریعت کے باطن پر نظر اور عمل نہ ہو اس وقت بندے کے اندر عاشقی کی شان نہیں پیدا ہوتی۔ ایمان کا کفر ہونا ظاہر ہے۔ اسلام کا کلمہ ہی انکار سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی پہلے لاالٰہ کہتے ہیں جو ایمان کے لیے ضروری ہے۔ گویا ایمان کفر ہی سے شروع ہوتا ہے۔ طریقت میں ایمان کا کفر ہونا یہ ہو سکتا ہے کہ دو وجود سے انکار کرنا اور صرف ایک وجود کو وجودِ حقیقی قرار دینا۔ اس لیے اور یہی دو وجود کا انکار کرنا ہی ایمان ہوا۔ یعنی یہ کفر ایمان ہوا۔ لہٰذا جب ایمان کفر ہوا تو لازمی طور پر کفر ایمان ہوا۔ اور جب بندہ خود اپنے وجود کے شعور سے غافل ہو گیا اور فنا فی اللہ ہو گیا تو وہ مومنِ کامل ہو گیا۔

اس کے مصنف علیہ الرحمہ کہتے ہیں جو حقیقت بیگانگی کی نسبت کی جامع نہیں ہے وہ فی الواقع حقیقت ہی نہیں بلکہ وہ تو الحاد اور زندیقیت ہے۔

گذشتہ سطور سے ظاہر ہے کہ شریعت پر عمل کئے بغیر طریقت کی راہ نہیں ملتی۔ باطن اسی وقت ہاتھ آئے گا جب ظاہر پر عمل کیا جائے گا۔ شریعت نہیں تو سراسر الحاد و زندقہ ہے۔ آخر میں حضرت سلطان الاولیاء (غالباً حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کی طرف اشارہ ہے) کا قول پیش کرتے ہیں کہ ہر وہ حقیقت جس کی تائید شریعت سے نہ ہو وہ زندقہ ہے۔ شارح اپنی طرف سے ایک مثال یوں پیش کرتا ہے کہ اگر کوئی دعویٰ کرے کہ وہ اس دنیا میں ظاہری آنکھوں سے اللہ کو دیکھتا اور دکھاتا ہے تو اُسے جھوٹا سمجھا جائے گا۔ یہ الحاد و زندقہ ہے۔ کیوں کہ یہ شریعت کے خلاف ہے۔

یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ اکثر ولی بھی دعویٰ ولایت نہیں کرتا۔ اس کے باطن کی پاکیزگی خود اس احوال سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس کا مشاہدہ اکثر وہ لوگ کرتے ہیں جو اس کی صحبت سے مستفیض ہوتے ہیں۔

جو عالم باعمل طریقت، حقیقت اور معرفت کو عقل سے سمجھتا ہے، وہ عارف ہے۔ لیکن ولی کی طرح

عارف کا پہچاننا بھی مشکل کام ہے۔ کیوں کہ اکثر عارفوں کے کلام کو خود اپنا کلام کہہ کر عارف ہونے کا مدعی ہونا بھی ہر زمانے میں دستور رہا ہے۔ عارف اگر اپنی معرفت کے مطابق اسی طرح عمل کرتا ہو کہ اس کا علم اس کا حال بن جائے تو وہ عارف ہونے کے ساتھ صوفی بھی ہے۔ اس کا مرتبہ عام صوفی سے بلند تر ہوتا ہے۔ جو عارف ہے مگر صوفی نہیں ہے۔ یعنی ابھی اس میں حال کی کیفیت پیدا نہیں ہوی۔ میرے خیال میں اس صوفی سے بلند تر رتبہ کا حامل ہے جو عارف نہیں ہے۔ بعض لوگ کچھ عملیات کرکے لوگوں سے نفع اٹھاتے ہیں اور اپنے کو صوفی ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ ان کی وجہ سے عوام کا ایمان بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ ایسا شخص جو نہ عارف ہو نہ صوفی اسے عالم کی رہبری میں شرع کی حدود کے اندر رہنا چاہیے۔

اوپر ہم نے عقل سے سمجھنے کی بات کہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن وحدیث سے آزاد ہو کر رائے قائم کی جائے۔ بلکہ عقل کو قرآن وحدیث کے تابع رکھ کر اس سے وہی مفہوم حاصل کرے جو شرع کی حد سے متجاوز نہ ہو۔ بوعلی سینا نے اتباعِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے آزاد ہو کر حقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ کیا ہے اس لیے صوفیاء کے قول کے مطابق وہ جہنمی ہو گیا۔ بوعلی سینا نے اپنے اسی دعویٰ کا اظہار اپنے ایک مختصر عربی رسالہ میں کیا ہے، جو اس کے نظریۂ آخرت پر مبنی ہے۔ اس کے بارے میں صوفیاء ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک بار اس کی ملاقات حضرت ابوسعید ابی الخیر سے ہوی اور کچھ مسائل حقیقت پر گفتگو ہوی۔ جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوے تو لوگوں نے حضرت ابوسعید ابی الخیر سے بوعلی سینا کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے کہا: جو میں دیکھتا ہوں وہ جانتا ہے۔ یہی سوال بوعلی سینا سے ابوسعید ابی الخیر کے بارے میں پوچھا گیا۔ بوعلی سینا نے جواب دیا: جو میں جانتا ہوں وہ ابوسعید ابی الخیر دیکھتے ہیں۔ لیکن اتنی عقل ودانش کے باوجود بوعلی سینا کا جاننا کام نہ آیا۔ کیوں کہ اس نے اپنی عقل کو شرع سے آزاد کرلیا تھا۔

اس بحث میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے جس کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے اس بحث میں وجودی صوفیاء کے قول کو لیا ہے۔ کیوں کہ مصنف علیہ الرحمہ کے قول سے یہی مراد معلوم ہوتی ہے۔ تو پھر شہودی صوفیاء کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو وحدت الشہود کے قائل ہیں۔

وحدت الشہود کا نظریہ میری دانست میں سب سے پہلے شرح وبسط کے ساتھ حضرت مجدّد الف ثانی نے پیش کیا دراصل اسلامی نظریۂ وحدت الوجود اور نظریۂ وحدت الشہود صرف ایک حقیقت کے بیان کرنے کے دو مختلف طریقے ہیں۔ ان دونوں نظریوں کا تعلق چوں کہ وجود ہی سے ہے۔ اس لیے وجود کے متعلق ان دونوں نظریوں کو سمجھنے کے بعد ہی نزاع

رفع ہوسکتا ہے۔ اس لیے اس موقعہ پر مجھے بھی اس بحث کو طول دینا پڑ رہا ہے۔

پہلے لفظِ وجود پر غور کرنا ضروری ہے۔ وجود کا ایک معنی مصدری ہے۔ یعنی ہونا۔ وجود کبھی اسم جامد بھی ہوتا ہے۔ جس سے شئے یا ذات مراد ہوتی ہے اور اصطلاح میں یہی دوسرا معنی اکثر مراد ہوتا ہے۔ وجود سے کبھی صفت بھی مراد ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہیں کہ پھول سرخ ہے یا پھول میں سرخی ہے تو لفظ سرخ اور سرخی دونوں صفت ہی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے اگر کہیں کہ فلاں شئے کا وجود ہے تو یہ وجود اس کی صفت ہوگی۔ لیکن یہاں وجود کی بحث میں صرف ذات مراد ہے۔ وہ ذات جو خود سے موجود ہے وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ جو لامحدود ہے۔ جس کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا اس لیے حقیقی وجود صرف اللہ ہی ہے۔

اللہ کے بارے میں اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اس کی نہ کوئی ضد ہے نہ کوئی مثل۔ لم یکن لہٗ کفواً احد۔ لیکن جب وجود صرف اللہ ہے تو پھر اس کا کوئی ضد نہ ہونا چاہیے۔ لیکن لفظ وجود کا ضد لفظ عدم موجود ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ عدم کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ قدیم ہے یعنی اس کی کوئی ابتدا نہیں یعنی ایک وقت وہ بھی تھا جب صرف اللہ تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن اللہ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو ایسا نہیں تھا کہ وہ پہلے اپنی صفت تخلیق سے لاعلم رہا ہو یا اپنے فعل سے لاعلم رہا ہو۔ یہ تو نقص پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ ہر نقص سے پاک ہے۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کو جو خلق کرنا تھا اس کا علم اس کو ہمیشہ سے تھا۔ اس حقیقت کو محی الدین ابنِ عربی نے ثبوتِ علمی کہا ہے۔ یعنی ہمارا وجود اس کے علم میں قدیمی تھا۔ اس اعتبار سے انسان کو قدیم کہنا الحاد و زندقہ ہوگا۔ ۵

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد   گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی

(وجود کے ہر مرتبے کے لیے علیحدہ حکم ہے۔ مراتب میں فرق نہ کرنا زندقہ ہے۔)

جب اللہ تعالےٰ نے اپنے اس علم کو فعل میں ظاہر کرنا چاہا تو لفظِ کُن سے ظاہر کر دیا۔ یعنی تمام عالم اسباب لفظِ کُن کا نتیجہ ہے۔ خواہ ان اسباب کو ظاہر ہونے میں کچھ بھی وقت لگا ہو۔ قرآن اور اس کی توضیح حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانوں کی جتنی مخلوق پیدا کرنا تھا سب کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ جو آدم علیہ السلام کی ذریات تھیں۔ پھر ان سے رب تعالےٰ نے پوچھا: الستُ بربکم؟ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: قالوا بلیٰ: بے شک

روزِالست کا وعدہ جس کو یاد ہے آج وہ مومن ہے، ورنہ یوں تو روزِ ازل سے ہر اک بشر الستی ہے

مدعا یہ ہے کہ تمام آدمی پہلے وجود میں آ چکے ہیں۔ ان کا ظاہری وجود اللہ تعالےٰ کے علم کے مطابق اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ پہلا وجود عدم ہے اور دوسرا ظاہری وجود ہے۔ جسے ہم موجود سمجھتے ہیں۔ موجود مفعول کا صیغہ ہے۔ اللہ کے ساتھ صرف مجازاً موجود کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ورنہ وجود کا لفظ حقیقی معنوں میں صرف اللہ کو زیب دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات میں ثبوتِ علمی کا نام عدم ہے اور اس کا ظہور وجود ہے۔ اس لیے وجود اور عدم کا صرف لفظی تضاد ہے۔ جس طرح وحدت الوجود کے باوجود عبد اور معبود میں فرق ضروری ہے، اسی طرح لفظ وجود اور لفظ عدم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ کیوں کہ لفظ عدم کا اطلاق صرف بندہ پر ہوگا اور وجود کا حقیقی اطلاق صرف اللہ پر ہوگا۔ یہ وجودی نظریہ ہے جس میں لفظِ وجود کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

شہودی نظریہ کے مطابق اس کی تشریح یوں ہوگی کہ جب صرف اللہ تھا تو اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگرچہ اللہ تعالےٰ نے لفظ کُن سے کائنات کی تخلیق کی لیکن تخلیق کی صورت یہ ہوی کہ اُس نے اپنی تجلّی ظاہر کی تو ہر چیز ظاہر ہوگئی جس پر موجود ہونے کا اطلاق ہوتا ہے۔ جب تک یہ تجلّی نہیں ظاہر ہوئی تھی اشیاء معدوم تھیں۔ یعنی ظاہر نہیں ہوی تھیں۔ اس کی تائید میں آیت پیش کی جا سکتی ہے: اللّٰہُ نورُ السمٰوٰتِ والارض ط اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اگر یہ نور نہ ہوں تو سب معدوم ہو جائیں اور جب یہ نور ظاہر ہوا تو یہ سب معدوم تھے۔ گویا شئے کا ظاہر میں نہ ہونا عدم ہے۔ شئے تھی لیکن ظاہر نہیں ہوی تھی اس لیے معدوم تھی۔ یہ ظہور کیا ہے؟ اسی ایک تجلّی کا ظہور ہے۔

تجلّی کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ صفات کا ایسا ظہور جس سے ذات میں کوئی فرق نہ آے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اشیاء کی جب صفات ظاہر ہوتی ہیں تو اُن میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ پانی کی صفت بھاپ یا ہائیڈروجن و آکسیجن وغیرہ پانی کی صورت کو بدل دیتے ہیں۔ اللہ کی ذات ہر تغیّر و تبدّل سے پاک ہے۔

حق یہ ہے کہ اللہ کی ذات کُنہ کو بحث میں نہیں لایا جا سکتا۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہی ایک ذات قدیم اور معبود ہے۔ اس کی تمام صفات اچھی ہیں، ذاتی ہیں اور لا محدود ہیں۔ وہ ہر نقص سے پاک ہے۔ تمام موجودات اسی کے وجود سے قایم ہیں۔ صفات کے بارے میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ یہ عینِ ذات ہیں نہ غیر ذات۔ عین ذات تو اصل وجود ہے۔ باقی عدم میں تھیں۔ جو اس کی تجلّی سے ظہور میں آئیں۔ اسی لیے بعض علماء نے اللہ احد کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اللہ باہم اور بے ہمہ ہے۔ اس کی وضاحت ہماری کتاب تصوّف میں ملے گی۔ جس کو شوق ہو ملاحظہ کرے۔

نظریۂ شہود میں جس امرِ واقع کا ذکر ہے وہ درست ہے۔ وجودی اور شہودی نظریات کے بیان میں جو فرق ہے، وہ اس سبب سے ہے کہ وجودی نظریہ وجود سے پہلے بحث کرتا ہے اور شہودی نظریہ موجود سے بحث کرتا ہے۔ وجود موثر ہے اور موجود متاخر۔ اگر وجود نہ ہو تو موجود بھی نہ ہو۔ اس لیے اولیت وجود ہی کو ہے۔ اس لیے یہ نظریہ زیادہ اپیل کرتا ہے اور بیشتر صوفیاء ابن عربی کے نظریہ کو قبول کرتے ہیں شہودی نظریہ صرف مجدّدی طریقہ ہی میں مقبول ہو سکا ہے۔ شہودی نظریہ میں وجود کو معنی مصدری ہوں گے یا اسم صفت ہوگا۔ جب کہ وجودی نظریہ میں اسم جامد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

آخر میں چند مزید باتوں کا ذکر افادیت سے خالی نہ ہوگا۔ جو پیشِ نظر لطیفہ کے متن سے متعلق نہیں ہے۔ لیکن وحدت الوجود سے متعلق ہے۔

مولانا روم نے اپنی مثنوی میں کہیں کہا ہے کہ وحدت الوجود کا نظریہ محض عقل سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ جب خدا کی رضا کو مقصود بنا کر ریاضت و مجاہدہ کرے تو اسی پر عقدہ کھلتا ہے۔ یہاں مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آیا۔ میری کتاب تصوّف حصّہ اول کو ایک مولوی صاحب نے پڑھا۔ بعد میں انھوں نے کہا: پڑھتے وقت تو سمجھ میں آرہا تھا، لیکن پڑھنے کے بعد سب دل و دماغ سے محو ہوگیا۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جب تک عمل میں کامل اخلاص نہ پیدا کیا جائے اس وقت تک یہ مسائل دل میں نہیں اُترتے۔ صوفیاء کے اعمال سے زیادہ ضروری صوفیاء کے اخلاق کو اپنانا ہے۔ جس میں تواضع، اکلِ حلال، کسی سے بدلہ نہ لینا، کسی کو ایذا نہ دینا، ریا سے بچنا، جاہ پسندی سے اجتناب۔ اس طرح کے اخلاق کو اپنائے بغیر صوفیاء کے اعمال کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ اور اخلاقِ ذمیمہ سے بچنا تو شریعت کا بھی مقصود ہے۔

وحدت الوجود سلوک کی آخری منزل ہے۔ مبتدی کے لیے بھی اس بحث میں پڑنے سے منع کیا گیا ہے۔ نہ کہ ہر کس و ناکس اس پر بحث کرے۔

سلوک کے مراحل میں رفتہ رفتہ بعض صفاتِ باری تعالیٰ کی معرفت بندے کو ہوتی ہے کہ سالک اس صفت کا مظہر بن جاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ شافی ہے تو سالک میں جب یہ صفت کچھ حد تک پائی جائے گی تو اس کے دم سے یا دُعا سے لاعلاج مریض شفایاب ہو جاتا ہے۔ حضرت قطبؒ ویلور نے جواہر السلوک میں اس موضوع پر کچھ تفصیل سے لکھا ہے۔ انھوں نے خود بھی اپنے بارے میں خبر دی ہے اور بعض لوگوں نے مشاہدہ بھی کیا ہے۔ وہ اشیاء میں حیات کو جاری و ساری دیکھ سکتے تھے وغیرہ۔ صفات کے اس طرح ادراک سے یقین کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہاں مشاہدہ



قسط ۱۴

جواہر الحقائق

تصنیفِ لطیف

ماہر علوم دین شریعت و طریقت، واقفِ رموزِ معرفت و حقیقت، حافظِ قرآن مجدد جنوب حضرت شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف نقوی قادری المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز : المتوفی ۱۲۸۹ ہجری ۔

نوادر الدقائق　ترجمۂ　جواہر الحقائق

ترجمہ و تشریح

حضرت علامہ ڈاکٹر حکیم سید افسر باشاہ صاحب قاسمی صبغۃ اللّٰہی : شفاء ڈسپنسری، بنگلور روڈ، حضرت مکان، ویلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ

حمد تیری اے خدائے لم یزل　ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا　ذکر تیرا روح کی میری شفاء

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا　دوستو زندگی کا پیام آگیا
آپ کی مدح انسان کیا کرسکے!　عرش سے جب درود و سلام آگیا

ہر قسم کی تعریف ثابت ہے اس پاک پالن ہار کے لیے جو ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے اور ہزاروں ہزار بار درود و سلام اس دربار گہر بار اور خلاصۂ کائنات فخر موجودات محسنِ اعظم، فخر آدم سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر جن کے طفیل و بدولت اسلام کا بول بالا ہوا اور شرک و ضلالت، کفر و جہالت کا منہ کالا ہوا۔

الحمدللہ! زیرِنظر کتاب "نوادر الدقائق" ترجمۂ "جواھر الحقائق" کی یہ چودھویں[۱۴] قسط ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جو کتاب "جواھر الحقائق" کے فائدہ نمبر چھ (۶) کے بقیہ حصّہ کا ترجمہ ہے۔

اس ترجمہ کے تعلق سے عرض ہے کہ اس کے اندر اتنی رعایت اور کوشش کی ہے کہ ترجمہ لفظی اور بامحاورہ ہو اور جہاں عبارت دقیق اور مشکل ہوتی ہے وہاں عبارت کا خلاصہ یا حاصلی ترجمہ کردیا ہے۔ پھر بھی بعض مشکل اور ادق الفاظ کے افہام وتفہیم میں دشواری محسوس ہونے پر حتی الوسع قوسین کے اندر اس کی تسہیل کردی ہے۔ جو راقم الحروف مترجم کی طرف سے خفیف اضافہ اور فائدہ ہے اور جہاں تشریح کا مستقل عنوان ہے، وہاں مترجم کی جانب سے مزید تفہیم وتشریح کی ایک ادنیٰ کوشش سمجھیں۔

زیرِنظر کتاب نوادر الدقائق ترجمۂ جواھر الحقائق کی یہ چودھویں[۱۴] قسط الحمدللہ درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے:

۱ نباتات وجمادات اور اعمال صالحہ کی گفتگو۔	۲ تشریح مترجم۔
۳ مسئلہ۔	۴ انسانی اور حیوانی روح میں فرق۔
۵ حیوانی روح کا تصرف۔	۶ قیامت کے قریب اس حیوانی تعلق کا قریب و نزدیک ہونا۔
۷ جمادات ونباتات کا شعور وادراک اور کیفیت۔	۸ مقامِ شہود۔
۹۔ اصل کے ثبوت سے جوارح کا ثبوت۔	

نباتات وجمادات اور اعمال صالحہ کی گفتگو

پتھروں اور درختوں کی بات چیت۔ استن حنّانہ کا آواز کے ساتھ رونا اور ایک پہاڑ کا دوسرے پہاڑ سے یہ کہنا کہ هَلْ مَرَّبِكَ اَحَدٌ يَذْكُرُ اللّٰهَ ؟ (کیا تجھ پر کوئی اللہ کا بندہ ایسا بھی گزرا ہے جو اللہ کو یاد کرتا ہو؟) یہ تواتر کے ساتھ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ (اسی طرح) کسی مسلمان کے مرنے پر زمین اور نماز کی جگہ کا رونا۔ یہ بھی حدیث میں موجود ہے اور قرآنی سورتوں کی تلاوت اور کعبۂ معظمہ یعنی حج اور نماز و روزہ وغیرہ نیک اعمال کے روحانی جواہر بھی برزخ اور قیامت کے دن شفاعت بھی کریں گے اور شہادت بھی دیں گے۔

اسی طرح قیامت کے دن ہر ڈھیلا اور پتھر، لکڑی اور درخت جہاں تک مؤذنوں کی آواز پہنچے گی، یہ سب گواہی دیں گے۔ (اسی لیے) مؤذنوں کو (آواز بلند کرنے کا حکم ہے۔) اس آواز کے بلند کرنے پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے۔ (ان کی آواز جتنی دُور پہنچے گی اتنی دُور کے تمام جمادات، نباتات سب ان کے حق میں شہادت وگواہی کا ذریعہ بنیں گے اس لیے ثواب بھی زیادہ ملے گا)

اسی طرح سے یہ روحانی جواہر (نیک اعمال) کی مناسب حال شکلیں بھی ہیں۔ جو قیامت کے دن وہ اپنی اپنی شکل ولباس

ہیں آئیں گے اور وہ کھڑے ہو کر شفاعت اور شہادت بھی دیں گے ۔

تشریح مترجم یہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہر نیک عمل کی ایک خاص شکل وصورت ہوتی ہے، جسے دیکھ کر ہم اچھی طرح پہچان لیں گے کہ یہ ہمارا فلاں عمل ہے ۔ مثلاً نماز ایک عبادت ہے تو اس کی شکل ایک حسین وجمیل عورت کی سی ہوتی ہے ۔ ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ اُن کے سامنے نہایت حسین وخوب صورت عورت کھڑی ہے مگر وہ مادر زاد اندھی ہے ۔ نیند سے بیداری پر پریشانی ہوئی ۔ تعبیر سمجھ میں نہ آئی ۔ انھوں نے کسی بزرگ سے پوچھا ۔ بزرگ نے یہ تعبیر دی کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نماز آنکھ بند کرکے پڑھتے ہو ۔ کہا کہ، ہاں ایسا ہی ہے ۔ فرمایا کہ بس یہی وجہ ہے کہ وہ حسین عورت اندھی نظر آئی ۔ کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ نماز کو قیامت کے دن عورت کی شکل میں پیش کیا جائے گا اور چوں کہ آپ نے اپنی نماز میں آنکھیں بند کرلی ہیں اس لیے تمہاری یہ نماز بغیر آنکھ کے نابینا عورت کے روپ میں نظر آئی ہے ۔

مسئلہ نماز میں اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے مطابق سنّت کے طریقے پر نگاہ اس طرح رہے کہ قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر، رکوع میں اپنے دونوں پاؤں کے پنجوں کی پشت پر، سجدہ میں ناک پر اور قعدہ کی حالت میں دونوں زانو پر رہے ۔

ہاں اگر کسی کو ان باتوں کی رعایت رکھتے ہوئے بھی نگاہ اِدھر اُدھر جانے اور توجہ ہٹ جانے کا اندیشہ ہو اور خشوع وخضوع میں خلل واقع ہونے اور رکاوٹ پیدا ہونے لگے تو ایسی صورت میں علماء نے آنکھیں بند کرلینے کی گنجائش بھی رکھی ہے اور اجازت بھی دی ہے ۔

جس طرح نماز کی شکل اور اس کی ہیئت ایک حسین عورت کے روپ میں ہوتی ہے اسی طرح موت کی بھی ایک شکل وصورت ہے اور اس شکل کو احادیث میں مینڈھے بکرے سے تشبیہ دی گئی ہے کہ قیامت کے دن اس کو تمام اہلِ جنّت اور اہلِ دوزخ کے سامنے لایا جائے گا، جسے دیکھتے ہی سبھی پہچان جائیں گے کہ یہ ہماری موت ہے ۔ پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا ۔ اس طرح اب موت کی بھی موت واقع ہو جائے گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ابدالآباد تک اسی اچھی (جنّتی) اور بُری (دوزخی) حالت میں زندگی گزارنی ہوگی پھر آئندہ کے لیے اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا ردّ وبدل کی گنجائش یا امید باقی نہیں رہیگی ۔ اس جہاں اہلِ جنّت کو بے انتہا خوشی ومسرت وشادمانی ہوگی اور وہ بے حد مسرور ہونگے وہیں دوزخیوں پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹیں گے وہ حد درجہ مغموم ومحزون ہوں گے ۔ (تشریح ختم)

انسانی اور حیوانی رُوح میں فرق انسانات وحیوانات ونیز دوسری مخلوقات (جیسے جمادات ونباتات) کے تعلق ارواح میں فرق یہ ہے کہ اول یعنی انسان کا روحانی تعلق دائمی (اور ہمیشگی کا) ہوتا ہے اور وہ حلولِ سریانی (ایک چیز کا دوسری چیز میں اس طرح داخل ہونا کہ دونوں میں تمیز نہ ہو سکے ۔ گویا منتشر اجزاء آپس میں مل کر ایک ہو جاتے ہیں ۔) کے ایسے مشابہ ہوتا ہے کہ تمام طبعی نباتی اور حیوانی قوتیں نکال کر خود اپنے حکم (و ارادہ) سے ماتحت میں آکر اپنے جسموں میں تدبیر وتصرف (کوشش وتجویز تعبیر د

تبدیلی) کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے و نیز دائمی طور پر غذائی اور نشو و نمائی (کیفیت) اور احساس و حرکت میں مشغولیت بھی ہوتی ہے۔

اور دوسرا تعلق یعنی حیوانی روح کا تعلق یہ دائمی نہیں ہوتا اور یہ طریانی حلول کے مشابہ ہوتا ہے۔ یعنے ان میں نیا عجیب اور انوکھا پن ہوتا ہے، جو دائمی نہ ہونے کی وجہ سے اَلَگ ہی رہتا ہے، کیوں کہ یہ حیوانی ارواح تدبیر و تصرف خود اپنے اجسام میں نہیں رکھتے اور ان ارواح کا اثر و رسوخ حیوانی روح کے توسط سے بھی ان کے اجسام میں نہیں پہنچتا ہے۔ اس لیے ان کا تعلق عوام کی نظروں سے اوجھل اور پوشیدہ رہتا ہے اور تکلیف یعنے (مکلّفاتِ شرعیہ) اور ثواب و عذاب ان پر مرتب نہیں ہوتا ہے

حیوانی روح کا تصرف

بلکہ اس دُنیا میں کبھی کبھی یہ ارواح ملائکہ کے رنگ و روپ میں حیوانی روح کی وساطت و تعلق کے بغیر ہی خود ہی اپنے جسموں میں تصرف کرتے ہیں و نیز یہ ارواح اپنے خاص جسم پہ بھی سایہ ڈالتے ہیں اور پھر اس جسم سے شعور و ارادہ کے افعال بھی صادر ہوتے ہیں اور حجر و شجر (پتھر اور درخت) بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ (با قاعدہ) کلام و سلام کرتے ہیں اور ان انبیاء علیہم السلام کے حکم سے وہ گواہی بھی دیتے ہیں اور دوسرے امور کی تکمیل بھی کرتے ہیں۔ انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی ہمت (اور قوّتِ تصرف) سے ان کے آگے جب روحانی احکام کا غلبہ ہوتا ہے تو ارواح اپنا سایہ ڈالتے ہیں۔ پھر چھُپ جاتے اور پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

قیامت کے قریب اس حیوانی تعلق کا قریب و نزدیک ہونا

اور قیامت کے قریب اس کا تعلق دائمی کے قریب و نزدیک ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ چناں چہ احادیث میں قیامت کی شرطیں اور ان باتوں کی خبریں بے حد مذکور ہیں۔ اور عالمِ آخرت میں خود اپنے اجسام میں ان روحوں کے آثار و علامات کا ظہور دائمی ہو جائے گا۔ اور اسی سبب سے یہ (روحِ حیوانی) بات چیت بھی کرے گی، شہادت بھی دے گی اور جنّت کے درختوں کی ٹہنیاں، ڈالیاں اور پھلیں جنّتیوں کی آواز پر لبّیک کہیں گے اور جواب دیں گے۔ جیسا کہ "تفسیرِ عزیزیہ" میں مذکور ہے۔ (سورہ بقرہ، سورۂ نساء اور سورۂ زلزلہ کے تحت یہ تفصیل حضرتؒ نے پیش کی ہے۔)

"مثنوی شریف" میں مولانا روم فرماتے ہیں:

"پہاڑ کا وجود و ہستی عقل سے پوشیدہ ہے اور بے چون و چرا کے عقل کب آگے بڑھ سکتی ہے؟ ہوا کو اگر چشم (بصیرت) کے بغیر دیکھیں گے تو فرق نہیں کر پائیں گے۔ جس طرح کہ قوم عاد نے بھی اسے معمولی ہوا سمجھا۔ (اور غارت ہوئی)۔ نمرود کی آگ میں اگر چشم (بصیرت) نہیں تھی تو پھر اس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر کس طرح رحم کر دیا! اور ٹھنڈی پڑ گئی۔ اگر دریائے نیل کو وہ دیدہ وری اور نورِ بصیر نہ ہوتا تو وہ مومن کے حق میں کافروں کو کیوں ڈستا؟ (فولاد) پہاڑ اور پتھر میں اگر دیدہ وری نہ ہوتی تو وہ داؤد علیہ السلام کے حق میں نرم و نازک

اور دوست کیسے بن گئے۔ اس زمین کو اگر چشم بصیرت نہ ہوتی تو پھر وہ قارون کو کیوں دبوچ لی؟ اور اپنے اندر دھنسالی؟ اگر اسٹن حنانہ کو دل کی آنکھ نہ ہوتی تو کیوں اور کس طرح وہ سسک سسک کر اور بلک بلک کر رو دیا؟ اور قیامت کے دن یہ زمین نیک و بد کی گواہی دے گی کہ اس نے مجھ پر کیا کیا گناہیں کیں؟ اور کتنے بار زنا کئے وغیرہ۔۔

جمادات و نباتات کا شعور و ادراک اور کیفیت

(حضرت) صدر رائے شیرازیؒ

اپنی کتاب ”قضا و قدر“ میں فرماتے ہیں کہ تمام موجودات کے ادراک و شعور کا ثبوت (خواہ جوہراً ہو یا عرضاً) موجود ہے۔ حتیٰ کہ جمادات (مٹی، پتھر، سنگریزے اور دھات وغیرہ ذرات) اور نباتات (پودے، درختیں وغیرہ) جن کا شعور و ادراک قرآن و حدیث برہان و دلیل، علوم ذوقی اور مقامات کشفی کے ذریعہ ثابت ہے۔ جو بہت سے محققین کی رائے اور مذہب ہے۔ جیسے صاحب الاشراق محقق طوسیؒ، علامہ رازیؒ اور صاحب المحاکمات ابن مکونہؒ ابوالبرکات بغدادیؒ (وغیرہ)

اور حضرات اہلِ کشف کی ایک کثیر جماعت (جم غفیر) کا ذوق بھی اسی جانب ہے۔ ان میں شیخ العارف محقق المکاشف محی الدین ابنِ عربیؒ اور اُن کے پیروکار اور اتباع کرنے والے بھی ہیں۔“ (قضا و قدر)

حضرت شیخ (ابن عربیؒ) قدس سرہٗ نے اپنی کتاب ”فتوحات مکیہ“ کے دوسرے باب کے آخری حصّہ میں فرماتے ہیں کہ:

” ہمارے نزدیک یہ جمادات و نباتات جو موسوم ہیں ان کے اندر بھی روح موجود ہے۔ (گو ظاہر میں نہیں معلوم ہوتی مگر باطن میں ضرور موجود ہے۔) اہل کشف کے علاوہ بھی خاص کر ان کا احساس و ادراک عادۃً ہوتا ہے۔ مگر ان کا یہ احساس حیوانوں جیسا احساس نہیں ہوتا۔ پس یہ تمام جمادات و نباتات (حضرات) اہل کشف کے نزدیک حیوانِ ناطق (بولنے والے حیوان) ہیں بلکہ زندہ (ذی روح) بولنے والے حیوان ہیں۔ مگر یہ خاص مزاج صرف انسان کے لیے ہی مخصوص ہے موسوم ہے۔ دوسرے کے لیے نہیں۔“ (فتوحاتِ مکیہ)

مقام شہود

نیز فتوحات مکیہ میں (حضرتؒ) مزید فرماتے ہیں کہ ” یہ پوری باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بے شک پورا عالم مقام شہود و عبادت میں ہے۔ مگر ہر مخلوق کے لیے ایک قوتِ تفکر (سوچنے سمجھنے کی قوت) بھی ہے اور یہ انسانی اور حیوانی نفوسِ ناطقہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اُن کی اپنی ذات کے اندر ہی موجود ہے اور یہ ان کی ظاہری شکل و صورت کی حیثیت سے نہیں ہے۔ جس طرح کہ تمام عالم تسبیح و سجود کی حالت میں موجود ہے۔

چنانچہ بدن کے تمام اعضاء وجوارح تسبیح و تقدیس میں مشغول ہیں۔ بات چیت کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں اور جب یہ اعضاء وجوارح قیامت کے دن (اللہ کے حکم سے) مسخر کر دیے جائیں گے تو جسم کی جلد (کھال)، اور دونوں ہاتھ اور پاؤں، زبان، کان، اور آنکھیں اور تمام قوتیں گواہی دیں گی۔ پس حکم تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ جو بلند و بالا بھی ہے اور عظیم و عالی بھی۔“ (فتوحاتِ مکیہ)

اصل کے ثبوت سے جوارح کا ثبوت

"فتوحاتِ مکیہ" میں حضرت ابن عربیؒ مزید رقمطراز ہیں کہ "جب اصل ظاہر ہوتا ہے تو اس کے تمام لوازمات بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ (یعنے اصل کے پائے جانے سے اس کے پورے لوازم بھی پائے جاتے ہیں اور اصل کے ہونے سے لوازم کا ہونا بھی ظاہر بات ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا" الشیئ اذا ثبت ثبت بجمیع لوازمہ" کسی چیز کے وجود و ثبوت سے اس کے تمام لوازمات کا ثبوت بھی ہوجاتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اصل تو ظاہر ہو اور اس کے تمام ملحقات و لوازمات ظاہر نہ ہوں۔) اس حیثیت سے وجود کا ہونا گویا علم و عقل کا پایا جانا ہے۔

اور جب یہ قوت انسان کی برابری کو نہ پہنچے یعنے وہ مساوات اور اعتدال جو عقل و ادراک کے ظاہر ہونے کے لیے ضروری ہے (اس حد تک) نہ پہنچے تو اس کی حیات و زندگی اور ادراک (صرف) باطن ہی باقی رہتی ہے ظاہر میں نہیں۔ (ایسی صورت میں) اسے حس و شعور (بالکل) نہیں رہے گا۔ جس طرح مریض سکتہ اور بے ہوش آدمی (یا مفلوج شخص) کی حالت ہوتی ہے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ) جمادات و نباتات اپنے اندر باطن میں حیات و ادراک رکھتے ہیں گو ظاہر میں نہیں۔ یعنے ان کے جسم میں ظاہری طور پر تو حیات و ادراک محسوس نہیں ہوتا ہے مگر باطن میں یہ سب کچھ ہے۔ انتہیٰ" (فتوحاتِ مکیہ)

جاری

نعت شریف

حضرت علامہ ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشاہ افسرؔ کڑپا تم

مدینہ کو قسمت سے ہم جا رہے ہیں
تمنّا سے باغِ اِرم جا رہے ہیں

بڑے شوق سے دمبدم جا رہے ہیں
ادب کئے سر کو خم جا رہے ہیں

کبھی باغ جنّت کبھی روضہ اقدس
حضور پُئے خیر الامم جا رہے ہیں

بشوقِ زیارت بڑے ہی ادب سے
صحابہؓ کے نقشِ قدم جا رہے ہیں

بڑی مدتوں سے رہی دل میں حسرت
سنبھل کر یہ باچشم نم جا رہے ہیں

مقدّس مدینہ کی گلیاں مقدس
حصول بفیضِ اتم جا رہے ہیں

نکل جائے دم اُن کے قدموں کے نیچے
یہی آرزو لے کے ہم جا رہے ہیں

بڑی آرزو سے ادب سے یہ افسرؔ
حضورِ شفیعُ الامم جا رہے ہیں

نقوش طاہر

سالنامۂ اللطیف ۱۹۷۸ء میں حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ۔ حضرت مکان ویلور کا ایک مختصر و مفید مضمون شائع ہوا تھا، جس کی افادیت کے پیش نظر موجودہ شمارہ میں پیش کیا جارہا ہے

علم نورِ الٰہی ہے۔ جو صرف اللہ تعالےٰ کے نیک اور صالح بندوں کو عطا کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت وکیع سے اُن کے شاگرد عزیز نے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ لغزشوں اور گناہوں سے پرہیز کرو۔ کیوں کہ علم نورِ الٰہی ہے، جو عاصیوں اور گنہ گاروں کو نہیں دیا جاتا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی نعمت علم کی لازوال دولت ہے۔ جہالت اور علم سے محرومی بڑی بدنصیبی ہے۔ صاحبِ علم پر ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوتی رہتی ہیں۔ جن کی بدولت وہ دین و دُنیا میں کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ علم و فضل اور حکمتِ خداوندی سے متعلق کسی نے کیا ہی خوب واقعہ بیان کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک عالم و فاضل تلاشِ روزگار میں وطن سے روانہ ہوے۔ اثنائے سفر ایک ایسے شہر کے قریب پہنچتے ہیں۔ کہ جس کے تمام دروازے بند تھے اور شہر کے باہر دو آدمی ٹھہرے ہوے تھے۔ جن میں سے ایک سن رسیدہ بزرگ تھے۔ عالم صاحب نے اُن سے دروازوں کے بند ہونے کی وجہ دریافت کی۔ معمّر صاحب نے بتایا۔ کہ بادشاہ کا باز اُڑ گیا ہے۔ اس لیے بادشاہ کا حکم ہوا ہے کہ باز کی بازیابی تک شہر کے تمام دروازے بند رکھے جائیں۔ عالم صاحب کو اس جواب سے بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگے: باز تو آسمانی پرندہ ہے۔ دروازوں کے بند کردینے سے کیا ہوگا؟ یہ چیز تو اس کے لیے سدِّ راہ نہیں بن سکتے۔ نیز اسی عالم تحیّر میں فرمایا؛ یہ کیا حکمتِ خداوندی ہے کہ اس نے ایسے بے وقوف کو بادشاہت دے کر

لاکھوں انسانوں کو مبتلائے عذاب کر رکھا ہے اور ادھر یہ سب کچھ علم و ہنر کے باوجود تلاشِ روزگار میں سرگردانی لگی ہوئی ہے۔ تاکہ جسم و جان کا تعلق باقی رکھ سکیں۔ پیرِ بزرگوار عالم کی باتوں کو غور سے سُن رہے تھے۔ ان سے کہا: عالم صاحب! کیا آپ اس بات پر رضامند ہیں کہ اس بادشاہ کا دماغ آپ کے سر میں رکھ دیا جائے؟ کیا یہ منظور ہے؟ عالم نے فوراً برجستہ کہا: میں اسے ہرگز منظور نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم کی روشنی عطا کی ہے۔ پھر میں کیسے تاریکی اور جہالت کے گڑھے میں گرسکتا ہوں۔ یہ سُن کر دانا بزرگوار نے کہا: آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ اس نے آپ کو علم کی دولت سے نوازا، جس کے مقابلہ میں دُنیا کی یہ دولت اور بادشاہت دونوں ہیچ ہیں۔ مزید آپ نے کہا کہ دولتِ علم اور دولتِ دُنیا کمال اور اقبال بہت کم ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔

علمائے سلف عالمِ باعمل اور فاضلِ بے بدل ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ متقی اور پرہیزگار سلاطینِ وقت اُن کو اپنے پاس مدعو کر کے فخر محسوس کرتے تھے۔ اُن سے نصیحتیں سُنتے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی سعی کرتے۔ چنانچہ تاریخ اسلام کا ایک واقعہ ہے۔ کہ

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حج کو جاتے ہوئے بغداد شریف پہنچے۔ خلیفۂ بغداد ہارون رشید کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی۔ خلیفہ نے آپ کو اپنے پاس مدعو کیا۔ آپ سے دریافت کیا کہ: کیا آپ ہی شقیق زاہد ہیں؟ آپ نے کہا: میں صرف شقیق ہوں نہ کہ زاہد۔ خلیفہ نے نصیحت کی درخواست کی۔ حضرت شقیق علیہ الرحمہ نے فرمایا: اے خلیفہ ہوش رکھا کر۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے صدیق اکبر کی جگہ بٹھایا ہے۔ تجھ سے صدق طلب کرے گا۔ تجھے فاروق کی جگہ بٹھایا ہے تجھ سے حق و باطل میں فرق طلب کرے گا۔ تجھے علی مرتضیٰ کی جگہ بٹھایا ہے۔ تجھ سے علم و عدل طلب کرے گا۔ خلیفہ نے کہا: جزاک اللہ اور فرمایا آپ نے، کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ایک مکان بنایا ہے، جسے دوزخ کہتے ہیں۔ تجھے اس کا دربان مقرر کیا ہے۔ اس نے تجھے تحفہ میں تین چیزیں عطا کی ہیں۔ مال، تازیانہ اور تلوار۔ اے خلیفہ! ان تین چیزوں کے ذریعہ انسانوں کو دوزخ سے باز رکھ۔ اگر حاجت مند تیرے پاس آئے تو مال سے اس کی اعانت کر تاکہ وہ گمراہ نہ ہو۔ اگر کوئی شخص خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرے تو تُو کوڑوں سے اس کی تنبیہ کر اور اگر کوئی کسی کی جان لے تو اس سے تلوار کے ذریعہ قصاص لے۔ اے خلیفہ اگر ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا تو محشر کے دن تجھ سے بازپرس ہوگی۔ خلیفہ نے کہا۔ جزاک اللہ۔ اور فرمائیے۔ تو آپ نے کہا: اے خلیفہ! اتفاقاً اگر تیرا گزر کسی جنگل سے ہو۔ اثنائے سفر میں پیاس لگے۔ شدتِ پیاس کی وجہ سے قریب المرگ ہو جائے، پانی کہیں بھی میسر نہ ہو، ایسے وقت کوئی پانی کا پیالہ پیش کرے تو اس پیالہ کو کتنی قیمت سے خریدے گا! خلیفہ نے جواب دیا: آدھی

بادشاہت دے کر۔ پھر آپ نے پوچھا: اس پانی کے پینے کے بعد تیرا پیشاب آنے سے بند ہو جاے اور لاکھ علاج کے بعد بھی جاری نہ ہو اور اس کے بعد بھی اس کی وجہ سے قریب المرگ ہو جاے تو ایسے وقت میں کوئی شخص آکر یہ کہے کہ میں اس کا علاج کروں گا۔ پیشاب آنے کے بعد آدھی سلطنت لے لوں گا۔ تو تم اس وقت کیا کرو گے؟ خلیفہ نے کہا کہ اس کے لیے میں آدھی سلطنت دے دوں گا۔ حضرت شفیق بلخی نے یہیں سے ہارون رشید کو تنبیہ کی۔ اب تم ہی سمجھ لو کہ تمہاری سلطنت کی کیا قیمت ہے! ایسی دولت جو صرف پانی کے چند گھونٹ اور پیشاب کے چند قطروں کی ہے ایسی بادشاہت پر فخر کیسا؟ آپ کی اس نصیحت کو سن کر خلیفہ بے حد متاثر ہوا اور رونے لگا۔ آپ کی عزت افزائی اور قدر و منزلت اور پورے احترام کے ساتھ آپ کو روانہ کیا۔

علمائے حق نے بادشاہوں کے جاہ و جلال کی مطلق پروانہ کی۔ اس کے برخلاف شاہانِ وقت ان جلالتِ علمی سے مرعوب تھے۔ اِن وارثانِ انبیا، کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کامل اور یقینِ محکم تھا۔ یہ حضرات دُنیا کے ہر چیز سے بے نیاز ہوتے تھے اور اپنی فکر و دانش سے بلاخوف وخطر شاہانِ وقت کی اصلاح کرتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہشام بن عبدالمالک مدینۂ منورہ کو آیا اور حکم دیا، صحابۂ کرامؓ میں سے کوئی ہوں تو ان کو پیش کریں۔ جب یہ معلوم ہوا کہ تمام صحابۂ کرام کا وصال ہو گیا ہے۔ تو تابعین میں سے کسی کو پیش کرنے کے لیے کہا گیا۔ لوگوں نے حضرت طاؤس علیہ الرحمہ کو پیش کیا۔ حضرت طاؤس دربار میں داخل ہوے، جوتے اتارے اور السّلام علیکم یا ہشام کہتے ہوے ایک طرف بیٹھ گئے۔ آپ کی یہ حرکت آدابِ شاہی کے خلاف تھی۔ ہشام غضب ناک ہو گیا۔ آپ کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ لوگوں نے کہا: یہ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور حضرت طاؤس اکابر علما سے ہیں۔ لہٰذا اپنے اس ارادے سے باز آؤ۔ ہشام سنبھل گیا۔ طاؤس علیہ الرحمہ سے کہا: طاؤس تم نے یہ کیسی حرکت کی؟ آپ نے جواب دیا: میں نے کیا کیا ہشام یہ سن کر برافروختہ ہو گیا اور کہنے لگا: تم نے چار غلطیاں کی ہیں۔ ایک یہ کہ لبِ فرش جوتے اتارے جو آدابِ شاہی کے خلاف ہے۔ دوسری یہ کہ مجھے امیر المؤمنین سے خطاب نہیں کیا۔ تیسری یہ کہ میری کنیت کی بجاے میرے نام سے پکارا۔ چوتھی غلطی یہ کہ تم نے میری اجازت کے بغیر بیٹھ گئے۔ اللہ کے شیر حضرت طاؤس علیہ الرحمہ نے اس کا جواب جس بے باکی کے ساتھ دیا ہے کہ تاریخ میں سنہری حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ:

تیرے سامنے جوتے چھوڑ کر اس لیے داخل ہوا کہ روزانہ پنج وقت اس ربّ العزت کی بارگاہ میں کہ احکم الحاکمین ہے جوتے چھوڑ کر ہی جاتا ہوں۔ وہ مجھ پر کبھی خفا نہیں ہوتا۔ تجھے امیر المومنین سے اس لیے خطاب نہیں کیا کہ لوگوں کی اکثریت تیرے امیر المؤمنین ہونے کے خلاف ہے۔ تیری کنیت کی بجاے تیرے نام سے اس لیے پکارا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو نام ہی سے، یا موسیٰ، یا داؤد

اور یا یعقوب کہہ کر پکارا ہے اور اپنے دشمنوں کو کنیت سے ۔ جیسے تبت یدا ابی لھب سے یاد کیا ہے ۔ تیری اجازت کے بغیر بیٹھنے کی وجہ یہ ہے ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں ۔ جو شخص کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے تو اس سے کہہ دو کہ اُس آدمی کو دیکھتے ہی خود بیٹھا ہو اور مخلوقِ خدا اس کے سامنے دست بستہ کھڑی ہو ۔ ہشام ان کے برجستہ بے لاگ جواب سے نہایت درجہ متاثر ہوا ۔ آپ سے نصیحت کی درخواست کی ۔ حضرت طاؤس علیہ الرحمہ نے فرمایا : حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں : دوزخ میں اژدھے اور سانپ پہاڑ کی طرح اور بچھو اونٹ کی طرح ہوں گے ۔ جو کسی امیر کی راہ تکتے ہوں گے ۔ اے ہشام ! رعایا پر عدل کر ۔ یہ کہتے ہوئے آپ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے ۔ ہشام بس تکتا ہی رہ گیا ۔ ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

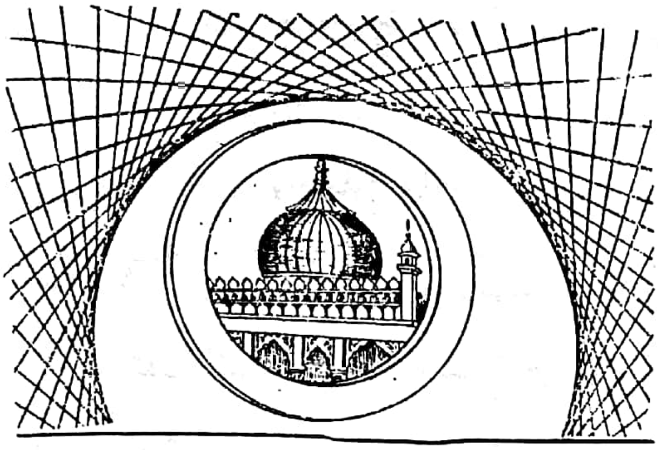
روایت ہے کہ سلاطینِ وقت دُنیوی کاروبار اور پریشانیوں سے نجات پانے ، روحانی سکون اور اطمینانِ قلب کے لیے بزرگانِ دین کے پاس حاضر ہوتے ۔ ان سے سکون وراحت اور علمِ معرفت کی دولت حاصل کرتے ۔ چناں چہ ایک دن خلیفہ ہارون رشید سلطنت کی ذمہ داریوں سے نجات پا کر حضرت فضیل علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچا آپ سے نصیحت کی خواہش کی ۔ حضرت فضیل نے فرمایا : ہارون رشید ! ایک مرتبہ حضور سید المرسلین سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم سے آپ کے چچا نے کہا : مجھے کسی قوم کا سردار بنا دیجیے ۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : چچا ! میں نے آپ کو آپ کے نفس پر سردار بنایا ہے ۔ ہارون رشید نے عرض کیا : اور فرمائیے ۔ آپؒ نے کہا : حضرت عمر بن عبدالعزیز جب خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے اپنے دوستوں سے کہا : میں بڑی آزمائش میں مبتلا ہو گیا ہوں ۔ کیا تم میں سے کوئی مجھے اس آزمائش سے کامیاب ہونے کی تدبیر بتا سکتا ہے ؟ ان میں سے ایک نے کہا : اگر آپ چاہتے ہیں کہ کل عذاب سے نجات ملے ، اس کے لیے بوڑھوں کو باپ ، جوانوں کو بھائی ، بچوں کو اپنی اولاد اور عورتوں کو اپنی ماں اور بہن کی طرح سمجھے ۔ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیجیے ۔ بزرگوں پر مہربان ، بھائیوں کے ساتھ احسان ، اولاد کے ساتھ نیکی کیجیے ۔

حضرت فضیل نے مزید فرمایا : اے ہارون رشید میں تیرے خوب صورت چہرے سے ڈرتا ہوں کہیں دوزخ کی آگ جلا نہ دے ۔ اس لیے کہ کتنے امیر ہیں جو وہاں (یعنی قیامت کے دن) اسیر ہوں گے ۔

خلیفہ ہارون رشید ان نصیحتوں کو سُن کر خوب رویا اور وہاں سے روانہ ہوا ۔

حاکم نیشاپور عبداللہ بن طاہر ایک دن شہر کا جائزہ لینے کے لیے شہر میں گیا ۔ لوگ اس کی ملاقات کے لیے پہنچے ۔ یہ سلسلہ تین دن تک چلتا رہا ۔ اختتام پر حاکم نیشاپور نے دریافت کیا : ہماری ملاقات اور سلام کے لیے

بقیہ صـ15 پر



دُعا کا اثر

ڈاکٹر ابو محمد سیّد شاہ عثمان قادری
ناظمِ دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان۔ ویلور

دُعا کا اپنا ایک الگ مقام ہے۔ جب تمام طبیب اور ڈاکٹرس علاج کر کر کے ناکام ہو جاتے ہیں تو اس وقت دُعا کا ہی سہارا لیتے ہیں۔ عابد بھی اپنی عبادت کے بعد دعا کا ہی سہارا لیتے ہیں۔ دعا کا بہت بڑا مقام و مرتبہ ہے۔ دعا کی اہمیت جاننے کے لیے ایک بات کافی ہے کہ الدعاء مخ العبادۃ کا مغز ہے۔

دُعا کی اتنی اہمیت و فضیلت اس وجہ سے کہ دُعا تمام عبادتوں کی جڑ ہے اور تمام عبادات میں سب سے اہم عبادت ہے۔ دُعا کے علاوہ جتنی بھی عبادات ہیں مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ ان عبادات میں اگر کسی عبادت میں دُنیاوی غرض شامل ہو جائے تو وہ عبادت میں شمار نہیں کی جاتی اور ایسی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے برخلاف دُعا ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر آپ دعا میں سونا چاندی، دولتِ دُنیا بھی مانگو تب بھی وہ عبادت ہے۔ کیوں کہ بندہ چاہے دُعا میں دین مانگے یا دُنیا، دونوں کو مانگتے وقت اللہ کی بارگاہ میں بندے کی عاجزی و انکساری برقرار رہتی ہے اور کوئی بندہ اس میں ریا نہیں کر سکتا۔ تو اس لیے دُعا میں دُنیا مانگو تو بھی عبادت ہے۔

دُعا کبھی بیکار نہیں جاتی۔ اگر کوئی بندہ سچے دل سے اللہ پر کامل توکل رکھتے ہوئے دُعا مانگے تو وہ دُعا کبھی بیکار نہیں جاتی۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں ایک بندہ کو لایا جائے گا۔ جب اس کا حساب ہوگا تو اس کی نیکیوں کا پلڑا بہت بھاری ہوگا تو بندہ عرض کرے گا میں نے تو اتنی نیکیاں نہیں کیں تو اللہ کا ارشاد ہوگا کہ فلاں وقت تو نے تو نے یہ دُعا کی اس کے عوض میں نے تیرے نامۂ اعمال میں یہ نیکی لکھی اور فلاں وقت تو نے یہ دُعا مانگی تو اس کے بدلے میں یہ نیکی لکھی تو اس طرح اللہ تعالےٰ اس بندے کی نیکیاں حوالوں کے ساتھ گنوائے گا تو بندہ یہ دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے گا: کاش میں اپنی پوری زندگی دُعاؤں میں گزارتا تو کتنا اچھا ہوتا۔

دُعا میں ایسی طاقت ہے کہ دُعا سے ہی بہت سے لوگوں کی بگڑی بنی ہے۔ جب آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے موقعہ پر دُعا کی:

"اے مولیٰ یہ تیرے ماننے والے چند بندے ہیں ان کی حفاظت فرما نہیں کامیابی دے۔ اگر یہ ختم ہو جائیں گے تو دنیا میں تیرا ماننے والا کوئی نہیں رہے گا۔" تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی دُعا کا یہ اثر کہ جنگ بدر میں صرف تین سَو تیرہ ۳۱۳ مسلمان ہزاروں کی تعداد پہ بھاری ثابت ہوے۔ اور کامیابی فتح و نصرت مسلمانوں کو ہوی۔

اللہ کی بارگاہ میں دُعا تو ہر ایک کی قبول ہوتی ہے لیکن ہر ایک دُعا کا مرتبہ الگ الگ ہوتا ہے اور مرتبہ کے مطابق وہ قبول ہوتی ہے اور اللہ کی بارگاہ میں انبیاء اور اولیاء کی دُعا کا بہت ہی اونچا مرتبہ ہے۔ جب یہ اللہ والے دُعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی دعا فوراً قبول فرمالیتا ہے۔ ایک اللہ کے ولی کسی راستے سے گزر رہے تھے۔ ایک شخص جس بکری کہیں گم ہو گئی تھی اتفاق سے وہ بھی وہیں پہنچا۔ حضرت موصوف کو دیکھتے ہی کہا کہ آپ ہی نے میری بکری چرائی ہے۔ برسرِ بازار چوری کے الزام سے وہ اللہ کے ولی بہت حیران و پریشان ہوے۔ لیکن وہ شخص برابر اصرار و ضد کر رہا تھا کہ اس کی بکری اُسے واپس دے دیں۔ اللہ کے ولی شرمندگی و رنجیدگی کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں دست بہ دُعا ہوے کہ یا اللہ! تو اس کی بکری بھیج دے اور مجھے اس ذلت و رسوائی سے بچالے۔ دُعا ختم ہوتے ہی وہ بکری آپہنچی۔ بکری پاتے ہی وہ شخص بہت ہی خوش ہوا۔ اور آپ سے معذرت کرنے لگا کہ میں بخوبی واقف ہوں کہ آپ کی ذات گرامی سے کبھی اس جرم کا صدور نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ کی دُعا کی برکت سے میری گم شدہ بکری مجھے حاصل ہو سکتی تھی۔ اسی لیے مجبوراً میں نے آپ کی جناب میں یہ گستاخی کی تاکہ اسی حیلہ سے میرا مقصود حاصل ہو۔

مذکورہ واقعہ سے دُعا کا اثر اور دُعا کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ دُعا کی بہت اہمیت و فضیلت ہے۔۔

قلب کی صفائی

قلب کی صفائی کے لیے چار چیزیں بہت ضروری ہیں
☆ تلاوت قرآن حکیم
☆ صبح صادق کے وقت گریہ زاری
☆ شب بیداری اور نوافل
☆ اہل خیر کی محبت

اسلامی معلومات

☆☆ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔
☆☆ حضرت عمر فاروقؓ کو فیروز نے قتل کیا۔
☆☆ فیروز کی کنیت ابولولو تھی۔
☆☆ حضرت عمر فاروقؓ کا قاتل فیروز قتل نہیں کیا گیا بلکہ اس نے اسی وقت خودکشی کرلی۔

معجزہ شق القمر علم نجوم کی روشنی میں

حافظ مولوی عبد المنعم قادری آرنی

الحمد للہ رب العلمین والعاقبة للمتقین والصلوۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد وآلہ
واصحابہ اجمعین ط اما بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم ط اقتربت الساعة وانشق القمر ط

موجودہ دور کے فکری و دماغی اور تجرباتی عمل سے نہیں ہے بلکہ شق القمر کا یہ عظیم معجزہ ایک عظیم الشان پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کا غیر معمولی کرشمہ ہے۔ جو تاریخ انسانیت میں عقلِ انسانی کو چکر میں ڈالنے والا حادثہ ہے۔ اس معجزہ پر تفصیلی کلام کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبوت و معجزہ کے درمیان جو قدرتی رابطہ و نورانی رشتہ ہے اس کو معرض بیان میں لایا جائے

سب سے پہلے یہ جاننا اور ماننا ضروری ہے کہ نبوّت ایک عطیۂ ربانی ہے۔ جس کی حقیقت تک رسائیِ فکرِ انسانی سے وابستہ ہوتا ہے لیکن وہ عام انسانوں سے اس قدر بلند و بالا مقام پر فائز ہوتا ہے کہ اس مقامِ نبوّت کو یا تو اللہ خود جانتا ہے یا اس کا نبی جان سکتا ہے اور نبوت کسبی نہیں ہے بلکہ وہبی ہے۔

قرآنِ کریم نے انما انا بشر مثلکم کہ کر نبی کے لیے بشریت کو ثابت کیا۔ اور اشارہ کیا کہ اے نبوّت کے منکرو ابھی تک تم مقام انسانیت سے نابلد ہو۔ اس لیے منصبِ نبوّت کے خلاف بک رہے ہو۔ خود انسانیت کا مقام اتنا بلند ہے کہ عالمِ افلاک کی نورانی مخلوق (فرشتے) اس کے آگے روزِ ازل سر بسجود ہوئے اور آج بھی حیات انسانی کی ضروریات کی تکمیل کے لیے یہ کارکنان قضا و قدر (فرشتے) ہر وقت سرگرم و کمربستہ ہیں

جب انسانیت کا مرتبہ اتنا ارفع و اعلیٰ ہے تو نبوّت کا منصب کمالاتِ انسانی کا منتہائے عروج ہے۔ وہاں تک فکرِ انسانی کا رسائی ممکن نہیں اور بشریت کے اثبات سے کچھ نادان و نافہم لوگ ٹھوکر کھا سکتے ہیں کہ جب نبی بشر یعنی انسان ہیں

تو انسان خطا و بھول کا پتلا ہے (نعوذ باللہ) نبی سے غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس بیہودہ و پست خیال کو دور کرنے کے لیے یُوحیٰ اِلیّ بیان کر دیا۔ یعنی نبی کا براہ راست تعلق حظیرۃ القدس سے ہوتا ہے اور اللہ کی ذات اس کی عصمت و حفاظت کی ضامن ہوتی ہے اس لیے نبی کی ذات سے کوئی بھی گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

الغرض اللہ کے سچّے نبی اگرچہ کہ بنی نوعِ انسان کی جنس سے ہوتے ہیں۔ مگر ایسے جیسے پتھروں میں یاقوت۔ جواہرات بھی پتھر کی جنس میں شمار ہوتے ہیں مگر پتھر کے مقابلے میں جواہرات کا کیا ٹھکانہ۔ جب اللہ کسی مخصوص بندے کو چن لیتا ہے۔ جن کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔ تو وہ دربارِ الٰہی کا نمائندہ بن جاتا ہے۔ اور پوری خدائی اس کی سچّائی کی گواہی دیتی ہے۔ چرندے، پرندے، درخت، پہاڑ اس کے آگے جھک جاتے ہیں۔ دریا اس کے لیے راستہ دیتے ہیں اور کائنات خداوندی اللہ کے حکم سے بلا کسی اسبابِ ظاہری کے اس کا حکم ماننے تیار رہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اللہ کا نشان ہوتا ہے۔ اور ایسی نشانی لے کر آتا ہے، جس کو عام و خاص لوگ کرنے سے اور دکھانے سے عاجز ہوتے ہیں۔ ایسی ہی خاص نشانیوں کو جو کہ نبی کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے معجزہ کہلاتا ہے۔ جیسے موسیٰؑ کلیم اللہ کا دستِ مبارک یدِ بیضا بن کر سورج کی طرح چمکتا تھا اور لوگوں کی نگاہوں کو خیرہ کر دیتا تھا۔ اور ہاتھ کا عصا اژدھا بن کر فرعونی تخت و اقتدار کو الٹ دیتا ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزادی دلانے لیے تشریف لائے تھے۔ چناں چہ انفلاقِ بحر (دریا کو پھاڑ دینے) کا معجزہ ان سے صادر ہوا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی پوری ظالم قوم کو دریا قلزم میں غرقاب کر دیا اور اپنی قوم بنی اسرائیل کو قوم فرعون سے آزادی دلایا۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کو ظاہر پرستی کے دلدل سے نکالنے کے لیے آئے تھے۔ کیوں کہ قوم کے سینے محبتِ الٰہی سے ویران ہو چکے تھے۔ اسی لیے اللہ کے خلیفہ داؤد علیہ السلام نے عشقِ حقیقی کی بانسری کے نغموں سے ان ویران سینوں کو عشق و محبت الٰہی سے لبریز کر دیا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قوم یہود میں مبعوث ہوئے۔ پوری قوم روحانی موت میں مبتلا تھی۔ اور آنکھیں نورِ حقیقت سے نابینا اور ان کے کان حق بات کو سننے سے ناآشنا ہو چکے تھے۔ اس لیے احیاءِ موتیٰ یعنی مُردوں کو زندہ کرنے کے عظیم الشان معجزے سے سرفراز کیا گیا۔

جب سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کا وقت آیا تو تمام دنیا جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ وہ دور ہی دورِ جاہلیت کے نام سے مشہور تھا۔ دنیا پہ پانچ سو برس کا زمانہ فترت کا ایسا گزرا کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی شعاعیں چمک کر ماند پڑ گئیں تھیں اور پچھلے نبیوں کی پھیلائی ہوئی روشنیاں بجھ کر رہ گئی تھیں اور عملی گمراہیوں نے انسانی زندگی کو اس طرح گھیرے میں لے لیا تھا کہ ہر عیب ہنر بن گیا اور گناہ کے کام ثواب کے کام بن گئے تھے۔ خیر و شر کا احساس مٹ چکا تھا۔ انسانیت روحانی پیاس سے بے دم ہو کر تڑپنے لگی تھی۔ اور نفس پرستی اور خواہش پرستی کی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پوری کائنات ڈوب چکی تھی کہ یکایک عرب کی وادیوں میں نورانی سحر چمکی کہ فاران کی چوٹیوں سے آفتابِ عالم تاب نکل آیا۔ یعنی نبیٔ اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی آخری نشانی بن کر تشریف لائے تھے اسی لیے انسانوں پہ حجت تمام کرنا اور اللہ کی خاص نعمت یعنی معرفت و وحدانیت کو عام کرنا آپؐ کا خاص مقصد تھا۔ اسی لیے پروردگارِ عالم نے ہر طرح کی نشانیوں کو آپؐ کے ہاتھوں سے ظاہر فرمایا۔ ہر نوع کے معجزے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائے۔ علمی معجزے بھی اور عملی معجزے بھی۔ چناں چہ قرآنِ کریم علمی و ابدی معجزہ ہے۔ جس کے ذریعہ سے روحانی انقلاب پوری دنیا نے ظاہری و باطنی انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نصف صدی کے اندر اُس وقت کی عظیم الشان روم و ایران کی شہنشاہتیں اسلام کے مقابلہ میں غبار بن کر اُڑ گئیں۔ اس اعجاز قرآنی کا اعتراف دوست و دشمن ہر ایک نے یکساں طور پہ کیا ہے۔

جس طرح رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ علمی معجزہ عطا فرمایا گیا اُسی طرح سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو عملی معجزات بھی لاتعداد و بے شمار عطا کئے گئے۔ مثلاً نبوت سے پہلے پتھروں کا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا۔ اور درختوں کا آپ کے آگے سر جھکانا اور بعد نبوت کے دشمن کی مٹھیوں میں کنکریوں کا کلمہ پڑھنا۔ اور آپؐ کا تعاقب کرنے والے سراقہ کے گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا اور اونٹ کا آپ کے آگے سجدہ کرنا اور اپنے مالک کی شکایت کرنا، بکریوں کے خشک تھنوں کا دودھ سے بھر جانا۔ استن حنانہ (ٹیک لگانے والی خشک لکڑی) کا آپؐ کے فراق میں رونا اور منبر پہ نہ بیٹھنے کی وجہ سے اس کا آہ و زاری کرنا اور بچّوں کی طرح بلبلانا۔ صحابہؓ اُس آہ و بکا کا سُننا۔ مٹھی بھر ریت کے ذرّوں کا سینکڑوں دشمنوں کی آنکھوں میں پہنچ جانا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی با برکت انگلیوں میں سے پانی کا پھوٹ نکلنا اور بے شمار آدمیوں کا اس سے سیراب ہونا۔ چند آدمیوں کے کھانے کا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات سے سینکڑوں لوگوں کے لیے کافی ہو جانا۔ غرض ایسے بے حد و بے شمار واقعات ہیں جن کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں۔ بلکہ چند مشہور معجزوں کی طرف اجمالی اشارہ کرنا مطلوب ہے۔ یہ وہ معجزات ہیں جن کو دیکھ کر بہت سے منکر و کافر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

لیکن ان عملی معجزات میں شق القمر کا معجزہ غیر معمولی اہمیت کا اور عجیب و غریب خصوصیت کا حامل ہے

کیوں کہ پچھلے پیغمبروں سے اور خود سرورِ کائنات سردار انبیا صلے اللہ علیہ وسلم سے جتنی بھی نشانیاں ظاہر ہوئیں ان سب کا تعلق کائناتِ ارضی (زمینی اشیاء) سے تھا۔ چوں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ابدی اور دائمی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پہ بھی نبی ہیں اور آسمانوں پر آپؐ کی خاتمیت کا جھنڈا لہرا رہا ہے اس لیے جس طرح آپؐ کو زمینی معجزوں سے نوازا گیا آسمانی معجزے سے بھی سرفرازی بخشی گئی۔ اور معراجِ آسمانی میں آپؐ کی امامت اور سیادت پر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی اقتدا و پیروی سے مہر تصدیق ثبت کرائی گئی اسی خصوصی فضیلت کی بنا حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسا معجزۂ عظیمہ یعنی معجزۂ شق القمر عطا فرمایا گیا۔

اس معجزۂ شق القمر واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت سے پانچ برس پہلے مکہ شریف میں جب کہ حج کا زمانہ تھا اور مقام منیٰ میں کفارِ عرب جمع تھے۔ چوں کہ عہدِ ابراہیمی سے حج کا سلسلہ برابر چلا آرہا تھا۔ اگرچہ کہ دَورِ جاہلیت نے اس پاکیزہ کی صورت مسخ کردی تھی۔ مثلاً ننگے ہوکر طواف کرنا، صفا و مروہ پہ اساف و نائلہ دو مرد و عورت بتوں کی ڈنڈوت کرنا وغیرہ۔ اس وقت ہادیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم قبائل عرب کے پاس دینِ حنیف کی دعوت پیش کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ رات کا کچھ حصّہ گزر چکا تھا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اس مقدس مشن کو سرانجام دے رہے تھے کہ ابوجہل نے ایک یہودی جو اس کے ہمراہ تھا۔ اس یہودی سے دریافت کرکے نبوت کی نشانی طلب کی اور چاند کے شق کرنے کی فرمائش نبیؐ کے سامنے رکھ دی۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ جو عینی شاہد ہیں وہ اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں کہ

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا۔ چاند پھٹ گیا ایک جبل ابوقبیس پر تھا۔ تو دوسرا کوہ قیقعان پر تھا۔ یعنی ایک مشرق طرف تو دوسرا مغرب کی طرف اور کوہِ حرا ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان تھا۔ جب مجمع اچھی طرح نظارہ کرلیا تو اس کے بعد دونوں ٹکڑے مل گئے۔ یہ دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ہم پر جادو کردیا ہے۔ مگر یہودی فوراً مسلمان ہوگیا اور ابوجہل منکر ہی رہا۔ ان میں سے بعض نے کہا: محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اگر ہم پر جادو کردیا ہے تو دوسرے اور لوگ جو یہاں نہیں ہیں ان پر تو وہ جادو نہیں کرسکتے۔ اور مقامات سے لوگوں کو آنے دو ان سے تحقیقات کی جاے۔ چناں چہ جب دُور دُور کے لوگ مکہ پہنچے تو ان سے اس حادثہ کی تصدیق حاصل ہوی اور اس کے ساتھ جبرئیلِ امین یہ آیتیں لے کر نازل ہوے اقتربت الساعة وانشق القمروان یروا اٰیة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر (سورہ قمر) یعنی وقت آگیا ہے اور چاند پھٹ گیا اور کفار مکہ جب کوئی بڑی نشانی دیکھتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا رہا ہے۔ ابوجہل اور کفار مکہ کی ہٹ دھرمی اور اللہ کی اس بے مثال اور واضح نشانی کو دیکھ کر ان لوگوں کی

دھٹائی کو رد کرنے کے لیے پروردگارِ عالم نے سورۃ الحجر میں ارشاد فرمایا : ولو فتحنا علیھم بابا من السماء فظلوا فیہ یعرجون ط اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور یہ دن کے وقت اس دروازہ سے آسمان پر بھی چڑھ جائیں : لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون ط یعنی تب بھی یہ یوں کہیں گے سوائے اس کے نہیں کہ ہماری دید بندی کر دی گئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شق القمر کچھ دیر تک رہا۔ اگر ہم آسمان پر دروازے کھول دیتے اور وہ کافر لوگ دن بھر اس کا نظارہ کرتے تب بھی وہ سحر پر ہی محمول کرتے۔ حالاں کہ آسمان کو خداوند قدوس نے ہر شیطان سے محفوظ رکھا۔ اس پر سحر کا اثر نہیں ہو سکتا۔ قصّہ مختصر یہ کہ یہاں تک تو یہ واقعہ معجزۂ شق القمر تاریخی حیثیت سے ثابت ہے کہ یہود کے کہنے پر کفار مکہ اور ابو جہل نے شق القمر کو طلب کیا تھا جس کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک کے اشارہ سے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا۔ اور اس واقعہ کی سچائی پر قرآن مجید نے بھی گواہی دے دی۔

لیکن واقعہ عظیمہ کو علمائے نجوم کچھ اور ہی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بلکہ اس واقعہ کے وقت موجود علمائے نجوم حیران و ششدر اور ہکا بکا رہ جاتے ہیں۔ ان علمائے نجوم کی حیرانی و پریشانی کو سنانے سے پہلے علم نجوم سے متعلق کچھ عرض کر دینا ضروری ہے۔

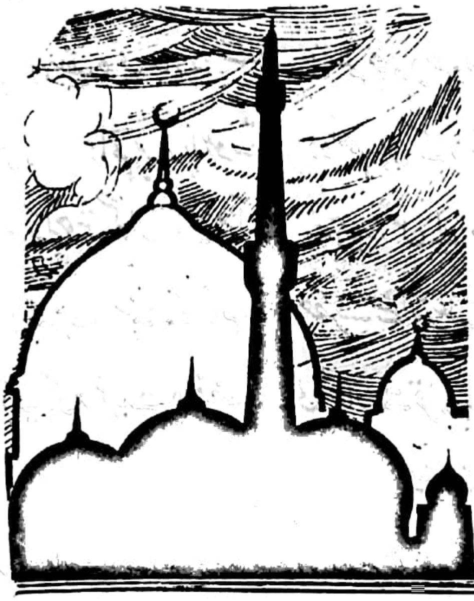
واقعہ یہ ہے کہ خالقِ کائنات نے زمین سے آسمان تک۔ جو محفلِ کائنات سجائی ہے وہ اپنے حسن و خوش نمائی اور رعنائی کے اعتبار سے خداوندی حسن و جمال اور قدرت و کمال کا آئینہ ہے۔ جس کے اندر اس کی نشانیاں جھلک رہی ہیں۔ عالم شہادت کی ہر ایک چیز میں قدرت نے ایک خاصیت بخشی ہے۔ خواہ اجرام علوی کے سیارے ہوں ستارہ ہوں یا اجسام سفلی کے جمادات و نباتات و حیوانات ہوں۔ اگر چہ موثر بالذات خدا کی ذات ہے لیکن مخلوقات میں بھی خالق کائنات نے گونا گوں خاصیت اور بوقلموں تاثیرات عطا کی ہیں جس طرح چاند سورج کی کھلی تاثیرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی حرارت و روشنی اشیائے عالم میں جلوہ فرما ہے۔ اسی طرح ستاروں کی بھی تاثیرات ہیں اشوری، بابلی اور مشرقی قوموں نے خصوصاً ہندوستان میں سبعہ سیارہ اور دیگر ستاروں کے متعلق قسمت سازی کے جو عقائد قائم کر رکھے ہیں اسلام نے اس کی نفی کر دی۔ آپ دیکھیں گے کہ مشرکین میں جو علم نجوم کے ماہر کہلائے جاتے ہیں وہ اس میں اس قدر غرق ہیں کہ ان کے نزدیک خدا کا مقام باقی ہی نہیں رہتا۔ بس وہ تو برجوں اور ستاروں کی چالوں ہی کو نقطۂ آخر سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ بنیادی طور پر عقیدۂ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ ستاروں کی کوئی بھی تاثیرات نہیں ہیں۔ بقول علامہ انور شاہ صاحب کشمیری یہ خلاف حقیقت ہے پچھلی گمراہ اقوام کے

باطل عقیدہ کی بناء پر اسلام نے علم نجوم (جیوتش) کو قابلِ اعتبار قرار نہیں دیا۔ لیکن مختلف ستاروں کے اجتماع وافتراق سے حوادث عالم برپا ہوتے ہیں وہ حکم الٰہی کے ماتحت ہونے کی بنا پر قابلِ لحاظ ہیں۔ جس وقت زہرہ ومشتری کا اجتماع ہوجائے تو اس کے خوش گوار نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اس لیے امیر تیمور صاحب قِران کہلایا اور ایسے ہی مغل بادشاہوں میں شاہجہاں صاحبِ قران ثابت ہوا۔ علمائے نجوم نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت، بعثت اور ہجرت اور فتحِ مکہ کے وقت ان کواکب کے اجتماع کو آپؐ کی خاتمیت وافضلیت کی شہادت قرار دیا ہے۔

بہرحال جس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے معجزہ شق القمر صادر ہوا اس وقت زہرہ ومشتری کا عمل ایک طرف تھا۔ جو دنیا کو خیر ہی خیر کی جلوہ گاہ بنا دیتا ہے۔ دوسری طرف عطارد وزحل کا عمل اس کے مخالف عمل تھا۔ جو دنیا کو برائیوں کا آماجگاہ بنا دیتا ہے۔ چاند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ متضاد کواکب وسیاروں کے اثرات کو بیک وقت اپنے اندر لیے ہوئے اور عروج وزوال والی رفتار میں علیحدہ علیحدہ ان کو اہلِ عالم پر طاری کر دیتا ہے۔ چناں چہ معجزہ شق القمر کی ساعت وہی ساعت ہے۔

اس معجزہ سے جو زبردست انقلاب نظامِ علوی سے آیا اور اس کی وجہ سے زمین کے نظام پر جو اثر برپا ہوا اس کو ہم لوگ سمجھ نہیں سکتے اور یہ خصوصیت صرف چاند کو حاصل ہے۔ کہ وہ متضاد کواکب وسیارات کے اثرات کو بیک وقت اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور عروج وزوالی رفتار میں علیحدہ علیحدہ ان کو اہلِ عالم پر طاری کیا کرتا ہے۔ جس فرقانی ساعت میں چاند دو ٹکڑے ہوئے وہ ساعت ایک ایسی اہم ساعت تھی، جس میں زہرہ، مشتری اور شمس کا عمل ایک جانب اس انداز سے مجتمع ہوگیا تھا اور اس کے مقابل مریخ وزحل اور عطارد کا عمل دوسری جانب اسی انداز سے مساوی طور پر مجتمع ہوگیا تھا۔ مذکورہ بالا چھ متضاد سیاروں کے متضاد عمل نے ایک ایسی کشمکش کی صورت پیدا کر دی تھی کہ اس کے بعد جس طرف بھی سیارہ قمر ہوجاتا وہی جانب ہمیشہ کے لیے عالم پر باذنِ اللہ اثر انداز رہتا۔ اگر سیارہ قمر زہرہ ومشتری وسورج کی جانب ہوجاتا تو اس عالم سفلی میں ہمیشہ کے لیے خیر ہی خیر کا ظہور ہوتا رہتا۔ اگر بجانب مریخ وزحل وعطارد کو اس کی حمایت ہوتی تو ہمیشہ کے لیے اس عالم میں باذن اللہ شر ہی شر کا ظہور ہوتا۔ اس نزاکت کا احساس فرما کر جناب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دو حصوں میں اس ساعت میں تقسیم فرما کر ہر دو قسم متضاد سیاروں میں ایک اعتدال اور مساوی صورت پیدا کر دی اور دونوں کے متضاد اثرات سے جو ایک تخریبی صورت سی پیدا ہو چلی تھی، اسے رفع کر دیا۔ اس بنیادی فرقانی ساعت میں جو ساعت کہ صدیوں کا خلاصہ لیے ہوئے کبھی کبھی آتی ہے اگر پورا چاند کسی ایک جانب بھی

(بقیہ صـ 175 پر ملاحظہ ہو۔)



تاریخ علمِ فقہ

✡ مولوی قاری ایم۔بی۔ شیخ فضل اللہ لطیفی ایم۔اے، جبنجی۔ استاذ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علم فقہ کا فن ائمۂ مجتہدین کے دور کی پیداوار ہے۔ یہ صریح غلطی ہے۔ احادیث اور تاریخ اسلام کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ علم فقہ کی بنیاد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پڑ چکی تھی۔

علم فقہ کا پہلا دور

علم فقہ کا یہ پہلا دور ظہور نبوت سے لے کر سنہ ۱۱ ہجری تک ہے۔

اس دور کو عہدِ رسالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس عہد مبارک میں چونکہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی منبع احکام اور شارع اسلام ہونے کی حیثیت سے صحابہؓ کے درمیان موجود تھی، اس لیے اپنی زندگی میں جب بھی انھیں کوئی نیا مسئلہ پیش آتا وہ فوراً آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے۔ انھیں حکم معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ البتہ جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کسی کو عامل بنا کر بھیجتے، وہاں پر جب کوئی نیا مسئلہ پیش آجاتا حکم دریافت کرنے کے لیے پیغمبر بھی موجود نہ ہوں اور قرآن وسنّت سے بھی کوئی صریح ہدایت نہ ملتی ہو، ایسی حالت میں شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لیے انھیں اجتہاد کی ضرورت پیش آئی۔ اس طرح کے واقعات اور حالات سے ہمیں عہدِ رسالت میں علم فقہ کی بنیاد دستیاب ہوتی ہے۔ اور نئے نئے مسائل میں خود حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے احکامات وارشادات سے شریعت کا مزاج سمجھ میں آتا ہے۔ کہ کن حالات میں شریعت کیا چاہتی ہے۔

علمِ فقہ کا دوسرا دور

علمِ فقہ کا دوسرا دور کبار صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

کا عہد مبارک ہے جو ۱۱ھ سے ۴۱ھ تک کا دور ہے ۔ جسے فقہ صحابہ رض کا دور کہتے ہیں ۔

ذیل میں اس دور کے مشہور فقہائے کرام کے نام درج ہیں :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ

علم فقہ کا تیسرا دور :

علم فقہ کا تیسرا دور صغار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور کبار تابعین (رحمہم اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا ہے ۔ یہ دور ۴۲ ہجری سے دوسری صدی ہجری کی ابتداء پر ختم ہوتا ہے، یہی وہ مبارک دور ہے ۔ جب کہ اسلامی اقتدار کا سورج خط نصف النہار پر چمک رہا تھا ۔ شرق و غرب اور جنوب و شمال میں دور دور تک اسلام کی بادشاہت کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے ۔ دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے امّت کے اصحابِ علم وفضل اسلامی مفتوحات کی وسعتوں میں ہر طرف گروہ در گروہ پھیل گئے ۔ چناں چہ اس دور کے مشہور فقہائے کرام کے اسمائے گرامی پڑھنے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ علمی و فقہی شخصیتوں کے مراکز کم و بیش سارے اسلامی بلاد میں قائم ہو گئے تھے ۔ جہاں سے دینی علوم اور فقہی مسائل کی تدوین و اشاعت کا سلسلہ ساری دنیا میں پھیل گیا ۔

اب ذیل میں اس دور کے مشہور فقہائے کرام کے اسمائے گرامی درج ہیں :۔

فقہائے مدینہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ ۔ حضرت عروہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ۔ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ ۔ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۔ حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ ۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت نافع رضی اللہ عنہ ۔ حضرت ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ ۔ حضرت ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ ۔ حضرت ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان رضی اللہ عنہ ۔ حضرت یحییٰ بن سعید انصاری رض اور حضرت ربیعہ بن ابو عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالےٰ عنہ

فقہائے کوفہ

حضرت علقمہ بن قیس نخعی رض ۔ حضرت مسروق بن اجدع رض ۔ حضرت عبیدہ بن عمر سلمانی رض ۔ حضرت اسود بن یزید نخعی رض

حضرت شریح بن حارث کندیؒ۔ حضرت ابراھیم بن یزید نخعیؒ۔ حضرت سعید بن جبیرؒ۔ اور حضرت ماعز بن شرحبیل رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

فقہائے بصرہ

حضرت انس بن مالک انصاریؓ۔ حضرت ابوالعالیہؒ۔ حضرت ابوالشعثاء جابر بن یزیدؒ۔ حضرت محمد بن سیرینؒ حضرت حسن بن ابوالحسن یسارؒ اور حضرت قتادہ بن دعامہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

فقہائے شام

حضرت عبداللہ بن غنم اشعریؓ۔ حضرت ابوادریس خولانیؒ۔ حضرت قبیعہ بن ذویبؒ۔ حضرت مکحول بن ابومسلمؒ۔ حضرت رجا بن حیات کندیؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

فقہائے مصر

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔ حضرت ابوالخیر مرشد بن عبداللہؒ اور حضرت یزید بن حبیب رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

فقہائے یمن

حضرت طاؤس بن کیسان جندیؒ۔ حضرت وہب بن منبہؒ اور حضرت یحییٰ بن کثیر رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین

علم فقہ کا چوتھا دور

علم فقہ کا چوتھا دور دوسری صدی ہجری سے شروع ہو کر چوتھی صدی ہجری کے تقریباً نصف صدی ہجری تک تمام ہو جاتا ہے۔

اس دور میں اسلامی فتوحات کی وسعت، مختلف اقوامِ عالم کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط، زبانوں کے تبادلے۔ دینی حلقوں میں یونانی علوم وفنون کی ترویج۔ اقطار ارض میں اسلامی علوم کی نشر واشاعت اور مختلف تہذیبوں کے ساتھ اسلامی تمدن کے تصادم کی وجہ سے اس وقت کی دنیا ایک جہانِ نو میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اسلامی تاریخ کا یہی وہ فرخندہ فال عہد ہے جب کہ اساطین امت کو پورے اقطار ارض میں زندگی کے نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ دین کی بقاء اور کتاب وسنت کے تحفظ کے لیے نئی نئی ضرورتوں کا احساس ہوا۔ فکر ونظر کے جوہر کھلے۔ علم وادراک کے سینکڑوں دائرے حرکت میں آئے۔ نئے نئے فنون کی بنیادیں رکھی گئیں۔ تدوینِ حدیث کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ مجتہدینِ امت کے بہت سارے حلقے وجود میں آئے اور سینکڑوں افراد اسلامی قوانین کی تدوین واستنباط کے کام میں شب وروز لگے رہے۔ تب جا کر

(بقیہ صفحہ 137 پر)

اردو ادب میں خواتین کی اردو خدمات
اور
ڈاکٹر ذاکرہ غوث کا تحقیقی کارنامہ

✡ علیم صبا نویدی : مدیر "نورِ جنوب" چنئی :

خواتین نے ابتدا ہی سے مختلف شعبہ ہائے حیات میں اپنی گوناگوں صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ تاہم سماج میں خواتین کو کیا مقام حاصل ہونا چاہیے یہ مسئلہ ہمیشہ سے عالمی مفکرین کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ افلاطون اور کارل مارکس کو چھوڑ کر کم و بیش تمام مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ طبعی اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے عورت مردوں کے مقابلہ میں کم تر حیثیت کی حامل ہے اور اور سماج میں صنفِ نازک کا مقام متعین کرتے وقت اس بنیادی حقیقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

افلاطون جس نے مرد اور عورت کی مساوات کا نظریہ پیش کیا تھا۔ وہ بھی بالآخر اس اصول کی حمایت کرتا ہے۔ صرف کارل مارکس ایک ایسا مفکر ہے جس نے اس اصول سے بالکلیہ اختلاف کیا ہے۔ اس کے خیال میں عورت کی طبعی اور ذہنی کمزوری، اس کی معاشی مجبوری ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مردوں نے عورتوں کو اپنا غلام بنا رکھا۔ اگر عورت معاشی اعتبار سے آزاد اور خود مکتفی ہو جائے تو اس کی طبعی اور ذہنی صلاحیتیں کسی بھی اعتبار سے مرد کی صلاحیتوں سے کم تر نہیں ہیں۔

علامہ اقبال نے سماج میں عورت کے مقام کے تعین کے سلسلہ میں جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے، وہ مذہب اسلام کی اصولی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اسلام نے مردوں اور عورتوں کی اخلاقی مساوات کی تعلیم دی ہے اور دنیا کے مختلف معاشروں میں عورتوں پر جو ظلم و ستم روا رکھا گیا تھا اس کی شدت سے مخالفت کی ہے۔ لیکن اسلام ایک حقیقت پسند مذہب ہے، جو عورتوں کی استعداد کے مطابق ذمہ داریاں دینے کی تائید کرتا ہے۔

اس مختصر سی تمہید کی روشنی میں جب ہم عورتوں کے مختلف النوع، سماجی، تہذیبی، تعلیمی، تاریخی، ادبی، سائنسی اور امورِ خانہ داری سے متعلق غیر معمولی خدمات پر نظر ڈالتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے کہ صنفِ نازک کہلائی جانے والی خواتین نے درونِ خانہ ذمہ داریوں کے پہلو بہ پہلو کس قدر گراں بہا خدمات انجام دی ہیں۔ خواتین کی خدمات کے سلسلہ میں جو اہم کاوشیں

منظرِ عام پر آئی ہیں ان میں غالباً پہلا تذکرہ مولوی محمد عباس لاہوری نے 1902ء میں تذکرہ "مشاہیر نسواں" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس تذکرہ میں ہندوستان، ایران، عرب اور یورپ کی مشہور خواتین کے مختلف طبقوں کے حالات اور کمالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

خواتین کے اس تذکرہ کے بعد 1956ء میں مولوی فصیح الدین بلخی کا تذکرہ، جو ہندوستان کے پانچ سو شاعرات مصنفات، کاملات، شہیرات اور مقدمات کے حالات مستند تواریخ پر مشتمل ہے، منصۂ شہود پر آیا۔ اس تذکرے میں رضیہ سلطان شیرین (المتوفا 643ھ)، گلبدن بیگم (بابر بادشاہ 926ھ 937ھ کی قابل بیٹی) مصنفہ "ہمایون نامہ" جس کا ترجمہ انگریزی میں بیورج (Buveridge) نے کیا تھا، جانان بیگم (دختر عبدالرحیم خان خاناں) نور جہاں بیگم (اہلیہ جہانگیر بادشاہ) زیب النساء مخفی (المتوفا ۱۱۱۲ھ دختر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر) مصنفہ "مونس الارواح" اور "زیب التفاسیر تھیں"، چندا مہ لقا دچندا کو بعض محققین نے اردو شاعری کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ کہا ہے۔ لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں اردو کی سب سے پہلی صاحب دیوان شاعرہ چندا نہیں بلکہ لطف النساء امتیاز ہے۔) دلہن (نواب انتظام الدولہ کی دختر اور نواب آصف الدولہ والیٔ اودھ کی زوجہ تھی۔) حیات النساء حیا (شاہ عالم ثانی بادشاہ کی دختر) بیگم عشرت محل (زوجۂ نواب واجد علی شاہ اودھ۔) ا ثیمہ آرکاٹی (زوجۂ نواب امیر علی خان آمیر اور مصنفہ "مثنوی مہ رخاں"، "گلشن مہوشان"، "گلشن شاہداں"، مثنوی "گلشنِ عاشقاں تھیں۔) امرتا پیتم، لیلاوتی، شریمتی ہردیوی، صغرا ہمایوں مرزا، ڈاکٹر رشید جہاں، عصمت چغتائی، مہادیوی ورما، قرۃ العین حیدر، رضیہ سجاد ظہیر، ممتاز شیریں، سرلا دیوی، حجاب امتیاز علی تاج، مسز سروجنی نائیڈو، جیلانی بانو اور زہرہ نگاہ کا تذکرہ صاحب تصنیف شاعرات اور ادیبوں میں کیا ہے۔

اس تذکرہ کے بعد عبدالرزاق بسمل کا "تذکرۂ جمیل" منظر عام پر آیا۔ جس میں مشاہیر خواتین کا جائزہ تو تھا لیکن دکن کی خواتین کی نئی پود جو اپنی اعلیٰ وارفع علمی خدمات اور سماجی کارروائیوں کی وجہ سے ممتاز مقام رکھتی تھی، اُن کا تفصیلی ذکر نہیں ہے۔

اس کمی کو پورا کرنے کے لیے جنوب کے آفاق گیر شہرت رکھنے والے محقق مولوی نصیر الدین ہاشمی نے ایک کتاب بنام "حیدر آباد کی نسوانی دنیا" 1944ء م 1363ھ میں اردو ادب کو دی۔ جس میں مولوی موصوف نے حیدر آباد کے تئیس ستاروں کی نورانی چمک سے دنیائے ادب کو روشناس کیا۔ ان ستاروں میں ہر ہائی نس شہزادی، در شہوار دردانہ بیگم۔ شہزادی نیلوفر، فرحت بیگم، بیگم ولی الدولہ، بیگم مہدی نواز جنگ، رلفی سامراج، سروجنی نائیڈو، بادشاہ بیگم صوفی، صغرا ہمایون مرزا، مسز نندی، مس پدمجا نائیڈو، مس لیلی منی نائیڈو، بیگم امیر حسن، مس ایڈلا ڈلامہ، مسز تلپے، مسز اوبل ریڈی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اس تذکرے سے دکن کی نئی پود خواتین کی ناقابلِ فراموش علمی، معاشی، سماجی اور سرکاری خدمات کو بڑی عرق ریزی اور جانفشانی، خاص لگن اور انہماک کے ساتھ اُجاگر کیا ہے، جو

یقیناً تاریخ ادب اردو میں ایک اضافہ ہیں۔ کسی صلہ اور تمنا کی غرض سے مبرا ہو کر مولوی نصیر الدین ہاشمی نے جو خدمت انجام دی ہے' اس کا نئی نسل کی خواتین کو احسان مند ہونا ضروری اور لازمی ہے۔

حالیہ دور میں حضرت طالب ہاشمی کی کتاب "تاریخ اسلام کی چار سو با کمال خواتین (مطبوعہ ۱۹۹۸ء لاہور) عالم ظہور میں آئی۔ یہ کتاب پہلی صدی ہجری سے شروع ہو کر چودھویں صدی ہجری پہ محیط ہے۔ اس کتاب میں حضرت موصوف نے ان باکمال خواتین کا تفصیلی ذکر کیا ہے، جنھوں نے اپنے علم و دانش، ذہانت و فطانت، فہم و فراست، عزم و استقلال، جذبۂ ایثار پاکیزہ قلبی محبت اور وفاداری، شجاعت و کامرانی، اور بلند حوصلگی کی انمٹ اور انمول مثالیں پیش کی ہیں اور جن خواتین میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ حب الوطنی کا بے پایاں جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا، ان پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ گویا یہ باکمال خواتین کسی نہ کسی پہلو سے یکتائے زمانہ تھیں۔ حضرت طالب ہاشمی کا یہ کارنامہ یقیناً تاریخ میں نورٌ علیٰ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

اردو ادب میں اول اول خواتین کی ذہنی پرورش و پرداخت اور دینی تعلیم و تربیت کی طرف اپنی شعری کاوشوں کے ذریعہ رغبت دلانے والی شخصیات میں خاندان نوائط کی عہد آفریں ہستی مولانا مولوی باقر آگاہ ویلوریؒ کے علاوہ مولوی عبدالحیؒ واعظ بنگلوری کا نام اور کام ہمیشہ اردو ادب کی بارگاہ میں روشن رہے گا۔ مولانا باقر آگاہ ویلوری کے بعد اس سلسلہ کو آگے بڑھانے والوں میں قاضی بدرالدولہ اور ان کے خاندان کے ارباب علم و فن پیش پیش رہے ہیں۔ بالخصوص نوابین آرکاٹ کے دور میں اہل نائط نے نہ صرف قوم و ملک کی بیش بہا خدمت انجام دی بلکہ خواتین کو تحصیل علم کی طرف رجوع کرنے میں بھرپور کامیابی حاصل کی۔ اسی نائط خاندان کی ایک اہم اور ممتاز خاتون ڈاکٹر ذاکرہ غوث تھیں۔

ذاکرہ غوث کی پیدائش 6 اپریل ۱۹۲۳ء کو حیدرآباد میں ہوی۔ آپ کے والد کا نام فضل اللہ احمد ہے فضل اللہ احمد نے حیدرآباد میں حیدری گشتی کتب خانہ کی بنیاد ڈالی اور اس کے بذات خود مہتمم رہے۔ یہ کتب خانہ آج بھی جاری و ساری ہے۔ اس کتب خانہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ذاکرہ غوث کی والدہ محترمہ امتہ الماجد نے اپنا تمام زیور بطور عطیہ دے دیا امتہ الماجد نے اردو میں "خاندانی روزنامچہ" خاندان کی سوانحی قاموس مرتب کی تھی اس خاندان کے مشاہیر میں قاضی عبیداللہ، مولوی محمود صاحب، مولوی محمد مرتضیٰ (تحریک جامعہ عثمانیہ کے اہم رکن) مولانا باقر آگاہ ویلوری، قادر مرتضےٰ، مولوی نصیر الدین ہاشمی، قاضی محمد حبیب اللہ، ڈاکٹر محمد غوث، ڈاکٹر حمید اللہ، عبیداللہ زبیر وغیرہ ہیں

ڈاکٹر ذاکرہ غوث کی ابتدائی تعلیم حیدرآباد میں ہوی۔ پرائمری اور ہائی اسکول کی تعلیم گوشہ محل گرلس اسکول نامپلی گرلس ہائی اسکول، مچھلی کمان گرلس ہائی اسکول وغیرہ میں پائی۔ آپ کا ذریعۂ تعلیم اردو تھا۔ پھر آپ نے کلیات اناث جامعہ عثمانیہ

سے انٹرمیڈیٹ کیا جس میں آپ کے مضامین فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی تھے۔ پھر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد ہی سے بی۔ اے کیا جس میں اردو کے علاوہ معاشیات اور عمرانیات آپ کے مضامین تھے۔ پھر آپ نے ناگپور یونیورسٹی سے ایم۔ اے (اردو ادب) کیا۔ آپ نے مدراس یونیورسٹی سے ایم۔ لٹ کیا جس میں آپ کے مقالہ کا عنوان Aqah's Contribution to Arabic, Persian and Urdu تھا۔ مقالہ انگریزی میں تحریر کیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے مدراس یونیورسٹی سے 1994ء میں "خانوادۂ قاضی بدرالدولہ کے خواتین کی علمی و ادبی خدمات" پی۔ ایچ ڈی کیا تھا۔

ڈاکٹر ذاکرہ غوث بڑی وضع دار اور خاموش طبیعت خاتون تھیں۔ آپ میں ذرا بھر بھی نمائش یا زعم ہمدانی نہیں تھی۔ خاندانی شرافت آپ کے ہر عمل اور قول سے چھلک پڑتی تھی۔ آپ نے پہلے گورنمنٹ مڈل اسکول کھمم آندھرا پردیش میں 1945ء تا 1946ء کی قلیل مدت کے لیے اسکول اسسٹنٹ کی حیثیت سے ملازمت کی۔ پھر 1961ء تا 1964ء اینفراج کالج مدراس میں اردو لکچرار کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1964ء کے بعد اس کالج سے شعبۂ اردو برخواست کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی آپ کی ملازمت بھی ختم ہو گئی۔ اینفراج کالج کا وجود مسلم ایجوکیشنل اسوسی ایشن سدرن انڈیا کی کوشش سے قائم ہوا تھا اور یہ زبانی معاہدہ ہوا تھا کہ اس کالج میں تاریخ اسلام اور اردو کو بحال رکھا جائے گا۔ مگر افسوس کہ یہ زبانی معاہدہ قائم نہ رہ سکا اور بعد میں یہ کالج دیگر علوم و فنون کے لیے مختص کر دیا گیا۔

ڈاکٹر ذاکرہ غوث نے آندھرا پردیش، کرناٹک، مہاراشٹر اور تمل ناڈو کے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ ان میں بعض مقامات کا سفر ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کی سوانح ترتیب دینے کی غرض سے تھا۔ اس کے علاوہ اپنے شوہر محمد غوث انسپکٹر آبکاری کے ساتھ حیدر آباد کے مختلف مقامات کا دورہ بھی کیا ہے اور ملازمت کے سلسلہ میں اور دیگر ضروریات کی بنا پر آپ نے کھمم، ورنگل اور محبوب نگر میں بھی مختصر مدتوں کے لیے قیام کیا ہے۔ آپ نے سعودی عرب اور جرمنی کا بھی سفر کیا تھا۔

ڈاکٹر ذاکرہ غوث کی تصنیفات و تالیفات میں "باقر آگاہ۔ شخصیت اور فن"، "حیاتِ حق کی جھلکیاں" اور "انشائے حق" بے حد مشہور رہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر ذاکرہ غوث نے اپنی غیر مطبوعہ تصنیف "خواتینِ خانوادۂ بدرالدولہ کی علمی خدمات" میں بڑی فنی چابکدستی اور تعمق نظری سے اُس دور کے جغرافیائی، تاریخی، ثقافتی اور سوانحی پس منظر میں اس خاندان کی خواتین کی علمی، ادبی، تہذیبی اور ملی خدمات کے ساتھ ساتھ ان کی ادبی لیاقت، فکری آفاقیت اور ان کے تمدنی ارتقاء کا مکمل جائزہ لیا۔ کہیں کہیں انھوں نے اپنی تحریروں میں اُس دور کے گوناگوں تقاضوں، پیچیدہ مسائل اور نت نئی صالح قدروں پر بھی اجمالی روشنی ڈالی ہے۔ جس کی وجہ سے اُس دور کے تاریخی خدوخال بھی واضح طور پر سمجھ کی حدود میں آگئی ہیں۔

ڈاکٹر ذاکرہ غوث کی پیشِ نظر تصنیف دس ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے باب میں قبلِ اسلام عربوں کے

اہلِ ہند سے روابط، تجارتی تعلقات اور اسلام کے آغاز کے بعد تبلیغ مذہب کی خاطر شیوخ عرب کی جنوبی ہندوستان میں آمد کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ خاندانِ بدرالدولہ انھیں عرب شیوخ کی اولاد کہلاتا ہے۔

دوسرا باب آرکاٹ اور مدراس کے علمی، ادبی اور تہذیبی پس منظر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں نوائط خاندان کی حکومت سے لے کر والاجاہی عہد کے خاتمے تک کے تاریخی اور سماجی حالات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں فقیہہ عطا احمد سے مولوی محمد غوث شرف الملک تک کے عہد کی خواتین کی مذہبی اور علمی خدمات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

چوتھے باب میں برطانوی حکومت کی الحاقی پالیسی کے زیرِ اثر کرناٹک کے نوابوں کے برائے نام اقتدار کے خاتمہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ خانوادۂ قاضی بدرالدولہ کی مدراس سے ہجرت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

پانچویں باب میں مختلف زاویوں اور رسائل و جرائد سے وابستہ اس خاندان کی خواتین کی خدمات پر بھرپور نظر ڈالی گئی ہے۔

چھٹے باب میں خواتین خانوادہ بدرالدولہ کی تصنیفی و تالیفی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

ساتویں باب میں اس خاندان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ مستورات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

آٹھواں باب خاندانِ قاضی بدرالدولہ کی درس و تدریس سے وابستہ اور ملازم پیشہ خواتین سے متعلق ہے۔

نویں باب میں خانوادہ بدرالدولہ کی ایسی مستورات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے، جنھوں نے اپنے آپ کو سماجی اور اصلاحی خدمات کے لیے وقف کر دیا تھا۔

دسواں باب بعنوان "ماحصل" ہے جس میں مولوی نصیرالدین ہاشمی کے دو مضامین جو "رسالہ عصمت" دہلی میں شائع ہوئے تھے اس کا تقابلی مطالعہ کیا ہے اور تیسرا مضمون ناصرہ بیگم جو قاضی بدرالدولہ کی خواتین سے متعلق تھا اس پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

ڈاکٹر ذاکرہ غوث کے بیان میں صد فی صد سچائی ہے کہ خانوادۂ قاضی بدرالدولہ کے خاندان کی مستورات پردہ نشین دین دار اور مذہبی ہونے کے علاوہ تعلیم یافتہ، وسیع النظر، کشادہ دل، روشن دماغ اور تمدنی اعتبار سے ترقی پسند رہی ہیں۔

سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان خواتین نے اپنے زمانے میں تعلیم نسواں کو عام کرنے کی تحریک کو اپنی زندگی کا نہ صرف شعار اور مقصد بنایا بلکہ اپنی تصنیف و تحریروں کے وسیلے سے خواتین خاندانِ نائط میں دینی و علمی بیداری کے جوہر پیدا کرنے اور ان کو اپنے ماحول میں سلیقہ سے نمایاں کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان خواتین نے اسی

مشن کو قلمی رسالوں سے ایک نئی زندگی اور توانائی عطا کی۔ یہ رسالے یقیناً اُس زمانہ کی تہذیبی اور ثقافتی لہروں کے وہ آبگینے ہیں جن میں اُس وقت کے علمی گھرانوں کی عورتوں اور بچّوں کی نایاب اور نادر تصویریں روشن ہیں۔

ڈاکٹر ذاکرہ غوث نے اس مقالہ کے توسط سے اُس دور کے حالات کو بے نقاب کیا ہے جس دور میں عوام میں تعلیم نسواں عنقا تھی اور خواص میں بھی مقبول نہ تھی۔ متمول دینی اور علمی گھرانوں میں بھی تعلیم نسواں بالکل واجبی تھی۔ اس وقت خانہ نشین عورتوں کا اردو پڑھنے کی حد تک تعلق تھا۔ لیکن انھیں تحریروں کے فن کو برتنے سے باز رکھا گیا۔ کیوں کہ یہ بات اُس زمانہ میں غیر مستحسن متصور تھی۔ حالاں کہ ڈاکٹر ذاکرہ غوث کا یہ مقالہ قاضی بدرالدولہ کے خواتین کی تحریروں، روزنامچوں، مراسلات، طبّی نسخوں اور رسائل کا عکاس ضرور ہے۔ لیکن ایک بات اس کتاب میں ضرور کھٹکتی ہے۔ وہ یہ کہ اس خاندان کی خواتین کی تحریروں کے نمونے شامل نہیں ہیں۔ کاش موصوفہ اس طرف بھی توجّہ دیتیں تو یہ کتاب اور بھی جان دار اور وقیع ہو جاتی

من حیث المجموع ذاکرہ غوث کا یہ سوانحی، تاریخی، علمی و ادبی اور تحقیقی اعتبار سے خواتین کی تاریخ ادب اردو میں واقعی ایک قابلِ قدر اضافہ ہے اور ہمارے دیس کی خواتین کے لیے ایک ایسا روشن مینار رہے جس کی کرنوں میں باصلاحیت خاتون اپنے کھوئے ہوئے مقام اور وجود کو تلاش کرنے میں یقیناً کامیاب ہو جائے گی۔ :.

حوالجات :

۱۔ قریب قریب اسی دور میں مولانا راشد الخیری نے ماہنامہ "عصمت" دہلی اور ممتاز علی اور ان کی اہلیہ بیگم محمدی نے ہفت روزہ "تہذیب النسواں" لاہور سے خواتین کے جاری کئے۔ غالباً اسی دور میں (1916ء) شہر مدراس مولانا عبد المجید شرر آلندوری نے خواتین کے لیے ایک ماہنامہ "رسالۂ نور" جاری کیا۔ جس دس پندرہ شمارے راقم "کتب خانہ اہل الاسلام (وقف) (اس کتب خانہ کی بنیاد گورنمنٹ ایجنٹ ایڈورڈ بالفور نے 1850ء میں رکھی اور اس کے سرپرست نواب غوث خان اعظم اور گورنر آف مدراس سر ہنری پاٹنجر بنائے گئے) نے دیکھے تھے۔

۲۔ بسمل صاحب نے خواتین کے لیے ایک ماہنامہ "ناہید" حیدرآباد سے ۱۹ء سے جاری کیا۔

۳۔ اس کتاب سے پہلے موصوف کی خواتین سے متعلق تین اور کتابیں منصۂ شہود پر آئیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ خواتین عہد عثمانی مطبوعہ 1936ء (۲) خیابانِ نسواں: مطبوعہ 1938ء (۳) خواتینِ دکن کی اردو خدمات: مطبوعہ 1940ء

۴۔ مصنفِ تحفۃ النساء مطبوعہ سنہ ء

۵۔ مصنفِ جنان السیر: مطبوعہ سنہ



دکن کے دو نایاب گوہر

حضرت سیّد یوسف الدّینؒ اور حضرت سیّد شریف الدّینؒ

محمدؐ شفاعت احمد سلیم اردو منشی، وی آر، ہائی اسکول نیلّور۔ آندھرا پردیش

حیدرآباد دکن صدیوں سے اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کا اہم مرکز رہا ہے۔ یہاں ایسے ہزاروں اللہ والے اور بزرگان دین گزرے ہیں، جن پہ سرزمینِ حیدرآباد جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ انہیں بزرگوں میں سے ہم دو اہم ہستیوں کا ذکر یہاں کر رہے ہیں۔ جن کے مبارک نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت سیّد شاہ یوسف الدینؒ اور ۲۔ حضرت سیّد شاہ شریف الدّین

نام اور سلسلۂ نسب:

ان دونوں حضرات کا حقیقی نام سیّد یوسف الدّینؒ اور سیّد شریف الدّین ہے۔ سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کا سلسلۂ نسب خاتم النبیینؐ سرورِ کونین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ حضرات کے صحیح النسب سادات ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ شجرۂ خلافت میں آپ کے اسمائے گرامی سید شاہ یوسف الدینؒ اور سید شاہ شریف الدین درج ہے۔

وطن میں دونوں کی ایک دوسرے سے قرابت:

ہر دو بزرگ شامی ہونے کے باوجود استبداد زمانے کے تحت دو مختلف مقامات یعنے مصر اور کنعان چلے گئے۔ حضرت سیّد یوسف الدّین مصر میں اور حضرت سیّد شریف الدّین کنعان میں رہنے لگے۔ ان دونوں بزرگوں میں صرف ہم وطنی

اخوتِ اسلامی اور پیر بھائی ہونے کے کوئی اور رشتہ یا قرابت داری نہ تھی۔ یہ حضرات ایک ہی ملک کے باشندے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ناواقف اور ناآشنا تھے۔ حضرت سید یوسف الدینؒ عمر میں بڑے حضرت سید شریف الدین عمر میں چھوٹے تھے۔ حضرت یوسف الدین مصر سے اور حضرت شریف الدین کنعان سے بغرضِ حج بیت اللہ مکہ معظمہ کے سفر میں مصروف تھے کہ اثنائے راہ اتفاقیہ دونوں کی ملاقات ایک دوسرے سے ہوگئی اور ان دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے سے اس درجہ خلوص کا اظہار کیا کہ پھر کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے کا وعدہ کرتے ہوئے ایک جان دو قالب کی شکل میں سعادت حج کے حصول کیلئے ارض پاک مکہ معظمہ روانہ ہوگئے۔

بیعت:

اسی سال چشتیہ سلسلے کے ایک عظیم المرتبت بزرگ حضرت سید شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی بھی ادائیگیٔ فریضۂ حج کی غرض سے مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت سید یوسف الدین اور حضرت سید شریف الدین مصر اور کنعان سے بعزم حج بیت اللہ مکہ معظمہ پہنچے۔ دورانِ ادائیگیٔ فریضۂ حج ان دونوں بزرگوں کو پیر روشن ضمیر حضرت سید شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی قدم بوسی اور خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ دونوں برادرانِ وطن نے حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی کے حلقۂ ارادت میں شمولیت اختیار کرلی اور اسی موقعہ پر آپ نے ان دونوں مریدوں کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ شجرۂ خلافت درج ذیل ہے:

شجرۂ خلافت:

۱۔ شیخ المشائخ قطب العارفین حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجریؒ۔
۲۔ برہانِ چشتیاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتیؒ۔
۳ امام العارفین سلطان الزاہدین حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر۔
۴ سلطان العاشقین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی۔
۵ شیخ المشائخ شمس العارفین حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی۔
۶ شیخ المشائخ حضرت خواجہ کمال الدین قدس سرہٗ عرف علامہ۔
۷ شیخ المشائخ حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ۔
۸ شیخ المشائخ حضرت خواجہ علیم الدین قدس سرہٗ۔
۹ شیخ المشائخ حضرت خواجہ شیخ جمال الدین قدس سرہٗ۔

۱۰ شیخ المشائخ حضرت خواجہ شیخ محمود عرف شیخ راجن قدس سرہٗ۔
۱۱ شیخ المشائخ قطب الاولیا حضرت خواجہ شیخ حسن محمد قدس سرہٗ۔
۱۲ شیخ المشائخ مظہر اللہ حضرت شیخ محمد قدس سرہٗ۔
۱۳ شیخ المشائخ قطب المدینۃ الشرفیہ شیخ یحییٰ المدنی قدس سرہ۔
۱۴ شیخ المشائخ فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت خواجہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی۔
۱۵ عارف باللہ قطب دکن حضرت سید شاہ یوسف الدین و حضرت سید شاہ شریف الدینؒ۔

آپ حضرات کی ہندوستان میں تشریف آوری :

حضرت سید یوسف الدین اور حضرت سید شریف الدین کی ہندوستان میں تشریف آوری سے متعلق مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ لوگوں کی آمد بزمانہ اورنگ زیب عالمگیر ہوی اور بعض مورخین نے بتایا ہے کہ یہ بہادر شاہ کا زمانہ تھا۔ آپ لوگوں کی ہندوستان میں آمد بزمانہ اورنگ زیب ہی درست لگتی ہے۔ کیوں کہ آپ حضرات حضرت نظام الدین اورنگ آبادی کے برادرِ طریقت اور ہمعصر تھے۔ یہ زمانہ عالمگیر کے دورِ حکومت اور فتوحاتِ دکن کا تھا۔

آپ حضرات کے ہندوستان آنے کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ ہر دو حضرات پر اپنے مرشدِ کامل کلیم اللہ جہاں آبادی کی محبت کا ایسا رنگ چڑھا کہ حضرت یوسف الدین نے مصر اور حضرت شریف الدین نے کنعان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا اور اپنے مرشد کے ہمراہ ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں رونق افروز ہوے اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی فوج میں ملازمت اختیار کی اور اس درجہ ترقی کے مراحل طے کر گئے کہ دس ہزار فوج کے کمانڈر مقرر ہوے۔

آپ حضرات کی حیدرآباد دکن میں آمد :

اورنگ زیب دکن پر چڑھائی کی غرض سے حیدرآباد اپنی فوج کے ساتھ آیا تو یہ دونوں مقدس ہستیاں بھی عالمگیر کی فوج کے ہمراہ حیدرآباد تشریف لے آے۔ حضرت سید یوسف الدین اور حضرت سید شریف الدین جب حیدرآباد تشریف لاے تو اس وقت حیدرآباد کے مشہور و معروف بزرگ خواجہ سید حسن عرف حضرت برہنہ شاہ سرکار بقیدِ حیات تھے۔ جو عالمگیر کے ہمعصر تھے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

فتح گولکنڈہ کے لیے دہلی سے آنے والا لشکر جس میں حضرت یوسف الدین اور حضرت شریف الدین شریک تھے حضرت برہنہ شاہ سرکار کے مقامِ سکونت (موجودہ درگاہِ برہنہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ واقع عیدی بازار حیدرآباد) کے قریب سے گزر کر گولکنڈہ

کی سمت جارہا تھا۔ حضرت برہنہ شاہ سرکار نے اپنے معتقدین سے جو آپ کے ساتھ کپڑا طلب کر کے جسم کو ڈھانک لیا۔ لشکر کی روانگی کے بعد آپ نے کپڑا اپنے جسم سے علاحدہ کیا اور جس فرد سے لیا تھا اس کو واپس کر دیا۔ حضرت کی طلبی پر کپڑا فراہم کرنے والے شخص نے حیرت سے دریافت کیا کہ پیرو مرشد آپ تو ہمیشہ ہی برہنہ رہتے ہیں۔ پھر لشکر شاہی کی آمد پر جسم ڈھانک لینے کی کیا وجہ ہے؟ حضرت برہنہ شاہ نے اس شخص کے سر کو کچھ دیر اپنی بغل میں رکھ کر چھوڑ دیا اور ارشاد فرمایا کہ آدمیوں سے شرمانا چاہیے، جانوروں سے حیا کی کیا ضرورت ہے؟ کچھ دیر بعد اس شخص نے بتایا کہ جس وقت حضرت برہنہ شاہ سرکار نے میرا سر اپنی بغل میں رکھا تو مجھے تمام لشکر حیوانی شکلوں میں نظر آیا، صرف دونوں حضرات سید یوسف الدین اور حضرت سید شریف الدین ہی انسانی صورت میں نظر آئے تب مجھے خیال ہوا کہ حضرت برہنہ شاہ سرکار نے اپنے دونوں بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھا۔

فتح قلعہ گولکنڈہ:

مغل فوجوں کو قلعہ گولکنڈہ کا محاصرہ کئے ہوئے عرصہ گزر چکا تھا۔ مغل سپہ سالار اور جاسوس سخت حیران تھے کہ آخر قلعہ میں اتنا سامانِ رسد کہاں سے آگیا۔ ایک طرف طویل اور تھکا دینے والی جنگ اور دوسری طرف مغل فوجوں کی ہر معرکہ آرائی پر ناکامی۔ خود شہنشاہ اورنگ زیب حیران تھا کہ زندگی میں اس طرح کی جنگ کا سامنا اُسے کبھی نہ ہوا تھا۔

اس وقت گولکنڈہ کے حکمران سلطان ابوالحسن تانا شاہ تھے جنھوں نے چشتیہ سلسلہ کے عظیم بزرگ حضرت سید مخدوم سید محمد محمد الحسینی بندہ نواز گیسو دراز شہباز بلند پرواز رحمۃ اللہ علیہ کے برادر زادے حضرت سید شاہ راجو محمد محمد الحسینی عرف شاہ راجو قتال حسینیؒ (مصری گنج حیدرآبادی) کا فیضِ نظر پایا تھا اور جن کی عنایت سے تخت گولکنڈہ سے سرفراز ہوئے تھے۔

الغرض مغل فوجوں کو ہر طرح سے ناکامیابیوں کا سامنا ہو رہا تھا۔ ان کی ہر کوشش بے کار ثابت ہو رہی تھی تجربہ کار مغل سپہ سالار حتیٰ کہ شہنشاہ اورنگ زیب خود حیران تھا۔ قطب شاہی سپہ سالاروں کو طرح طرح کے لالچ دیے گئے۔ ہر طرح سے ان کی خوشامد کی جارہی تھی۔ لیکن قطب شاہی لشکر کے سپہ سالار ثابت قدمی سے اپنے مورچے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ادھر طوفانی بارش نے مغل افواج کی کمر توڑ دی تھی۔

غیبی امداد:

اسی طرح مغل فوج اپنی ناکام کوششوں کو جاری رکھی ہوئی تھی۔ موسیٰ ندی میں زبردست باڑھ آگئی تھی۔ شدید سیلاب، زوردار بارش اور تیز آندھیوں نے گولکنڈہ کا محاصرہ کی ہوئی مغل افواج کو منتشر کر دیا تھا اور مورچے منہدم ہو گئے

تھے۔ بجز شاہی خیموں کے، تمام خیمے اکھڑ گئے تھے۔ اسی طوفانِ بادوباراں میں مغل فوج کا قابل لحاظ حصہ سیلاب میں گھر کر غرق ہوگیا۔ اسی طرح کئی روز تک تیز آندھی اور شدید بارش کے باعث مغل فوج رات کے اندھیروں میں ڈوبی رہی ایسی حال میں بھی اورنگ زیب خیمہ گاہ کی گشت اور معائنہ کے لیے نکلتا تھا۔ ان شدید و نامساعد حالات میں ایک رات اورنگ زیب نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا جو یہ فرما رہے تھے "اے بادشاہ! تیری فوج میں دو گوہر نایاب ہیں۔ تاوقتیکہ تو اُن سے مدد حاصل نہ کرے تیری فتح غیر ممکن ہے۔ اُن کی شناخت یہ ہے کہ طوفان نہ تو اُن کے خیموں کو اکھاڑ سکتا ہے اور نہ طوفانی آندھی ان لوگوں کا چراغ بجھا سکتی ہے۔" جب آنکھ کھلی تو مغل شہنشاہ نے دیکھا کہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور طوفان بادوباراں بھی برپا ہے۔ خیمہ کے باہر نکل کر اورنگ زیب نے دیکھا کہ تیز بارش، طوفان، آندھی کی شدت کے باوجود گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک مقام پر چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی نظر آرہی ہے۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ ان ہی کی فوج کے دو سپاہی دنیا و مافیہا سے بے خبر قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ہیں۔ تیز ہوا کے شدید جھونکے بھی ان کے آگے جلتے ہوئے چراغ کو گُل نہیں کر رہے ہیں۔ یہ دونوں حضرات یوسف الدین اور شریف الدین تھے۔ ڈیرے کے در پر پہنچ کر بادشاہِ وقت نے کہا کہ آپ جیسے بزرگ حضرات میری فوج میں موجود ہوں اور فتح یابی میں اس قدر دیر؟ ان بزرگوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو بادشاہ کو سامنے کھڑا پایا۔ دونوں حضرات نے بہ یک زبان ہو کر فرمایا: "جہاں فریقین مسلمان ہوں وہاں سکوت بہتر ہے۔" اورنگ زیب کے بے حد اصرار پر آخر کار جب انھوں نے یہ دیکھا کہ قرآنِ پاک کی تلاوت میں خلل ہو رہا ہے۔ تو دونوں نے یوں زبان کھولی کہ "ایک ٹھیکری اٹھالاؤ۔" بادشاہ بڑی تلاش کے بعد ایک ٹھیکری اٹھالایا۔ اس پر دونوں بزرگوں نے کوئلہ سے کچھ لکھا اور عالمگیر کو دے کر کہا کہ لنگر حوض کے کنارے ایک چمار مقیم ہے۔ یہ اس کو دے کر جواب لائیں۔ بادشاہ نے ٹھیکرے لی اور قلعہ سے جاری گولہ باری سے بچتے بچاتے لنگر حوض تک پہنچا۔ دیکھا کہ ایک چمار وہاں بیٹھا ہوا ہے۔ اورنگ زیب نے وہ ٹھیکری اسے دے دی۔ اس ٹھیکری لے کر بادشاہ کو انتہائی غضبیلی نظروں سے دیکھنا شروع کیا اور ٹھیکری کی دوسری جانب کچھ لکیریں کھینچ کر ٹھیکری بادشاہ کے ہاتھ میں تھمادی اور کہا واپس لے جا۔ بادشاہ حیران تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے! لیکن کرتا کیا؟ وہیں واپس آیا، جہاں یہ دونوں حضرات مصروفِ تلاوتِ قرآن پاک تھے اور ٹھیکری اُن کے حوالے کردی۔ چمار کی کھینچی ہوئی لکیروں کو پڑھ کر انھوں نے کچھ دیر سوچا، پھر بادشاہ سے کہا کہ گولکنڈہ کی تسخیر مشکل ہے۔ بڑی بڑی ہستیاں سلطان ابوالحسن تانا شاہ کے طرف دار ہیں۔ شہنشاہ نے دبی ہوئی لیکن بھرائی آواز سے کہا، "میری مدد کے لیے کوئی بزرگ ہستی نہیں ہے۔ کیا مجھے آپ دونوں حضرات کی ذاتِ بابرکت سے بھی توقع نہیں رکھنی چاہئے؟ بادشاہ نے طویل بحث مباحثہ کے بعد اُن بزرگ ہستیوں کو اس بات پر رضامند

کروالیا۔ کہ وہ ایک بار اور کوشش کریں۔ حضرات یوسفینؒ نے وہی ٹھیکری لی اور بہت سوچ بچار کے بعد رُک رُک کر اس پر کچھ لکھا اور اُسے دوبارہ اسی چمار کو پہنچانے کی ہدایت دی۔ رات ختم ہو رہی تھی۔ گولکنڈہ کے برجوں اور فصیلوں پر آخر شب کے چراغ ٹمٹما رہے۔ عالمگیر ٹھیکری لیے پھر لنگر حوض پہنچا اور چمار کو ٹھیکری دے دی۔ چمار دیر تک ٹھیکری کو گھورتا رہا۔ اس ذہنی کشمکش ختم ہوتی نظر نہیں آرہی تھی۔ بادشاہ صبر نہ کرسکا اور لمبے انتظار کے بعد کہا کہ نمازِ فجر کا وقت قریب آرہا ہے۔ مجھے طلوع آفتاب سے پہلے اپنے لشکر میں واپس جانا ہے۔ آپ جلدی کچھ کہئے۔ چمار غصہ سے لرزہ براندام تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ ہاتھ قابو میں نہ تھے۔ بادشاہ کی لائی ہوئی ٹھیکری اس کے ہاتھ سے گر پڑی تھی، تو اس نے جسم پر پڑے ہوئے چمڑے اور اطراف پڑے ہوئے جوتے ہٹائے اور دامن جھٹک کر کھڑا ہوگیا اس کی زبان سے نکلا "مشیّتِ ایزدی یہی تھی، میں پچاس سال سے اس قلعہ کے دامن میں گوشہ نشین تھا۔ آخر جیتے جی مجھے یہاں سے اٹھنا پڑا۔ جاؤ! اُن سے کہدو کہ وہ چلا گیا۔ اورنگ زیب اپنے لشکرگاہ میں واپس ہوکر حضرت یوسف الدین اور حضرت شریف الدین کو سارا واقعہ سنایا۔ دونوں حضرات نے بادشاہ کو فتح کو پیشگی مبارک باد دیتے ہوئے کہا "آج رات تمہاری فوجیں قلعہ میں داخل ہوجائیں گی۔ قلعہ کی غیبی مدد اور حفاظت کرنے والا وہاں سے اٹھ گیا ہے۔ وہ کوئی موچی یا چمار نہیں تھا، بلکہ اس خطۂ ارض کے قطب تھے اور پچاس سال سے اس سلطنت کے معاون اور محافظ تھے۔ حضرات سید یوسف الدین اور شریف الدین کے ارشاد کے مطابق اسی رات مغل فوجیں قلعہ گولکنڈہ میں داخل ہوگئیں۔

ترکِ ملازمتِ شاہی :

یہ زمانہ نہایت پُر آشوب تھا۔ اس دور میں بہت سے انقلاب آئے۔ سخت خوں ریز جنگیں ہوئیں اس خونین ماحول سے ان دونوں بزرگوں کو سخت نفرت ہوگئی۔ کنجِ خلوت میں بقیہ زندگی گزار دینے کے ارادے سے آپ حضرات نے شاہی ملازمت ترک کردی اور حیدرآباد کے علاقۂ نامپلی میں (جہاں آج سرکار یوسفین کی درگاہ شریف ہے) متوکلانہ سکونت اختیار فرمائی اور دن رات یادِ الٰہی میں گزارنے لگے۔

فتح گولکنڈہ کے سلسلہ میں آپ حضرات سے جو کرامات ظاہر ہوئیں وہ پردۂ راز میں نہ رہیں۔ مغل لشکر

لہ حضرت سید یوسف الدین اور حضرت سید شریف الدین دونوں حضرات کو یوسفینؒ کہتے ہیں۔ آپ حضرات کی بارگاہ اقدس بھی درگاہِ یوسفینؒ کے نام سے مشہور ہے۔

کے علاوہ گولکنڈہ کی رعایا آپ کی بزرگی، روحانیت اور کرامات سے متاثر ہوکر شرفِ قدمبوسی کے حصول کے لیے آپ کی قیام گاہ پر حاضری دینے لگی۔ لشکرِ شاہی کے ساتھ ساتھ ہزاروں عقیدت مندوں کا اژدھام آپ کے آستانے پر آنے لگا، جو آپ کی بابرکت اور باثر دعاؤں سے فیض یاب ہوتا گیا۔

رواداری اور حسنِ سلوک:

دونوں بزرگانِ کامل بلالحاظِ مذہب و ملّت تمام بندگانِ خدا سے یکساں سلوک فرماتے۔ ہر ایک سے محبت و شفقت اور ہمدردی سے پیش آتے۔ اکثر مریض و بیمار اور گرفتارانِ بلا و مشکل آپ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوکر آپ کی دعاؤں سے صحتِ کاملہ اور بھرپور تندرستی کی نوید جانفزا پاتے تھے۔ دیگر اقوام و عقاید کے حامل افراد بھی اعتقاد کے ساتھ آپ کی بارگاہِ اقدس میں حاضری دیتے اور فیضِ روحانی سے مستفید ہوتے تھے اور یہ سلسلہ آج تک برابر جاری و ساری ہے۔

تقویٰ:

حضرات یوسف الدین و شریف الدین کا تقویٰ اس قدر اونچا تھا کہ تمام عمر کسی سے نہ کچھ طلب کیا اور نہ ہی کسی سے کوئی نذر قبول کی۔ حد یہ تھی کہ آپ سواریوں کے گھوڑے بھی کسی غیر کا چارہ اور گھاس کھانا تو بہت دُور کی بات اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور کسی غیر کی زمین پر چرتے بھی نہ تھے۔

مرتبے:

یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ کا اس کے پاس کیا ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ ہم اس چشمِ بینا سے محروم ہیں۔ جو ان حضرات کا مرتبہ پہچان سکیں۔ مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت یوسف الدین مقامِ قطبیت پر فائز تھے اور آپ سے بہت خوارقِ عادات ظاہر ہوئے۔ ہر دو بزرگانِ صالح نے کئی برس تک مخلوقِ خدا کو دینی و دنیوی فیوض سے مشرف کر کے ۷ ذی الحجہ ۱۱۲۱ھ کو اس دنیائے فانی سے پردہ فرمایا۔ حضرت یوسف الدین ایک روز عارضۂ بخار میں مبتلا ہوئے اور ہفتہ عشرہ علیل رہ کر واصل بحق ہو گئے۔ حضرت شریف الدین آپ کی رحلت کے وقت موجود نہ تھے تھوڑی دیر بعد تشریف لائے اور یہ خبر سُن کر غمگین ہو گئے اور ایک آہِ سرد کے ساتھ فرمایا: یہ شرطِ رفاقت سے بعید ہے۔ کہ آپ اس جہاں میں نہ رہیں اور میں رہوں۔ وضو کیا اور حجرے میں داخل ہو کر لیٹ گئے اور چہرے پر سفید چادر اوڑھ لی۔ اسی وقت آپ کی روحِ اقدس بارگاہِ ایزدی میں اپنے رفیقِ دیرینہ سے جا ملی۔

آخری آرام گاہ :

ہر دو بزرگوں کے وصال کے بعد خادموں نے دونوں حضرات کو غسل دے کر ایک ساتھ نمازِ جنازہ ادا کیا اور دونوں ایک وقت اس مقام پر پہلو بہ پہلو سپردِ لحد فرمایا۔ جہاں آپ حضرات سے فروکش تھے۔ حضرت سید یوسف الدین اور حضرت سید شریف الدین نے سفرِ حج کے دوران ملاقات کی اور کبھی کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہ ہونے کا عہد کیا۔ ایک ساتھ مل کر دونوں حضرات نے فریضۂ حج ادا فرمایا اور ایک ساتھ دونوں حضرات ہندوستان تشریف لائے اور ایک ساتھ شاہی لشکر میں ملازمت اختیار کی اور ایک ساتھ حیدرآباد تشریف لائے اور ایک طویل عرصہ تک عبادت و ریاضت اور خدمتِ خلق انجام دیتے رہے اور ایک ساتھ دونوں حضرات نے وصال فرمایا اور ایک ہی جگہ آرام فرما ہیں۔

تمام مورخین اور سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ حضرات نے کسی کو نہ تو مرید بنایا اور نہ ہی خلافت عطا فرمائی۔

تعمیرِ گنبدِ مبارک :

ایک مدت کے بعد والیٔ آرکاٹ نواب سعداللہ خان نے حضرات یوسفین سرکار کے مزارات مبارکہ پر عالی شان گنبد تعمیر کروایا۔ گنبد کے علاوہ درگاہ کی جنوبی سمت ایک حوض اور دیگر عمارتیں بھی بنوائیں۔ درگاہ یوسفین کے منظرِ جانفزا سے متاثر ہو کر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

فردوسِ ہر نگاہ ہے درگاہِ یوسفین	کیا خوب جلوہ گاہ ہے درگاہِ یوسفین
جھکتے ہیں جس مقام پہ شاہ و گدا کے سر	بے شک وہ خانقاہ ہے درگاہِ یوسفین

عقیدت مندانِ یوسفین سرکار :

یوں تو وابستگانِ یوسفین میں امیر و غریب، شاہ و گدا سب ہی شامل ہیں لیکن آخری نظام حیدرآباد نواب میر عثمان علی خان کو بھی ان حضرات سے غیر معمولی عقیدت تھی۔ اردو کے مشہور شعراء حضرت امیرؔ مینائی اور حضرتِ داغؔ دہلوی کو بھی آپ حضرات سے بے حد عقیدت تھی۔ ان دونوں شعراء کے مزارات احاطۂ درگاہِ یوسفین میں موجود ہیں۔ داغؔ دہلوی کی عقیدت کا تو یہ عالم تھا کہ آپ اکثر فرماتے تھے : " دفن کرنا مجھ کو کوئے یار میں "

تیسرا مزار :

گنبدِ درگاہِ یوسفین سرکار میں تین مزارات ہیں۔ جن میں سے دو تو جلیل القدر قطب الاقطاب حضرت سید یوسف الدین اور حضرت سید شریف الدین کے ہیں۔ آپ کے پائین ایک اور چھوٹی سی قبر ہے۔ جس کے تعلق سے مختلف

روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ مزار ایک بزرگ کے صاحب زادے کی ہے۔ جو حضرت یوسفین کے ساتھ حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ فتح گولکنڈہ کے بعد جب مغل فوج واپس ہوئی تو یہ بزرگ فوج کے ہمراہ چلے گئے اور ان کے صاحب زادے یہیں رہ گئے۔ چند دنوں بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ انھیں یہیں دفن کردیا گیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب یہ بزرگ حضرات یہاں اقامت پذیر ہوے تو ایک کاشت کار جو یہیں مقیم تھا۔ اپنے لڑکے کو آپ حضرات کی خدمت میں چھوڑ دیا تھا۔ جب سرکار یوسفین نے پردہ فرمایا تو یہ لڑکا بھی ان حضرات کی جدائی برداشت نہ کرسکا اور داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور پائین دفن کردیا گیا۔ واللہ اعلم۔

تقاریبِ عرس شریف:

ان دونوں حضرات کا سالانہ عرس ہر سال ۵، ۶، ۷ رذی الحجہ میں ہوتا ہے۔ ۵ ر ذی الحجہ کو صندل مبارک ۶ ر ذی الحجہ کو چراغاں ہوتے ہیں۔ ۷ ر ذی الحجہ کو صبح میں ختم القرآن مجید اور رات میں مینا بازار ہوتا ہے۔ عرس شریف کے موقعہ پر زائرین ہزاروں کی تعداد میں حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور مرادوں سے اپنی اپنی جھولیاں بھر لیتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ سال کے بارہ مہینے دن رات ہزاروں عقیدت مندوں کا اژدھام آپ کے آستانۂ پرنور پر لگا رہتا ہے، جو برابر آپ حضرات کی دعاؤں سے مستفیض ہوتا رہتا ہے۔

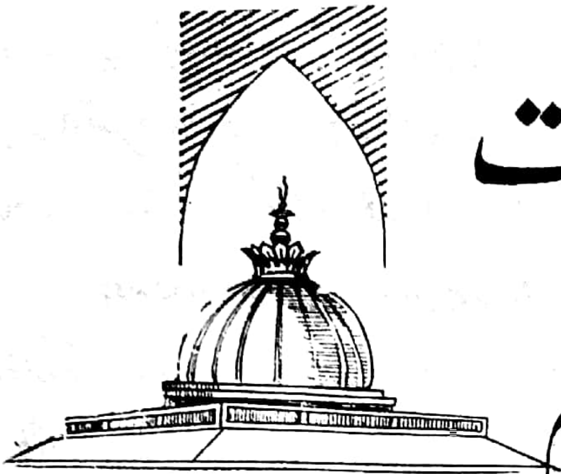
تاریخ علم فقہ کا بقیہ 122

ہزاروں مجلدات پر مشتمل اسلامی مسائل و قوانین کا ایک عظیم الشان ذخیرہ اسلامی تاریخ کو دستیاب ہوا۔ جو قیامت تک کے لیے امت کی دینی ضروریات کا کفیل ہے۔ اسی دور میں علم فقہ کے اصول مرتب ہوے اور کتاب و سنت کے احکام کے لیے۔ فرض، واجب، سنت و مستحب اور مندوب کی اصطلاحات وضع ہوئیں۔

اس دور کے مشہور فقہاء: حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت مالک بن انسؒ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ۔ حضرت سفیان بن سعید ثوریؒ۔ حضرت شریک بن عبداللہ نخعیؒ اور حضرت عمر بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مشہور تلامذہ

حضرت امام ابویوسف یعقوب بن ابراھیم انصاریؒ۔ حضرت امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانیؒ۔ امام زفر بن ہذیل بن قیس کوفیؒ۔ اور حضرت امام حسن بن زیاد لولوی کوفی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔۔۔



شریعت وطریقت کی تعلیم



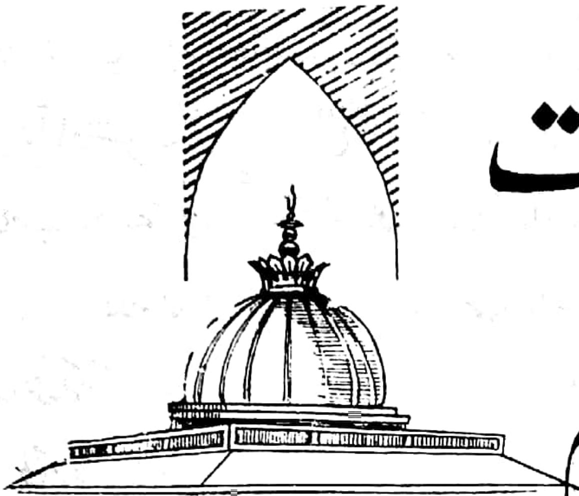
☆ خواجہ محمّد بیابانی نور چشتی القادری ۔ اننت پور

الحمدللہ رب العالمین ٥ الصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ الہٖ واصحابہ واھل بیتہٖ اجمعین ٥

اللہ تعالےٰ اپنی ذات وصفات وافعال میں وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ اس کے حبیبِ اکرم، نورِ مجسم، مظہر اتم صلے اللہ علیہ وسلم مخلوق میں یکتا اور بے مثل ہیں، درود وسلام، رحمتیں برکتیں نازل ہوں ان کی آل واصحاب واہلِ بیت اطہار پر اور اولیاء امت پر بھی: ؎

دل کو تیرا خیال دے یا رب ! روز و شب ماہ وسال دے یا رب
یک قدم رہ سے پہنچے تجھ تک برقِ خاطف کی چال دے یا رب
مارنے پر ہوائے وحدت میں! بازِ دل کو دو بال دے یا رب
تجھ امانت کے بار کا مجھکو قوتِ احتمال دے یا رب
ہے مقیّد موقتِ فردا آج مطلق وصال دے یا رب
ذکر با فکر میں ترے مجھکو دمبدم اشتغال دے یا رب
استطاعت بکثرت صلوات بر نبیؐ و بر آل دے یا رب
نسخہ شاہ میر میں مجھکو درس اپنا جمال دے یا رب
آرزو نیں ہے رسمی و اسمی مجھ کو عینی کمال دے یا رب

(از دعائے حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ)



شریعت وطریقت کی تعلیم



✡ خواجہ محمد بیابانی نور چشتی القادری ۔ اننت پور

الحمد للہ رب العالمین ۝ الصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی الہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین ۝

اللہ تعالےٰ اپنی ذات وصفات وافعال ہیں وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ اس کے حبیبِ اکرم، نورِ مجسم، مظہرِ اتم صلے اللہ علیہ وسلم مخلوق میں یکتا اور بے مثل ہیں، درود وسلام، رحمتیں برکتیں نازل ہوں ان کی آل واصحاب واہلِ بیت اطہار پر اور اولیاءِ امت پر بھی : ؎

دل کو تیرا خیال دے یارب ! ‏ روز و شب ماہ و سال دے یارب
یک قدم رہ سے پہنچے تجھ تک ‏ برقِ خاطف کی چال دے یارب
مارنے پر ہوائے وحدت میں! ‏ بازِ دل کو دو بال دے یارب
تجھ امانت کے بار کا مجھ کو ‏ قوتِ احتمال دے یارب
ہے مقیّد موقتِ فردا ‏ آج مطلق وصال دے یارب
ذکر با فکر میں ترے مجھ کو ‏ دم بدم اشتغال دے یارب
استطاعت بکثرت صلوات ‏ بر نبیؐ و بر آل دے یارب
نسخہ شاہ میر ہیں مجھ کو ‏ درس اپنا جمال دے یارب
آرزو نیں ہے رسمی و اسمی ‏ مجھ کو عینی کمال دے یارب

(از دعائے حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ)

اس احقر سے عالی جناب ڈاکٹر سید شاہ ابو محمدؐ عثمان صاحب قادری مدفیوضہٗ ناظم دارالعلوم لطیفیہ ویلور شریف نے فرمائش کی تھی کہ حضرت شاہ شاہ کمال الدین قادری وچشتی قدس اللہ سرہٗ کی کسی ایک صوفیانہ غزل کی تشریح کرکے روانہ کروں۔ الامر فوق الادب کے تحت چند کلمات پیش ہیں۔

اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ سہو و نسیان سے محفوظ فرمائے۔ بحرمت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم۔ اولیاء اللہ کے صوفیانہ کلام کی تشریح کرنا آسان کام نہیں ہے جیسا کہ حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ نے خود ایک جگہ فرمایا ہے۔ ؎

مشکل مشکل ہے حق کی معرفت نیز ہم آساں سے آسان نیں سو نیں

اللہ تعالےٰ اپنے خاص فضل وکرم سے اپنے پیارے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس وسیلے سے اور اولیاء اللہ اور خصوصاً ہمارے پیرانِ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طفیل سے' اپنی معرفت جو مشکل سے مشکل ہے ہمارے لیے آسان کردے۔ آمین یارب العالمین۔ ؎

الٰہی بھکاری ہوں تجھ دار کا گھر آیا ترے در پو سے بار کا
محمدؐ کا صدقہ مجھے کر عطا نہ محروم کر مجھ کرم سوں اتا
ہیں تیرے کرم کے اُپر دھر نظر محمدؐ کا صدقہ منگیا عرض کر
محبّت کی شمشیر دے دھات میں سپر معرفت کا دے اس سات میں

(از دعائے حضرت قربی علیہ الرحمہ)

مختصراً یہ جاننا چاہیے کہ ولایت کے اگرچہ بہت سے مراتب ہیں لیکن عام فہم انداز میں سمجھنے کے لیے اس کو تین (۳) اقسام میں منقسم کرسکتے ہیں۔ عام، خاص اور اخص۔ ولایتِ عام میں سبھی مومنین شامل ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط یعنی اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ اس سے عام ولایت مراد ہے۔ دوسری اور تیسری یعنی خاص اور اخص ولایت سے متعلق دوسری جگہ ارشادِ باری تعالےٰ ہوتا ہے: یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط یعنی اے ایمان والو! پھر ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) پر۔ اس آیت کریمہ میں پہلے ایمان لانے والوں کا جو تذکرہ ہے وہ تقلیدی ایمان والوں کا ہے جو شریعت مطہرہ کے عام احکامات پر اخلاص سے عمل پیرا ہونے سے ولایتِ عام حاصل ہوتی ہے۔ یہاں اچھی طرح جاننا چاہیے کہ اس ولایت عام کی تکمیل کے لیے بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لیے اہلِ سنّت والجماعت

کے مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید بہت ضروری ہے۔ لہذا عقایدِ اہلِ سنّت والجماعت کو اور شریعتِ مطہرہ کے ضروری احکامات کو علماء محققین سے حاصل کر کے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع خلوص و محبّت کے ساتھ کرنا فرض ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالے نے قرآن مجید میں فرمادیا ہے: قُلْ ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ط۔ یعنی اے حبیب فرما دیجیے کہ اللہ کی محبّت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو (یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی) اللہ تم کو دوست بنالے گا۔ یعنی تم اللہ کے محبوب بندے بن جاؤ گے۔

علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے: ؎

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف چلنے والے کبھی منزل مقصود کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔

ولایتِ خاص اور اخص تک پہنچنے کے لیے اور خدا رسی کے لیے شیخ کامل سے بیعت ہونا لازم ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

شیخ نورانی ز راہ آگاہ کند　　با سخنش ہم نور را ہمراہ کند

فرماتے ہیں کہ شیخ کامل یعنی انوارِ کمال سے نورانی بن جانے والا شیخ ہی اس راہِ سلوک و وصول پر چلا سکتا ہے اور طالب کو خوب روشنی ڈال کر آگاہ یعنی واقف کراتا ہے جواب میں طالب کے ساتھ بھی نور کو شامل کر دیتا ہے۔ ؎

جہد کن تا مست نورانی شوی　　تا حدیثت را شود نورش روی

مطلب یہ کہ کوشش کرو تم شیخ نورانی کے علم صحیح کے حصول کے شوق میں مست ہو جاؤ تاکہ تمہاری تقریر کے ساتھ اس کا نور شامل ہو جائے۔ ؎

علم چوں در نورِ حق فرعودہ شد　　پس ز علمت نور یابد قومِ لُد

علم جب حق تعالے کے نور میں اس طرح پر دردہ ہو جائے جس طرح قند میں سیب کو مربّہ کیا جاتا ہے تو تمہارے علم سے بحث و مباحثہ کرنے والے لوگ اس طرح محسوس کریں گے جیسے سیب میں قند کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔ آگے راہِ سلوک پر چلنے کی تاکید کرتے ہوئے مولانا رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ؎

یک دو گامے رَو تکلف ساز خوش　　تا ترا عشقش کشد اندر برش

(راہِ سلوک پر) ایک دو قدم چل (اگر بآسانی نہیں چل سکتا تو) خوب تکلف سے کام لے تاکہ رفتہ رفتہ بخوبی چلنے لگے اور اس کا عشق تم کو گود میں لے لے اور آگے فرماتے ہیں: ؎

گوش را بربند و افسونہا مخور　　جز فسونِ آں وَلیِّ دادگر

یعنی اپنے کانوں کو بند کرو اور نفس و شیطان کے اقوال جو فریب آمیز ہیں نہ سنو۔ سوائے اُس وَلیِّ عادل کے اقوال کے جو باعثِ ہدایت ہیں۔

اسی لیے صوفیاے کرام کے ہاں یہ مقولہ بہت مشہور ہے اور بالکل صحیح بھی ہے، "قال صحیح سے حال صحیح پیدا ہوتا ہے"۔ مختصراً یہ کہ اولیاے کرام کے ارشاداتِ عالیہ بھی باعثِ ہدایت ہیں، جن کے فیضان سے سالکینِ راہ خدا کے سینے روشن ہو جاتے ہیں اور تجلّیاتِ ربّانی کے مشاہدے میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔

علّامہ اقبال فرماتے ہیں: ؎

تمنّا دردِ دِل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی　　نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

فقیر اور درویش کے تعلق سے بھی علّامہ اقبال نے بہت خوب فرمایا ہے: ؎

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی　　گھر اس کا نہ دلّی نہ بخارا نہ سمرقند

حضرت شیخ المشائخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر اور درویش خدا سے متعلق یہ فرمایا ہے: درویش کے لیے کم از کم یہ تین چیزیں ضروری ہیں: ۱۔ صحیح ٹکڑا سی سکے۔ ۲۔ صحیح بات سُن سکے۔ ۳۔ صحیح قدم زمین پر رکھ سکے تاکہ فقر کا سزاوار ہو سکے۔ اس قول کی تشریح میں حضرت داتا گنج بخش لاہوری قدس اللہ سرہ نے فرمایا: (۱) کپڑا فقر کے لیے سیے نہ کہ زینت کے لیے۔ ۲۔ صحیح قال سے مراد یہ ہے کہ اس کے اندر حال ہو نہ صرف قال یعنی از روے تحقیق ہو نہ از گمان سخن وجدان حق سے خالی نہ ہو اور زندگی پہ حاوی ہو، ریاکاری و دکھلاوا نہ ہو۔ ۳۔ صحیح قدم زمین پر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وجد حق کے ساتھ گامزن ہو نہ کہ لہو و لعب کے ساتھ۔ اس تشریح سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ متقدمین اولیاء اللہ کا قال و حال کیسا تھا اور ان کی زندگی بندگیٔ حق میں کیسی پاکیزہ گذری: ؎

بادشاہی سے فقیری کا ہے پایہ بلند　　بوریا چھوڑ کے کیا تخت سلیماں مانگوں

بعض متاخرین صوفیاے کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اصطلاح صوفیا میں ولایت کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ بلا کسی

امید و بیم کے صرف رضائے مولیٰ ہیں، خدا کی یاد میں اس طرح مستحکم ہو جائے کہ دل کا میلان ہمیشہ ذات پاک کی محبت میں مضبوط ہو جائے ۔ یہاں تک کہ کسی حالت راحت و رنج میں بھی غفلت نہ آنے پائے ۔ اسی کو نسبت و مشاہدہ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ لیکن جاننا چاہیے کہ یہ بات آسانی سے حاصل نہیں ہوتی ۔ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے حصول کے بعد ہی مشاہدے کی نعمت میسر آسکتی ہے ۔ اور یہ بات ظاہری علم کے ساتھ باطنی علم سے، شیخ کامل کی صحبت سے، قرآنِ مجید کے ظاہری و باطنی معنی و مطالب کو احادیث شریفہ کی روشنی میں اقوالِ صحابۂ کرام اولیاءِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خوب حاصل کرنے کی جد و جہد کرنے پر موقوف ہے ۔

غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہٗ قدس اللہ سرّہٗ رسالۂ غوثیہ میں فرماتے ہیں کہ " اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا : اے غوث اعظم ! میں نے تن اور نفس میں زاہدہ کا راستہ پیدا کیا ہے ۔ اور دل میں عارفین کا راستہ بنایا ہے اور جان میں یعنی روح میں واصلوں کا یعنی واتنیین کا طریقہ پیدا کیا ہے ۔ نیز میں نے اپنی ذات کو بھیدوں کے رازوں کا محل بنایا ہے ۔

خواجۂ خواجگان معین الدین اجمیری قدس اللہ سرّہٗ بھی ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ عارفین آفتاب کی مانند ہیں جو دُنیا پر چمکتے ہیں اور سارا جہاں اُن کے نُور سے منوّر ہے ۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ عارف کا کمترین درجہ یہ ہے کہ حق کے صفات سے متصف ہو ۔ (تخلقوا باخلاق اللہ)

صوفیائے کرام نے اس حقیقت کو خوب واضح کر دیا ہے کہ جو دِل نورِ باطن سے منوّر نہ ہو وہ دل ہی نہیں ہے اور وہ جسم جس میں روح نہیں وہ مردہ ہے ۔ لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس علمِ ظاہر کے ساتھ علمِ باطن نہ ہو وہ علم اخلاص سے معرّیٰ ہے چناں چہ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ فرما دیا ہے کہ " عالمِ خشک کی صحبت سے بھاگو " عالمِ خشک سے وہی علماء مُراد ہیں جو علمِ باطن سے بے بہرہ ہیں ۔ اسی واسطے حضرت قاضی ثنا اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جو خلیفہ ہیں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے، فرماتے ہیں کہ علمِ باطن فرض ہے اور علمِ طریقت واجب ہے اور بیعت ہونا سنّت ہے ۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ صوفیائے کرام یعنی اہل تصوّف کے قواعد بہت قوی ہیں اور وہ دوسرے اربابِ عقل و دانش سے بھی بہت آگے گزر گئے ہیں ۔ یعنی ان کی پرواز علم و معرفت میں بہت اعلیٰ ہے ۔ جو کچھ اوروں کے لیے استدلال ہے، ان کے لیے کشف ہے ۔ اہلِ تصوّف ہمیشہ ظاہر و باطن دونوں کو ملحوظ رکھتے ہیں ۔ ظاہری آدابِ شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہوتے ہیں ۔ یعنی خلق کے ساتھ اسلام کی ظاہری تعلیمات کے مطابق معاملہ

کرتے ہیں اور باطن میں وہ ہمیشہ احوال و مقامات صدق میں رہتے ہیں۔ یعنی باطن میں حق تعالےٰ کے ہم جلیس ہوتے ہیں۔ سلوک طے کرنے کے لیے سخت مجاہدہ بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے: والذین جاھدوا فینا لنھد ینھم سبلنا: یعنی جو ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ان کو ہماری راہیں ہم دکھا دیتے ہیں۔ دوسری جگہ اللہ نے قرآنِ مجید میں یہ بھی ارشاد فرمادیا ہے: یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین؛ یعنی اے ایمان والو تقویٰ پیدا کرو اور صادقین کی صحبت میں رہو۔ یہاں یہ چند اشعار جو دکن میں مشہور ہیں یاد رکھیں تو بہت اچھا رہے گا کیوں کہ یہ بھی فرمان نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہے: مَنْ طَلَبَ وَجِدَّ وَجَدَ؛ یعنی جس نے طلب کیا اور جدوجہد کیا اس نے مطلوب کو پالیا۔ ؎

من طلبنی وجدنی آیا ہے — دور تو جنا پڑا ہے از پندار
پیر کا دامن پکڑلے ہات میں — وہ بتادے گا تجھے اثبات میں
ان کی صحبت مردہ کو زندہ کردے — ایسا زندہ ہو کہ پھر وہ نہ مرے

یہ خوب جان لینا چاہیے کہ شریعت کا باطن طریقت ہے اور شریعت کے باطن کا باطن یعنی طریقت کا باطن حقیقت ہے اور شریعت کے باطن کے باطن کا باطن یعنی حقیقت کا باطن معرفت ہے۔ اس طرح شریعت مطہرہ جو اصل ہے اور جامع ہے اس کو ہر حال میں مقدم سمجھ کر عمل کرنا لازمی ہے۔

اب میں بطور تمہید چند کلمات سپردِ قلم کرنے کے بعد حضرت سید شاہ کمال الدین حسینی قادری و چشتی، شمعِ خاندان چشت قدس سرہٗ کی ایک صوفیانہ غزل کی تشریح پیش کر رہا ہوں۔

یہ غزل دیوان مخزن العرفان سے اخذ کی گئی ہے: ؎

۱۔ شراب وصل سے مسرور رہنا — خمار ہجر سے مغمور رہنا

حضرت سید شاہ کمال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اے عارف باللہ تیری ذات کو جو معدوم ہے حق کی ذات میں جو وجودِ مطلق ہے گم کردے یعنی اپنی وہمی خودی کو فراموش کرکے حق کی ہستی کی بقا میں مستغرق ہوجا اور شرابِ وصلِ حق کی لذت پاکر مسرور ہوجا۔ یعنی ذاتِ وجودِ مطلق میں بندے کی ذات گم ہوجاتی ہے تو واصل بحق کہلاتی ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے: ؎

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے — تیری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے

اسی جگہ عارف رومی علیہ الرحمہ نے بھی کہہ دیا ہے: ع — اتصالے بے تکیف بے قیاس

غالبؔ کا یہ شعر بھی یہاں خوب چسپاں ہوتا ہے: ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو ۔۔۔۔ چلتا نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

عارف جب مشاہدۂ یار میں مست و بے خود ہو جاتا ہے تو وصلِ حق کی شراب سے مست و مسرور ہو جاتا ہے۔ یہاں جو سرور و لذت عارف کو ملتی ہے وہ شراب سے تشبیہ دے کر سمجھایا گیا ہے۔ چوں کہ وصلِ حق میں دوئی مٹ جاتی ہے یعنی بیگانگی مٹ کر یگانگی کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ نے دوسری جگہ فرماتے ہیں: ؎

حق کی یگانگی سے جو کوئی آشنا ہوا ۔۔۔۔ وہ گم ہوا نہ بندہ ہوا نہ خدا ہوا

بحرِ زلال سے جو نمک جا ہوا قریں ۔۔۔۔ وہ گھل گیا نہ ملح ہوا اور نہ ما ہوا

کسی عارفِ کامل نے بہت خوب کہا ہے، جو اس وصل و وصال کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیے: ؎

تو مباش اصلا کمال اینست و بس ۔۔۔۔ تو زخود گم شو وصال اینست و بس

حضرت سید شاہ امین الدین علی اعلےٰ شیرِ خدا بیجاپوری قدس اللہ سرہٗ جو مادر زاد ولی ہیں قدیم دکنی زبان میں ارشاد فرماتے ہیں: ؎

دیکتا دکتا ایسا دیک ۔۔۔۔ دونوں مل کر ہوویں ایک

دیکتا دکتا ہر دو فنا ۔۔۔۔ بندہ مولا کسے کنا

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں فرماتے ہیں: اے عزیز ہجر میں یعنی حالتِ ہوشیاری میں بھی شراب وصل حق کے نشے کا خمار باقی رہنا چاہیے۔ کیوں کہ یہ نشہ دید مطلق کی مے نوشی کا ہے جو زائل ہونے والا نہیں۔ لہٰذا تجھے ہوشیاری کے ساتھ مست و مخمور رہنا ہے۔ جیسا کہ حضرت نے دوسری جگہ اپنا ہی حال ظاہر فرمایا ہے: ؎

عینیت سے مست ہوں اور غیریت سے ہوشیار ۔۔۔۔ دم بدم یہ میکشی یہ پارسائی بس مجھے

۲۔ رکھ اپنی اقتضا اس کی قضا پر ۔۔۔۔ نظر مختار اور مجبور رہنا

مطلب بالکل واضح اور صاف ہے۔ فرماتے ہیں: اے عزیز! قضائے الٰہی کے ہر امر پر اور ظہور پر بخوشی راضی رہنا چاہیے اور تیری نظر کو مجبوری اور مختاری دونوں پر رکھنا چاہیے۔ کیوں کہ تو نہ مجبور ہے اور نہ مختار ہے۔ اس مسئلہ کو اچھی طرح تحقیق کر کے معلوم کر لینا بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت انسان کی ذات میں اختیاری اور مجبوری دونوں رکھا ہے۔ نہ جبریہ والوں کا عقیدہ درست ہے اور نہ قدریہ والوں کا۔ چوں کہ تفصیل طوالت کا باعث ہوگی، مناسب خیال کرتا ہوں کہ یہاں حضرت شاہ میر صاحب سید قطب بیسور رحمۃ اللہ علیہ کا شعر اس عقیدہ کی درستگی کے لیے درج کردوں، ملاحظہ فرمائیے: ؎

نہ مجبور بندہ نہ مختار ہے میانہ پنا یاں سزاوار ہے

۳ محمدؐ بول کر ہونا انا العبد انا الحق کہ کے جوں منصور رہنا

فرماتے ہیں: محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے کامل بندے اور رسول ہیں۔ خدائی طاقتوں کے ظہور کے بعد بھی آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے انا العبد کا اقرار فرمایا ہے۔ چاند کو انگلی کے اشارہ سے دو ٹکڑے کر کے بھی اور ڈوبتے ہوئے سورج کو واپس لوٹا کر بھی اللہ کے حبیب محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے انا العبد فرمایا ہے عارف کو اس سنّتِ پاک کو مدنظر رکھ کر انا العبد ہو کر رہنا ہے۔ کیوں کہ بندہ کتنا بھی عروج کو پہنچے اللہ نہیں ہوتا اور اللہ کتنا بھی نزول کرے بندہ نہیں ہوتا۔ یہ صوفیاے کرام کا قاعدۂ کلّیہ ہے۔ البتہ "انا الحق" کہ کے جوں منصور رہنا" اس مصرع کی تشریح ذرا وضاحت سے کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت سید شاہ کمال قدس سرہٗ کے پیرومرشد حضرت شاہ سید محمد حسینی المعروف بہ شاہ میراول قدس سرہٗ نے بھی اس ضمن میں چند اشعار فرمائے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ امید ہے کہ اس مصرعے کی تشریح سمجھنے میں مدد ملے گی: ؎

نہ تنہا کہہ گیا منصور انا الحق ! کہے ہیں عارفاں جوں منصور انا الحق

ہوالحق جس کو ناصر ہے وہ منصور کہے ناصر نہ یہ منصور انا الحق

انا الحق بالیقین ذکر حقیقی انا الحق ذاکر و مذکور انا الحق

الپس کوں پاک کر شرکِ خفی سے کہے پردے میں ہیں طیفور انا الحق

اے عزیز! منصور علیہ الرحمۃ والرضوان کا سا حال قال پیدا ہونے کے بعد انا الحق کہنا حق ہے اور سزاوار ہے۔ جیسا کہ کسی عارفِ کامل نے اس قول کی تائید میں فرمایا ہے: ؎

روا باشد انا اللہ از درختے چرا نبود روا از نیک بختے

یعنی درخت سے انی انا اللہ رب العالمین کی آواز نکلنا (جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سُنی) جائز و روا ہے تو پھر اے عزیز! کیسے یہ آواز ایک نیک بخت صوفیِ باصفا سے نکلنا جائز اور روا نہیں۔ مطلب یہ کہ انا الحق کی آواز منصور علیہ الرحمہ کی زبان سے نکلنا بالکل جائز ہے۔ یہاں حضرت سید شاہ عبدالحق شاہ میر سوم علیہ الرحمہ کا بھی ایک شعر یاد آگیا، جو بالکل موزوں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: ؎

آواز انا الحق سنو لے اہل ظواھر منصور کی صورت میں خدا بول رہا ہے

اس قول کی تائید حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہٗ کے مندرجہ ذیل شعر سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: ؎

منم عثمان ہارونی کہ یار شیخ منصورم — ملامت مے کند خلقے کہ بر سرِ دار می رقصم

اگر انا الحق کی مزید تشریح مطلوب ہے تو حضرت داتا گنج لاہوری قدس اللہ سرہٗ کی کتاب کشف المحجوب اور مولانا رومی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مثنوی شریف کا بنظر غائر مطالعہ فرمائیں۔ حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ کے خلیفے حضرت سید محمد میر حیات قطب میسور قدس اللہ سرہٗ کے بھی چند اشعار مصباح الحیات سے درج کئے دیتا ہوں ملاحظہ فرما کر لطف اندوز ہو جائیں: ؎

ایک کہا تھا میں انا اور تو انا — ہیں سزا میں دونو ایک اب کیا کہنا (کہنا)
یوں جواب اس کو دیا منصور نے — دو انا کی ایک نسبت کیوں بنے
با خودی سے تو ہوا ہے لعنتی! — بے خودی سے میں ہوا ہوں رحمتی

۴ حضوری کو نپٹ لازم ہے آداب — نہ قرب شاہ پر مغرور رہنا

فرماتے ہیں کہ اے عارف بارگاہِ الٰہی میں حضوری کا شرف حاصل کرنے آداب عشق کو ملحوظ رکھنا بھی لازم ہے کسی حال و مقام میں عارف کو ادب سے دور نہیں رہنا چاہیے۔ قربِ الٰہی کا اعلیٰ شرف حاصل ہونے کے بعد بھی عاجزی وانکساری کے ساتھ رہنا چاہیے۔ کسی حال میں بھی مغرور بن کر نہیں رہنا چاہیے۔ سالکینِ راہ طریقت عشق و محبت کے آداب کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ کسی عارفِ کامل نے کیا خوب کہا ہے ملاحظہ فرمائیے

؎ جب مٹ گئے خودی سے تو ہستی نظر پڑی — ویراں جو آپ ہو گئے بستی نظر پڑی
دیکھا تو خاکسار ہی عالی مقام ہیں — جوں جوں بلند ہم ہوئے پستی نظر پڑی

5 سلوک اوپر نہ ہو کر جذب غالب — امورِ شرع پر مامور رہنا

فرماتے ہیں راہِ خدا کے سالک کو چاہیے کہ سلوک پر جذب الٰہی کو غالب نہ ہونے دے۔ یعنی جذب الٰہی میں مغلوب ہو کر تکمیلِ سلوک کرنے سے پہلے ہی راہ سلوک میں نہ رک جائے۔ ہر حال و مقام میں شریعتِ مطہرہ کے احکام کو مدنظر رکھ کر سلوک کی تکمیل اس انداز سے کرے کہ جذب اور سلوک دونوں کا برابر دھیان رہے یعنی جذب کے ساتھ سلوک اور سلوک کے ساتھ جذب یکساں رہے۔ جاننا چاہیے کہ سالکین چار قسم کے ہیں۔

۱۔ سالک یعنی راہ شریعتِ ظاہری پر چلنے والا صرف سالک کے لیے حقیقت بالکل مخفی ہے۔

۲ مجذوب۔ جو حقیقت سے واقف اور باخبر ہے اور تمام سے بے خبر۔ ایسے مجذوب لوگوں کی نگاہ میں دیوانے معلوم ہوتے ہیں۔ دوران سلوک مغلوب الحال بن کر مجذوب بن گئے۔

۳ مجذوب سالک۔ جس میں حقیقت غالب اور شریعت یعنی سلوک مغلوب ہے اگرچہ سلوک اور جذب دونوں اس میں موجود ہوتے ہیں مگر مخفی۔

۴ سالک مجذوب۔ جس میں دونوں مراتب شریعت و طریقت موجود ہیں مگر غلبہ ظہور شریعت کا ہے۔ مجذوب سالک اور سالک مجذوب دونوں سے سلوک طے کرنے والوں کو مدد ملتی ہے۔ لہذا حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ نے اس شعر میں وضاحت کے ساتھ فرمادیا ہے کہ دورانِ سلوک جذب کو غالب نہ ہونے دینا چاہیے شریعتِ مصطفویؐ پر استقامت بہت ضروری ہے۔

۶ عجب مردِ صحیح سالم اندام معطل جوں زنِ معذور رہنا

فرماتے ہیں کہ صحیح سالم اعضاء رکھنے والا مرد معذور عورت کے مانند بیکار بیٹھے رہنا بڑا تعجب ہے۔ جواں مرد ہو کر بھی عورت کی طرح معطل و معذور بن کر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں۔ اس راہ سلوک میں مردانہ وار مسلسل جدوجہد کرنا بہت ضروری ہے۔

۷ دو ذات عبد و رب سے کرکے انکار لباسِ عقل سے کیوں عُور رہنا

فرماتے ہیں صوفیاءِ کرام کی تحقیق کے مطابق دو ذات ہیں۔ ایک بندے کی ذات اور دوسری حق کی ذات اللہ کی ذات اپنے وجود سے خود موجود ہے۔ یعنی اللہ ذات وجود مطلق ہے اور بندے کی ذات وجود نہ رکھنے والی ذات یعنی عبد معدوم ہے۔ جو حق سے موجود نما ہے۔ صوفیائے کرام نے ذات کی تعریف اس طرح کی ہے :

صوفیاء نے کی ہے یوں تعریفِ ذات مستند ہوں جس سے اسماء و صفات

لہذا رب کی ذات کا اقرار کرکے عبد کی ذات کا انکار بھی عقل کے لباس کو اتار کر برہنہ ہونے کے مترادف ہے ایک عارف کے لیے دو ذات اور ایک وجود کی تحقیق خوب کرکے شیخ کامل کی رہبری میں سلوک کی تکمیل کرنا بہت ضروری ہے یہ مسئلہ وحدت الوجود تصوّف کا ایک ادق مسئلہ ہے۔ (شیخ کامل سے اس مسئلہ کی خوب تحقیق کرلیں۔)

۸ حکم آئے میسر کر الٰہی نہ درد جہل سے رنجور رہنا

اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے ایک حکیم حاذق میسر ہو جائے۔ یعنی روحانی طبیب مل جائے تو جہالت

کے درد سے نجات مل سکتی ہے ورنہ جہالت کی بیماری سے تکلیف اٹھانے کے سوا چارہ نہیں۔ لہٰذا سالک کو ہر وقت بارگاہِ الٰہی میں بخلوصِ دِل دُعا کرتے رہنا چاہیے تاکہ علم و حکمت کے دروازے اس پر بھی کھُل جائیں اور جہالت کے غم سے نجات مل جائے۔ ؎

9 جُدا نیں روز سے خورشید ہر گاہ عبث شپّر صفت کیوں کور رہنا

مطلب بالکل صاف ہے۔ فرماتے ہیں کہ سورج سے اسکی روشنی و اُجالا کسی وقت جُدا نہیں ہے مگر چمگاڈر کو اس کا اُجالا راس نہیں آتا وہ اندھا بن جاتا ہے۔ اور اس کی تاب نہ لاکر اندھیرے میں رہنے کو پسند کرتا ہے۔ اسی طرح حق سبحانہٗ کا فیض جو ہر وقت جاری ہے، اس سے مستفیض نہ ہونا یہ چمگاڈر کی صفت ہے۔ جہالت کے اندھیرے میں ہی رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ ؎

10 دوشئی ہیں مہر و ماہ پر ہم کو لازم دو لو میں ناظر یک نُور رہنا

فرماتے ہیں کہ سورج اور چاند اگرچہ کہ دو شئی ہیں مگر ہم کو لازم ہے کہ ان دونوں میں ایک ہی نُور کا مشاہدہ کریں۔ کیوں کہ سورج خود اپنی ذات سے روشنی اور چاند سورج کی روشنی سے منوّر ہو کر چاندنی پھیلا رہا ہے۔ لیکن بنظرِ تحقیق دیکھا جائے تو ناظر کو اک ہی نُور سورج میں اور چاند میں نظر آئے گا۔ اسی طرح ذاتِ نبیؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم میں جو نُور ہے وہ خدا کا نُور ہے اور نبیؐ کی ذات مرأت میں نُورِ حق بن کر نظر آرہا ہے۔ اے عارف! تجھے چاہیے کہ ذاتِ خدا اور ذاتِ نبیؐ میں ایک ہی نُور کا مشاہدہ کرے۔ چناں چہ دوسری جگہ حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو: ؎

نبیؐ کی ذات کے مرأت میں نُورِ خدا دستا جہاں کے جام میں عکسِ جمالِ مصطفےٰ دستا

اور دوسری جگہ فرمایا ہے: ؎

مصطفےٰ کا نُور ہے نُورِ خدا تو جُدا سمجھا تو ہے تیری خطا

11 ہمارا یار ہے ہم سے ہم آغوش بھلا نیں اس ستی مہجور رہنا

اے عزیز! اچھی طرح پہچان لے کہ ہمارا یار یعنی رب جو ہمارا معشوق ہے ہمارے پہلو ہی میں ہے اور ہم سے وہ ہم آغوش ہے۔ اس حقیقت کو پاکر لطف اندوز ہونے کے بجائے وہم غیر میں مبتلا ہو کر جُدائی کے غم میں تڑپنا اچھا نہیں۔ ہمارا یار کبھی ہم سے جُدا نہیں۔ ہمارا وہم غیر ہی ایک حجاب بن گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ؎

تھا وہم غیر میرا مجھ کو حجاب یارب ورنہ جمال تیرا ہے نقاب یارب

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے ؛ شعر کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیے : ؎

نحن اقرب قرآن میں آیا دُور تو جا پڑا ہے از پندار

قرآنِ پاک میں اللہ تعالٰے کا یہ ارشاد بھی ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید او کما قال ط یعنی ہم رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اسی لیے حضرت نے دوسری جگہ فرمایا ہے : ؎

انّی قریب تجھ کو کہا جب حبیب نے انصاف کرکے اس کا وصال اب نہیں تو کب

۱۲ کہیں ہووے کرے جو کچھ کہ چاہے نپا کامل کے تیئں معذور رہنا

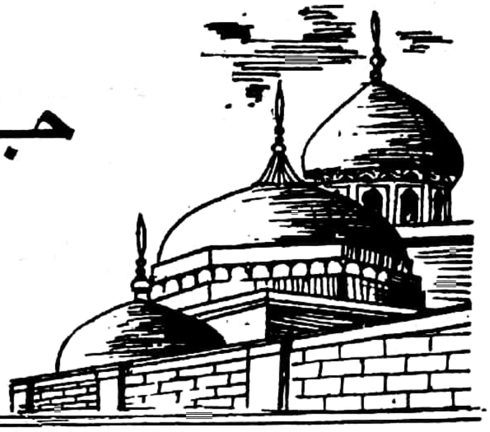
اس شعر کا مطلب بالکل واضح ہے اور تشریح کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اے عزیز! جہاں کہیں رہے اور جو کچھ بھی چاہے شیخ کامل کی رہبری کے بغیر خود بخود سلوک طے نہیں کرسکتا۔ تجھے معذور بن کر رہنا پڑے گا۔ لہٰذا شیخ کامل کو پانا۔ اس سبب راہِ سلوک کو طے کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ ؎

۱۳ خفی کی محویت میں مثل شہ میر بہ ذکر و ذاکر و مذکور رہنا

دیکھیے اس آخری شعر میں حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت شہ میر اول رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی کس پیارے انداز میں فرمایا ہے۔ تقریباً ہر غزل میں پیر و مرشد کا ذکر کرنا اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ اپنے شیخ کامل کی محبت حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ کے دل میں بہت زیادہ تھی۔ فرماتے ہیں کہ اے عارف! ذکر خفی میں اس قدر محویت پیدا کرنا کہ ذاکر مذکور اور مذکور ذاکر بن کر محسوس ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت شہید شاہ میر اول رحمۃ اللہ علیہ کا حال ذکر خفی کی محویت میں ہوتا تھا۔ قرآن مجید میں بھی باری تعالٰے نے ارشاد فرمایا ہے فاذکرونی اذکرکم ط یعنی تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا۔ یعنی ذاکر حقیقی، ذکر خفی میں مشغول و محو ہو کر مذکور اللہ کو پالیا کرتا ہے۔ یہاں ذکر کے اقسام کو جان لینا بھی لازم ہے۔ ایک ذکر لسانی ہے، جو زبان سے ادا ہوتا ہے۔ جس کو تلفظ اور تعلقہ کہتے ہیں۔ ایک ذکر قلبی ہے، جس کو وسوسہ کہتے ہیں اور ایک ذکر روحی ہے۔ جہاں مکاشفہ ہوتا ہے۔ ذکرِ سرّی میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور ذکر خفی اور اخفیٰ میں مشاہدہ مذکور کا اس قدر صاف ہوتا ہے کہ اس صوفیائے کرام معائنہ کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل شیخ کامل سے معلوم کر لینا چاہیے۔ اور ذکر حقیقی میں مشغول ہو کر مذکور کو پانا اور مسرور رہنا چاہیے : ؎

۱۴ کمال آئینہ ہر شئی میں یہ بس کہ عکس وجہِ حق منظور رہنا

(بقیہ صفحہ 12 پر)



جگر گوشۂ سیّدنا غوث الثقلین
سیّدنا شاہ طاہر قادری الحمویؒ آدونی

✿ یس محمّد یوسف شمّاس ۔ اسٹیشن سپرنٹنڈنٹ ۔ یس سی ۔ ریلوے ۔ ادونی ۔ (اے ۔ پی)

گیارھویں صدی عیسوی میں ملکِ دکن کو غوثیت کے سات گہر ہائے تابدار نے روشن کیا ۔ جنھیں "سبعۂ قادری" کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے ۔ جن میں سید شاہ عبداللطیف لااُبالی الحمویؒ کا اسم گرامی بھی شامل ہے ۔ آپ کا مرقدِ انور قمر نگر دکرنول، میں ہے ۔ سیدنا لااُبالی کے پانچ فرزند "خمسۂ طیبہ" کے نام سے پہچانے جاتے ہیں ۔ جن میں دو شہید اور تین (۳) غازیانِ دین وملّت ہیں ۔ پہلے فرزند سید شاہ ابوالابدال قادریؒ، مشہد چتلدرگ اور مدفن کرنول ۔ دوسرے سید شاہ موسیٰ قادریؒ ۔ رحلت کردہ بیجاپور ۔ سوم سید شاہ محی الدین ثانی عرف ہیر شاہ قادریؒ حیدرآباد ۔ چہارم سید شاہ طاہر قادریؒ، مرقدِ انور آدونی ۔ پنجم سید شاہ عیسیٰ قادریؒ، مشہد قریب کرنول اور مدفن شہر کرنول ۔

زیر نظر مضمون میں ہم سیدنا لااُبالیؒ کے چوتھے فرزند سید شاہ طاہر القادری الحموی المعروف بہ حضرت صاحبؒ کا کچھ تذکرہ کر رہے ہیں ۔ آپ "سید برحق" اور "اویسی القادری" کے لقب سے بھی مشہور ہیں ۔ آپ کی ولادت مبارکہ کے وقت سیدنا لااُبالیؒ نے بعد از تکبیر واقامت کے ارشاد فرمایا کہ میرا یہ فرزند غوثیت کے اعلیٰ مرتبہ پہ فائز رہے گا ۔ آپ کا شجرہ نسب سترہ واسطوں سے سیدنا غوث الثقلینؒ تک پہنچتا ہے ۔ دورِ طفلی تا ایامِ جوانی آپنے والد بزرگوار کی خدمت میں بیس سال صرف فرمادی ۔

نواب سدّی مسعود خان پر عنایت : دورِ طفلی ہی سے مسعود خان جو کرنول کے نواب عبدالوہاب خان کے غلام تھے، آپ سے بے حد الفت والنسبت رکھتے تھے ۔ اور آپ کے ہم عمر بھی تھے ۔ ہمیشہ آپ کی خدمت بجالاتے تھے ۔ آپ سے گزارش کی کہ سرکار اس غلام کے حق میں ایسی دُعا فرمائیں کہ وہ کسی مقام کا حاکم بن جائے ۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ مشیت الٰہی سے ایسا ہی ہوگا ۔ نواب عبدالوہاب خان کے بعد پھر مسعود خان نے آپ سے گزارش کی آپنے

ارشاد فرمایا: "اب تمہارا وقت آ گیا ہے۔ میرے یہ نعلین لے کر امتیاز گڑھ (آدونی) کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ حسبِ ارشاد وہ مختصر جمعیت کے ساتھ جب سوادِ آدونی میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگ رکاوٹ بن گئے۔ مگر لوگ جوں ہی نعلینِ مبارک کا مشاہدہ کرتے وہ دم بخود اور خاموش ہو جاتے۔ یہاں تک کہ رئیسِ وقت کو لوگوں نے معزول کر دیا اور سدّی مسعود خان کو آدونی کا نواب بنا دیا۔

سیدنا لاابالیؒ کے وصال کے بعد مسعود خان کے اصرار پر آپ والدہ محترمہ جانبِ آدونی روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ آپ کی والدہ محترمہ انتقال کر گئیں جسے آپ نے راہ ہی میں دفن فرما کر اپنا سفر جاری رکھا۔ جب قلعہ امتیاز گڑھ (آدونی) میں آپ کی آمد کا چرچا ہوا تو نواب مسعود خان معہ لشکر و احباب کے تشریف لائے اور اپنے محل میں ٹھہرایا۔ ایک دو روز قیام کے بعد آپ ایک معمولی مکان میں منتقل ہو گئے۔

خلافتِ اویسیہ: آپؒ کا سلسلۂ رشد و ہدایت جاری رہا۔ ہزاروں خاص و عام آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ جب آپ کی پیری کا دُور دراز تک چرچا ہوا تو کچھ معاصرین آپ پر شک کرنے لگے کہ شاہ طاہرؒ نے جب کسی سے خلافت ہی حاصل نہیں کی ہے تو یہ پیری مریدی کیسی؟ آپ نے ایک روز ان تمام کو دعوت دی۔ جب وہ یا اُن کے نمائندے آ گئے تو آپ نے ان تمام کی آنکھیں بند کی تو یہ تمام ایک عجب ہی نظارہ کر لیتے ہیں اور خود کو روضۂ غوث الثقلینؒ میں پاتے ہیں۔ جناب غوث پاک علیہ الرحمہ روضۂ اقدس سے باہر تشریف لاتے ہیں اور سامنے سید شاہ طاہر قادریؒ سر خمیدہ پیکرِ عجز کھڑے ہیں اور تمام مراسمِ خلافت انجام پاتے ہیں۔ بعد اس کے تمام آنکھیں کھل جاتی ہیں تو خود کو اپنے مقام پر پاتے ہیں اور شاہ طاہرؒ میں بعد از خلافت کی تمام نشانیاں پاتے ہیں اسی وجہ سے آپؒ کا لقب "اویسی القادری" مشہور ہوا۔

امتحانِ صبر و رضا: کچھ عرصہ کے لیے حاسدین کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں مگر پھر بھی اُن کا حسد کم نہیں ہوا۔ آپ پر خطرناک جادو کیا گیا جس کا حال عجیب تر ہے۔ یعنی صبح ہوتے ہی آپ کا دہنِ مبارک کھلنا شروع ہو جاتا ہے اور دوپہر تک اتنا کشادہ ہو جاتا کہ آپ کے دل و جگر تک نمایاں طور پر نظر آنے لگتے ہیں۔ زوال کے بعد منہ بند ہونا شروع ہو جاتا اور وقتِ مغرب تک صحیح و سالم ہو جاتا۔

ایک سال تک یہی اذیت رہی۔ سیدنا لاابالیؒ ایک شب خواب میں تشریف لاتے ہیں۔ جادو کی حقیقت کا اظہار کر کے وظیفہ اور طریقۂ دفع سحری کی آیات بتا دیتے ہیں جس پر عمل پیرا ہو کر صحت یاب ہو جاتے ہیں۔

گذراوقات : شہنشاہوں اور امراء کی ملاقات سے آپ کو اجتناب تھا۔ آپ کا روزمعاش غیبی اعانت پر ہوتا تھا۔ بوقت ضرورت ایک مردِ غیب دروازہ پر دستک دیتا۔ آپ خادمہ سے کہتے کہ جاؤ اور جو شخص دروازہ پر کھڑا ہے وہ کیسۂ زر دے گا اور اس سے کسی قسم کا سوال او رگفتگو نہیں کرنا۔ پوری رقم خرچ ہونے پر ہی دوبارہ مردِ غیب دروازہ پر نمودار ہوتا۔ اسی طرح آپ کا روزمعاش غیبی مدد پر چلتا رہا۔

شاہوں سے اجتناب : شہنشاہ اور امراء سے آپ ہمیشہ دور رہتے تھے۔ آپ کا چہرۂ انور بظاہر جلالی مگر آپ کے صفات جمالی تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر آپ سے ملاقات کے لیے ترساں تھا۔ مگر آپ کی تصویر جلالی کا مشاہدہ کر کے ملاقات سے باز آیا۔

شہزادہ اعظم پر شفقت : شہزادہ اعظم بن عالمگیر ایک مہلک مرض میں مبتلا اور قریب المرگ تھا مگر آپ کے دستِ شفاء سے اس مہلک بیماری سے نجات پائی۔

حیدرآباد کی نظام سلطنت کی بنیاد : شہنشاہِ عالمگیر کا سپہ سالار غازی الدین خان فیروزجنگ بھی آپ کے حلقۂ ارادت مندوں میں شامل تھا۔ ایک دن غازی الدین خان نے شاہ طاہر قادری سے گذارش کی کہ ناچیز کا بیشتر وقت جنگ وجدل میں صرف ہو رہا ہے۔ اس نے اپنے سات سالہ اکلوتے لڑکے نظام الملک آصف جاہ کو آپ کی خدمت میں سپرد کر کے گزارش کی کہ حضور یہی لڑکا میری پیری کا سہارا ہے۔ آپ نے اسے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا اور اس کی تربیت کی۔ آپ نے اپنی انگشتِ مبارک سے نظام الملک کی پشت پر اسم الٰہی "یافتّاح" ستر مرتبہ تحریر فرمایا۔ چناں چہ تاریخ شاہد ہے کہ آصف جاہ نے دکن میں ستّر جنگیں لڑیں اور اُسے کسی بھی جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی نے سلطنتِ آصفیہ کی بنیاد ڈالی اور یہ سلطنت تقریباً ڈھائی سو سال تک ملکِ دکن کے وسیع وعریض علاقہ پر عظمتِ اسلامیہ کا نشان بنی۔ جس کا اختتام مرحوم نواب عثمان علی خان پر ہوتا ہے۔ اندرون مسجد جامع آدونی کے قلبی گنبد کے نیچے یہ غوثی وظیفہ اسم الٰہی "یا فتّاح" نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

شاہی جامع مسجد آدونی : سید شاہ طاہر قادری کی ایماء پر نواب مسعود خان نے دکن کی حسین وجمیل مسجد سنگِ خارا سے تعمیر کی۔ پتھروں کی بڑی جسامت اور تقریباً ساڑھے تین سو سال قبل آج تک عقل جواب دیتی ہے کہ اتنے سارے وزنی پتھروں کا بلندی تک لے جانا تحیّر خیز ہے۔ بلند و بالا مینار بھی سنگِ خارا ہی سے تعمیر کئے گئے ہیں۔ مسجد کے چاروں ضلع یکساں ہیں۔ اور تقریباً کعبۃ اللہ کے مساوی ہیں۔ مسجد کے اندر جا بجا فنِ طغریٰ اور خطّاطی کے بے مثل

اور شاہ کار نمونے ہیں۔ تقریباً تمام آیات قرآنی، احادیث و ظائف وغیرہ سید نا شاہ طاہر قادری کے وضع کردہ ہیں۔ درمیانی کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کتبات کے کاتب جلال ابن شیخ محمود تھے۔ ؎

نوشتم در زمانِ خانِ مسعود جلالم نام ابنِ شیخ محمود

مسجد کی پیشانی پر سنگ سیاہ کی تختیوں پر تراشے گئے کتبات جس میں سید شاہ طاہر قادری کے رباعیات، قطعات آیاتِ قرآنی، تاریخی مادّہ وغیرہ ہیں۔ صاحبِ تحقیق کے لیے ایک عظیم سرمایہ پیش کرتے ہیں۔ مسجد کی تعمیر ۱۰۷۷ھ ہجری تا ۱۰۷۹ھ ہے

شعر و ادب : آپ مخزنِ علم و عرفان تھے۔ آپ میں ادبی فضیلت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ آپ کو عربی، فارسی، دکنی اور ترکی وغیرہ میں دسترس حاصل تھی۔ علم فقہ، تفسیر، لغت، حروف و ابجد شماری، نجوم، تاریخ گوئی وغیرہ میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ کی منظوم مکتوب کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ کا ایک رسالہ "کنز النفاس" احکام الصلوٰۃ وغیرہ میں بے مثال ہے۔ فنِ لغات میں "خوانِ یغما" بھی مشہور ہے۔ افسوس کہ اکثر ادبی ورثہ منتشر اور ناپید ہے۔

آپؒ صاحبِ کرامت بزرگ ہیں۔ زہد و تقویٰ، توکل و قناعت میں حد درجہ کے کامل بزرگ تھے۔ آپ نے اپنے فیضِ کمال سے مخلوقِ خدا کو بے حد نفع پہنچایا ہے ہیں۔ آپ کے چھ فرزند اور چھ صاحب زادیاں تھیں۔ آپ کا وصال ۱۱۱۵ھ ماہِ جمادی الاول ہے۔ آپ نے بقیدِ حیات ہی "شیرِ خدا" میں اپنا سنِ وصال ۱۱۱۵ھ نکالا۔ روضہ مبارک شہر سے دور پہاڑیوں کے دامن میں حسین وادیوں واقع ہے۔ جس کے سامنے خوش نما جھیل ہے۔ ...

نعت شریف

دل میں تڑپ ہے ایسی جیسے کہ ہے سفینہ
ہر ذرّہ یاں کا جلوہ، جلوہ گہِ مدینہ

داغِ فراقِ جاناں کیا پوچھتے ہو ہم سے
اک شعلہ و دھواں ہے یا ہے کہ طورِ سینا

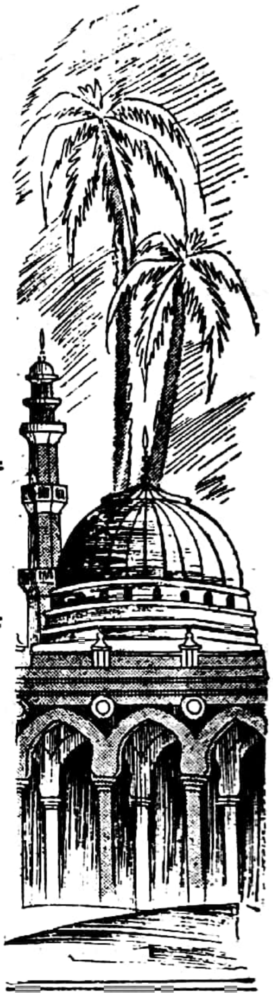
اے چارہ گر ہوا کیا! کیوں چھیڑتا ہے مجھ کو
سُنتا مری زباں سے ہے مدعی یہی نا؟

کیسی گذر رہی ہے؟ کیا حال ہے بتاؤں
بس آگ سی لگی ہے تڑپے ہے میرا سینہ

اے کاروانِ طیبہ بس ہوگیا مداوا
اب لے چلو مدینہ اب لے چلو مدینہ

فریاد کر رہے ہیں آقا سے اپنے افسر
آنکھیں ترستیاں ہیں بلوانا اب مدینہ

ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشاہ صاحب افسر



حدیث کیا ہے!

مولوی حافظ عبدالسلام لطیفی ویلوری

اللہ تعالےٰ اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کوئی اور وسیلہ ڈھونڈا جائے۔ اسی لیے قرآن پاک میں بار بار حکم دیا کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت اس وقت تک قبول ہو ہی نہیں سکتی جب تک اللہ کے پیارے رسولِ مقبول حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ قرآنِ مجید کا کلام اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے تو ہمیں یہ کیسے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اس کا کوئی ساتھی نہیں اور وہ اپنے بندوں سے کیا چاہتا ہے۔۔۔

یہ بات بھی سمجھنے کے لائق ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہی نہ تھا، بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں ہماری رہنمائی کرنا بھی تھا۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و عمل میں ہمارے لیے ہدایت ہے۔ اسی قول و عمل کا نام حدیث ہے۔ چونکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ وہ سب اللہ کے حکم کے مطابق ہوتا۔ اسی لیے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

حدیث شریف کی تعریف:

حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حدیث شریف کی تعریف یوں کی ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کا نام حدیث ہے۔

جو کچھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے وہ قول ہے اور جو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا وہ فعل ہے اور جو کچھ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی دوسرے شخص نے کہا یا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خاموشی اختیار کی یعنی اس کو برقرار رکھا۔ وہ تقریر ہے۔ علماء کے نزدیک صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ عنہم اور تابعین کرام کے قول و فعل بھی حدیث میں شامل ہیں۔

صحابی وہ ہیں جو حالتِ ایمان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوئے ہوں اور حالتِ ایمان میں خاتمہ ہوا ہو۔ [صحابی کی جمع صحابہ ہے۔]

تابعی وہ ہیں جن کی کسی صحابی سے ملاقات ہوی ہو اور حالتِ ایمان میں خاتمہ ہوا ہو۔ تابعی کی جمع تابعین ہے۔

سنّت اور حدیث :

سنّت کی معنی ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا راستہ، طریقہ۔ چون کہ حدیث ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے راستے اور طریقے کا ذکر ہوتا ہے اس لحاظ سے سنّت اور حدیث ہم معنی ہیں۔ لیکن ان دو لفظوں ہیں باریک فرق ہے کہ لفظ حدیث سے عام طور پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مراد ہوتا ہے اور سنّت سے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل مراد ہوتا ہے۔

حدیث شریف کی اہمیت :

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف کے مطالعہ سے صحابیت کی شان پیدا ہوتی ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ حدیث شریف پڑھتے وقت آپ کو ایسا محسوس ہوگا، جیسے اپنے دل کی آنکھ سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو عبادت کرتے، جہاد کرتے اور کام کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

حدیث شریف تمام اسلامی علوم کی کنجی ہے۔ عقائد و شریعت و طریقت (روحانیت) کے اصول سمجھنے کے لیے حدیثِ شریف کا مطالعہ ضروری ہے۔ حدیث شریف ایک آئینہ ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی جھلک نظر آتی ہے اور آپ کی آنکھوں کے سامنے یہ تصویر پھر جاتی ہے۔ کہ سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ نے کس طرح اسلامی معاشرہ کی بنیاد ڈالی۔ حدیث شریف قرآنِ حکیم کی تفسیر ہے اور جو اصول اور احکام قرآن حکیم میں مختصر طور پر بیان ہوئے ہیں ان کی تفصیل حدیث شریف میں موجود ہے۔

حدیثِ شریف کی ابتدا :

حدیث کی ابتدا اس وقت ہی ہوگئی تھی جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اس وقت سے لے کر قرآنِ حکیم

مکمل نازل ہو چکنے تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو صرف قرآنِ مجید یاد کرنے کا حکم دیا اور حدیث کے لکھنے سے منع فرمایا۔ جب پورا قرآنِ مجید نازل ہوگیا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوگیا کہ صحابہ کرامؓ نے قرآنِ مجید سیکھ لیا ہے اور یاد کرلیا ہے اور اس میں صحابہ کرامؓ پختہ ہو چکے ہیں۔ یعنی قرآن مجید اور حدیث شریف کے خلط ملط ہونے کا شک نہیں رہا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے کی اجازت دے دی۔

حدیث شریف ہم تک کیسے پہنچی :

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں لوگ ان سے دینی مسائل پوچھتے تھے اس لیے وہ حدیث شریف کو جمع کرتے اور دوسرے مسلمانوں تک پہنچاتے تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد صحابۂ کرامؓ کے زمانہ میں جو نسل جوان ہوی اور ان میں سے جن لوگوں نے صحابہ کرام سے ملاقات کی وہ تابعین ہیں۔ تابعین میں قرآن وہ حدیث کے زبردست عالم گزرے ہیں۔ جنھوں نے حدیث شریف کے علم کو پھیلایا اور اگلی نسل تک پہنچایا۔ نامور تابعین یہ ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب۔ حضرت نافع مولیٰ ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت محمد بن سیرین۔ حضرت مسلم بن شہاب زہری۔ حضرت سعید بن جبیر۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم

اس زمانہ میں مدینہ ۔ مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور مصر میں دارالحدیث قائم ہو چکے تھے۔ ان میں قرآن مجید اور حدیث شریف کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ دَور اسلام کی تہذیب کا ایک شاندار دَور تھا۔

تابعین کے بعد جو نسل آئی ان میں سے جن لوگوں نے ایمان کی حالت میں تابعین سے ملاقات کی ان کو تبع تابعین کہا جاتا ہے۔ (یا اتباع تابعین) حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی۔ حضرت سفیان ثوری، حضرت سفیان بن عینیہ اور لیث بن سعد رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم۔ تبع تابعین میں شامل ہیں۔

یہ تمام بزرگ حدیث شریف کے زبردست عالم تھے۔ اس کے بعد یہ تبع تابعین کے شاگردوں کا زمانہ آتا ہے۔ یہ دور بھی علم حدیث میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ان بزرگوں نے حدیث شریف کی مشہور کتابیں تالیف کیں۔ ان میں حضرت امام احمد ابن حنبل حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

حدیث شریف کی ایک مثال :

ہر ایک حدیث کے دو حصّے ہوتے ہیں۔ پہلے حصّہ میں ان راویوں کے نام ہوتے ہیں، جو حدیث بیان کرتے ہیں۔ کتاب

تالیف کرنے والا آخری راوی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ سند میں اپنا نام سب سے پہلے لاتا ہے۔ پھر اس راوی کا نام ہوتا ہے جس سے مؤلّف (تالیف کرنے والا) نے روایت سُنی ہو۔ اس طرح سند میں آخری نام کسی صحابی کا ہوتا ہے۔ جو یہ بتاتے ہیں کہ انھوں رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اس طرح کہتے سُنا اور دیکھا ہے۔ اس حصّہ کو "سند" کہتے ہیں۔ (سند کی جمع اسناد اور اسانید ہے۔) حدیث کے دوسرے حصّے کو "متن" کہتے ہیں۔ متن میں حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کا قول یا فعل ہوتا ہے۔

سند کی معنیٰ 'سہارے' یا 'ٹیک' کو کہتے ہیں۔ جس سے کسی چیز کو مضبوط کرتے ہیں اور حدیث کے اسناد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث واقعی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان کی اور وہ ہم تک فلاں فلاں راویوں کے ذریعہ پہنچی۔

حدیث حاصل کرنے کا طریقہ: سماع

صحابۂ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین رحمتہ اللہ علیھم اور اُن کے بعد کے دَور میں حدیث حاصل کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ شاگرد اپنے استاد [شیخ] کی خدمت میں جاکر حدیث سیکھنے کی درخواست کرتا ہے۔ شیخ اس کی قابلیت کو جانچنے کے بعد اس کو حدیث سناتا ہے اور شاگرد اُسے سن کر یاد کرلیتا ہے۔ اس طریقے کو سماع کہتے ہیں۔

حدیث کی کتابوں میں جب یہ لکھا ہو کہ فلاں شخص کا فلاں شیخ سے سماع ثابت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شاگرد نے واقعی اس شیخ کے پاس جاکر سماع کے طریقے سے حدیث سنا تھا اور شاگرد نے اسے سُن کر یاد کرلیتا۔ اس طریقہ کو سماع کہتے ہیں۔

حدیث کی کتابوں میں سماع کے لیے یہ لفظ آتے ہیں:

حدثنا یعنی ہم سے حدیث بیان کی۔ اخبرنا یعنی ہم کو حدیث کی خبر دی۔ اس کے بعد حدیث بیان کرنے والے کا نام آتا ہے۔ اس طرح جملہ یوں بنتا ہے۔ کہ فلاں نے ہم سے یہ حدیث بیان کی۔

حدیث کے عالم — حدیث کے عالموں کے تین ۳ درجے

مُسنِد: یعنی روایت کرنے والا۔ یہ درجہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ راوی ہے اور اس سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔

مُحدِّث: یہ بڑا درجہ ہے۔ علمِ حدیث کی اصطلاح میں محدّث اس شخص کو نہیں کہتے جو حدیث کی دو چار کتابیں پڑھ چکا ہے۔ بلکہ محدّث اس عالم کو کہتے ہیں جو حدیث کی چھ ۶ صحیح کتابیں اور مسندِ احمد بن حنبل کا استاد سے باقاعدہ سماع کرچکا ہو اور اُن حدیثوں کو سن کر یاد کرچکا ہو اور یہ یاد رہے کہ صرف مسندِ احمد بن حنبل میں چالیس ۴۰ ہزار حدیثیں ہیں۔

اسی طرح محدث کو تقریباً اسّی ہزار ۸۰ حدیثیں زبانی یاد ہونی چاہیئں۔ اس کے علاوہ راویوں کے حالات معلوم ہونا چاہیے اور وہ ان خامیوں سے بھی اچھی طرح واقف ہو جو بے احتیاطی سے حدیث میں واقع ہو سکتی ہیں۔ ایسے عالِم کو ہی محدّث کہتے ہیں۔

حافظ : آج کل ہم قرآن مجید یاد کرنے والے کو حافظ کہتے ہیں۔ علم حدیث میں قرآن مجید یاد کرنے والے کو قاری کہتے ہیں اور حدیث شریف یاد کرنے والے کو حافظ کہتے ہیں۔

حافظ کا درجہ محدّث سے بڑا ہے وہ صرف صحاح ستّہ اور مسند احمد کی حدیثیں ہی نہیں بلکہ تمام حدیثوں کو یاد رکھتا ہے۔ اس کو ہر حدیث کے بارے میں یہ علم ہوتا ہے کہ وہ صحیح ہے۔ حسن ہے یا ضعیف ہے اور وہ تمام راویوں کے ثقہ ہونے یا نہ ہونے کا بھی علم رکھتا ہے۔

مرفوع اور مُرسَل

وہ حدیث جو آخری راوی سے بلند ہوتی ہوی پہلے راوی یعنی کسی صحابی تک پہنچے اور پھر صحابی یہ کہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے۔ ایسی حدیث کو مرفوع کہتے ہیں۔ مرفوع کا مطلب ہے کہ صحابی کی سند سے حدیث حضور صلے اللہ علیہ وسلم تک بلند کی گئی ہے۔ (رفع = بلند کرنا۔)

بعض حدیثیں ایسی ہیں جو معتبر تابعین نے بیان کی ہیں۔ انھیں اس بات پر یقین تھا۔ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ لیکن انھیں صحابی کے نام کا علم نہ تھا۔ ان میں صحابی کی بجائے تابعی نے بیان کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ ایسی حدیث کو مرسل کہتے ہیں۔ اس کا درجہ مرفوع سے کم ہوتا ہے۔

مرفوع کی جمع مرفوعات اور مرسل کی جمع ہے مراسیل۔

صحیح :

وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی ثقہ (قابل اعتبار) ہوں۔ کسی راوی کا نام چھُوٹا ہوا نہ ہو۔ تمام راویوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ (ایک دوسرے سے مل چکے تھے۔ تمام راویوں میں عدالت (پرہیزگاری) اور ضبط (اچھی یادداشت) کی خوبیاں موجود ہوں۔

حسن :

وہ حدیث ہے جس کی سند پوری ہو۔ یعنی کوئی راوی چھُوٹا ہوا نہ ہو۔ تمام راوی عدالت کی صفت

کے مالک ہوں ۔مگر کسی ایک یا دو راویوں میں ضبط (یعنی حافظہ) کی تھوڑی سی کمی ہو۔

ضعیف :

وہ حدیث ہے ۔جس میں صحیح اور حسن کی خوبیاں نہ پائی جائیں ۔جو مشکوک سمجھی جاتی ہو۔

موضوع :

وضع کہتے ہیں گھڑنے اور جعلی طور پر بنانے کو ۔بے دین لوگوں نے جو حدیثیں گھڑ ڈالی ہیں ۔ان کو موضوع کہتے ہیں۔

عِلمُ الرِّجَال :

حدیث شریف کے تمام راویوں کے زندگی کے حالات اور ان کی عدالت اور ضبط کی تفصیل کے عِلم کو علم الرجال کہتے ہیں۔ راویوں کے ناموں کو اسماء الرجال یا اعلام الرجال کہا جاتا ہے۔

علم جرح و تعدیل :

جرح سے مراد یہ ہے کہ کسی راوی کی خامی کو بھانپ لیا جائے اور اس پر اعتراض کیا جائے اور تعدیل کا مطلب ہے خامی دور کرنا ۔ یعنی راوی پر اعتراض کو دُور کر کے راوی کی عدالت اور اس کے ضبط کو ثابت کیا جائے ۔علم حدیث میں یہ سب سے مشکل کام ہے ۔

جامع :

حدیث کی جن کتابوں میں مندرجہ ذیل آٹھ قسم کی حدیثیں پائی جائیں ان کو جامع کہتے ہیں۔(جمع اس کی جوامع)

۱۔ عقائد۔ ۲۔ احکام۔ ۳۔ دل کو نرم کرنے والی باتیں۔(رقاق)۔ ۴۔ کھانا، پینا، سفر و حضر، نشست و برخاست کے آداب ۔ ۵۔ تفسیر۔ ۶۔ تاریخ۔ ۷۔ فتنوں سے متعلق حدیثیں ۔ (۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے فضائل۔ بخاری، مسلم اور ترمذی **جامع** شمار کی جاتی ہیں۔

صحاح ستّہ :

صحیح کی جمع ہے اور ستّہ کی معنی ہیں چھ یعنی حدیث کی چھ صحیح مستند کتابوں کو صحاح ستّہ کہتے ہیں ۔صحاح ستّہ میں بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ شامل ہیں ۔

سنن :

سنّت کی جمع سنن ہے۔ حدیث کی چھ صحیح کتابوں (صحاح ستّہ) میں سے چار کتابوں، ترمذی، ابو داؤد،

نسائی اور ابن ماجہ کو سنن کہتے ہیں۔ کیوں کہ ان میں احکامِ شریعت کی حدیثیں زیادہ ہیں۔ سنن کا لفظ چاروں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے سننِ ابوداؤد، سننِ نسائی۔

صحیحین :

یعنی دو صحیح کتابیں۔ یہ لفظ بخاری اور مسلم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

شیخین :

یعنی دو شیخ، دو بزرگ۔ علم حدیث میں حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام مسلمؒ کو اس لقب سے یاد کرتے ہیں۔ تاریخ اور سیرت میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضوان اللہ عنہم کو اس لقب سے یاد کرتے ہیں اور فقہ حنفی میں اس سے مراد حضرت امام اعظمؒ کے نامور شاگرد امام قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ہیں۔

متفق علیہ :

وہ حدیث جو بخاری اور مسلم دونوں میں پائی جائے اس کو زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے۔

زیادہ روایت کرنے والے صحابی :

جن صحابہ کرام نے زیادہ روایات بیان کی ہیں ان کو کثیر الروایات صحابہ کہتے ہیں۔ اُن کے نام یہ ہیں:

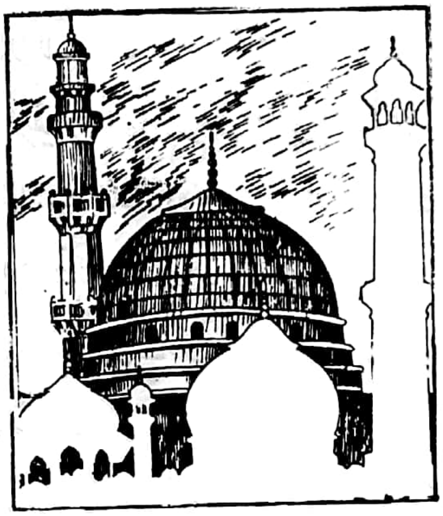
۱۔ حضرت ابوہریرہؓ۔ ۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ ۳۔ حضرت انس بن مالک۔ ۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
۵۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ۔ ۶۔ حضرت جابر بن عبداللہ۔ ۷۔ حضرت ابوسعید خدریؓ۔

مشہور محدثین :

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ۔ حضرت امام مالک بن انسؒ۔ حضرت امام شافعیؒ۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ۔ حضرت امام بخاریؒ۔ حضرت امام مسلمؒ۔ حضرت امام ترمذیؒ۔ حضرت امام ابوداؤدؒ۔ حضرت امام نسائیؒ۔ حضرت امام ابن ماجہؒ

حاصلِ تحریر! سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر قول وفعل ہی ہمارے لیے ہدایت اور رہنمائی ہے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل جس کو حدیث شریف کہتے ہیں وہی تمام اسلامی علوم کی کنجی ہے۔ شریعت وطریقت ہر ایک کے اصول سمجھنے کے لیے حدیث شریف کا مطالعہ بے حد ضروری ہے اور حدیث قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے حبیبؐ کے صدقہ وطفیل سے ہم تمام کو صحیح وعقیدت مندی سے احادیث کا مطالعہ کرنے کی نیک توفیق بخشے اور اپنی معرفت کے علوم سے ہمارے دلوں کو منور کردے۔ آمین ثم آمین! بجاہ سید المرسلین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔

محبت اور تعظیمِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم



محمد حسین لطیفی قادری
اردو مدرس ۔ مدنپلی

سرمدِ غمِ عشق بوالہوس را نہ دہند ۔۔۔ سوزِ دلِ پروانہ مگس را نہ دہند

مکھی تو ہرجائی ہے ۔ ہر جگہ بیٹھتی ہے ۔ نجاست پر بھی بیٹھتی ہے ، غلاظت پر بھی بیٹھتی ہے ۔ کھٹے پر بھی میٹھے پر بھی اور نمکین پر بھی بیٹھتی ہے ۔ مگر اللہ نے اس کو عشق کی دولت سے نہیں نوازا ۔ پروانہ جو ایک ہی رات میں پیدا ہوتا ہے ۔ جہاں شمع دکھائی دے اپنی جان قربان کردیتا ہے ۔ محبت چاہے اللہ کی ذات سے ہو یا رسول اللہ کی ذات سے جب تک محبت نہ ہو اس کی عظمت کا نقش دل میں نہ بیٹھے تو پھر سارے اعمال بیکار ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے جب محبت کی بات کی تو اپنی اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک ہی معیار رکھا ۔ اپنی جان سے بھی زیادہ آپؐ سے محبت کرنے کو ایمان کامل کے لیے شرطِ اول قرار دیا ۔

فرشتوں کے دل میں حضرت آدم علیہ السلام کا نقشِ عظمت بیٹھا تو سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے ۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام کے دل میں آپ کا نقشِ عظمت بیٹھا تو سب کے سب اُن کے حضور جھک گئے ۔ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو محض ایک بشر اور انسان سمجھا ، تعظیم کے لیے نہ کل تیار تھا نہ آج ! ۔ ہمیشہ کے لیے مردود و ذلیل ہوا ۔ محبت و تعظیم فکر و نظر میں ، اعمال میں ، زندگی کی ہر منزل پر انقلاب برپا کردیتی ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے پہلے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نقش دلوں میں جمایا ، پھر تعظیم و تکریم کے لیے حکم فرمایا ۔ میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور تعظیم کا یہ ادب سکھایا کہ ولا ترفعوا اصواتکم ط اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو ۔ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائے ۔

اس آیت میں پہلے ایمان لانے کا ذکر ، بعد میں تعظیم کا ذکر پھر اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرنے کو ایمانِ کامل کہا : ولا یومن احدکم حتّٰی یکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین ط

اس حدیثِ پاک کے مفہوم و مطلب سے معلوم یہ ہوا ' ایمان لانے والے، تعظیم کرنے والے، اطاعت پیروی کرنے والے ہی تو بامراد ہیں اور دونوں جہاں میں سرفرازی کا یہی ایک طریقہ رہ گیا ہے : ومن یطیع رسول فقد اطاع اللہ ۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری کیا، بے شک وہ کامیاب ہوا۔ ے

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آپؐ کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرما کر آپؐ کی عظمت کو بڑھایا ۔ جب کسی کے دل میں عظمت و محبت گھر جائے تو خود بخود ادب سکھاتی ہے ۔ وہ محبوب کی خامیاں تلاش نہیں کرتی ۔ حتیٰ کہ محبوب کی برائی سننا بھی پسند نہیں کرتی اور آپؐ کے دولت کدہ میں حاضری کا ادب و احترام یہ سکھایا کہ گھر کے باہر سے ہرگز ہرگز آپ کو آواز نہ دو ۔ انتظار کرو کہ آپ خود بخود تشریف لے آئے ۔ اور آپؐ کے خلوت کدے میں کوئی خاص بات کرنے کا ادب یہ سکھایا کہ اگر تنہائی میں بات کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اللہ کی راہ میں کچھ صدقہ و خیرات کرو ۔ کیوں کہ تم ایک بڑے دربار میں حاضر ہو رہے ہو۔

اور محفل کا یہ ادب سکھایا کہ جب سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم گفتگو فرما رہے ہوں تو خوب کان لگا کر سنو ۔ دوبارہ متوجہ ہونے کی نوبت ہی نہ آئے ۔ اگر متوجہ کرنا ہو تو انظرنا کہو : یعنی ہم پر دوبارہ نظرِ کرم فرمائیے ہے

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اور آپؐ کے فیصلہ کا یہ ادب کہ جو فیصلہ فرما دیں، دل سے تسلیم کیا جائے ۔ ذرہ برابر دل میں غبار آنے نہ پائے ۔ آپؐ کے حکم کا یہ ادب کہ جب بلائیں فوراً حاضر ہو جاؤ ۔ خواہ نماز ہی میں کیوں نہ ہو ۔ حکم کی تعمیل میں ذرا سی کاہلی و سستی پر تین صحابۂ کرام رکعب ابن مالکؓ ، مرارۃ بن ربیعؓ ، ہلال بن امیہؓ) کی وہ گرفت ہوئی کہ زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو گئی ۔ سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بولنا بند کر دیا تو سب صحابہؓ نے بات کرنا چھوڑ دیا ۔ چالیس دن اسی کرب کی حالت میں گزر گئے ۔ پھر وحی نازل ہوئی تو توبہ قبول ہوئی ۔ ان صحابہؓ کی جان میں جان آئی ۔ سرکارؐ نے گلے لگایا تو سب نے گلے لگا لیا ۔ سب بولنے لگ گئے ۔ اللہ نے گناہوں کی معافی و توبہ کرنے کا سلیقہ سکھایا ۔ کہ جب کسی سے گناہ ہو جائے تو محبوبؐ دوعالم کے پاس جاؤ پھر اللہ تعالےٰ سے معافی مانگو اور توبہ کرو ۔ اگر آپؐ بھی اس کی سفارش فرمائیں، تو ضرور اللہ تعالےٰ اس توبہ کو قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے ۔ ے

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم خدا چاہتا ہے رضائے محمدؐ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے ماننے والوں نے بہت ستایا ۔ ان کے کالے کارناموں کا ذکر جتنا قرآن پاک

میں کیا گیا ہے۔ کسی اور قوم کا نہیں۔ بات میں بات پیدا کرنا، بال کی کھال نکالنا یہ وہی بنی اسرائیل ہے جو ہمارے پیارے نبیؐ کی آمد سے پہلے نبیٔ آخر الزماں سمجھ کر اُن کا وسیلہ لے کر ادب و تعظیم سے دعا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر لیتے تھا۔ جب آپؐ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے کی بجائے بنی اسماعیلؑ میں پیدا ہو گئے تو جل کر خاک ہو گئے اور آپؐ کو ماننے سے اور آپؐ کی تعظیم کرنے سے انکار کر دیے۔ خدا کا عتاب ایسا نازل ہوا جن کے بارے میں قرآن مجید غیر المغضوب علیھم والضالین ؐ کہا۔ اسی طرح جو کوئی نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے قول و فعل سے ایذا دیتے ہیں تو اُن پہ اللہ تعالےٰ کی لعنت ہے اور آپؐ کی شان میں زبان درازی کا دردناک عذاب ہو گا۔

ایک منافق امام بدنیتی سے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کے لیے نماز میں ہمیشہ سورہ عبس پڑھا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے ایک صحابیؓ کو بھیج کر اس منافق کا سر قلم کر دیا۔ (خواجہ تفسیر البیان)

ایک منافق مسلمان اور ایک یہودی میں جگہ کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ دونوں بارگاہِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اپنا اپنا ماجرا سُنایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ اس فیصلہ سے منہ موڑ کر مسلمان منافق حضرت عمرؓ کے پاس اپنا ماجرا پیش کیا۔ حضرت عمرؓ یہ کہتے ہوئے اس منافق کا سر قلم کر دیا کہ جو کوئی اللہ کے رسول کے فیصلہ سے انکار کرے اس کا آخری فیصلہ یہی ہے۔ یعنی قتل۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ عنہم سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے جیسی محبت اور تعظیم بجالاتے تھے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ اُسی سچی محبت کا تقاضا تھا جس سے اُن کے سینے روشن تھے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

عروہ بن مسعود مشرف بہ اسلام نہ ہوے تھے۔ کفّار مکہ کی طرف سے سفیر بن کر آے۔ اس وقت کے جو ایمان افروز مناظر دیکھ کر فرماتے ہیں:

خدا کی قسم! بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں دفد لے کر گیا ہوں۔ حتّٰی کہ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی حاضر ہوا ہوں۔ کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس طرح کی تعظیم کرتے ہوں جیسے محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ آپ کی بارگاہ میں اونچی آواز سے نہیں بولتے تھے سر جھکاے بیٹھے رہتے اور چہرۂ مبارک کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے۔

جب وضو کرتے ہیں تو پانی نیچے گرنے نہیں دیتے اور بطور تبرک اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیتے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے اس عمل کو دیکھتے تھے۔ روکتے نہیں تھے۔ صحابہؓ کا یہ عمل ہمارے لیے (بقیہ صہ پر ملاحظہ ہو)

صحت و تندرستی میں غذا کی اہمیت

☆ محمد نعمان باشاہ: بی۔یو۔ایم۔ایس ؛سال آخر؛ گورنمنٹ یونانی میڈیکل کالج چینئی

انسان کی زندگی میں غذا کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر کسی آدمی کو غذا نہ ملے تو اس کی زندگی ہی خطرہ میں پڑ جائے گی اور اگر کوئی آدمی کئی دنوں تک مسلسل بھوکا پیاسا رہ جائے تو دنیا ہی سے کوچ کر جائے۔ اس لیے کھانا زندگی کی بقا اور صحت کے لیے ضروری ہے۔ خوردن برائے زندگی۔ لیکن کوئی صاحب کھانے پینے ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیں تو یہ ایک غیر انسانی عمل ہے اور وہ انسان کے زمرہ سے نکل کر حیوان کے زمرے میں چلے جائیں گے۔

اسلام نے غذا سے متعلق بڑی مفید اور ضروری ہدایات دی ہے۔ جو ہر دور اور ہر زمانے کے لوگوں کے لیے بڑی کارآمد ہیں۔ اگر ان باتوں پر عمل کیا جائے تو انسان کی زندگی اور اس کی صحت اچھی رہ سکتی ہے۔ قرآن کریم کا بیان ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا ط کھاؤ اور پیو اور اسراف مت کرو۔ غذا کے استعمال میں آدمی کو بڑی احتیاط اور غور وفکر سے کام لینا چاہیے۔ اگر غذا پاک وصاف اور عمدہ و بہتر اور مقوی استعمال نہ کی گئی تو اس کا نقصان جسمانی، روحانی اور اخروی اعتبار سے ہوگا۔ اللہ نے اپنے پیغمبروں کو حکم دیا کہ غذا حلال اور پاک وصاف کھائیں۔ یہ حکم رسولوں کے واسطہ سے ان حضرات کے امتیوں کو ہے: یا ایہا الرسل کلوا من الطیبت ط

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: طلب الحلال فریضۃ بعد فریضۃ ط فرض کے بعد حلال غذا حاصل کرنے کی جدوجہد فرض ہے۔ حلال اور پاک صاف روزی کے اثرات آدمی کے دل ودماغ، روح وضمیر اور اخلاق پر بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف حرام غذا سے آدمی کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے، روح مردہ ہو جاتی ہے اور دل میں قساوت اور گندگی جمع ہو جاتی ہے۔ اور ایسے آدمی سے اچھے اخلاق دیکھنے میں نہیں آتے۔ اور وہ انسانی ہمدردی اور خیر خواہی سے دور ہو جاتا ہے۔ ایسے آدمی کے اندر دنیا میں یہ باتیں دیکھنے میں آتی ہیں تو آخرت میں یہ باتیں دیکھنے

میں آئے گی کہ حرام غذا کھانے والا بہشت سے محروم رہ جائے گا۔ ہمارے نبی سید نا حضور پرنور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا ہے کہ لا یدخل الجنّۃ غذی بالحرام وہ جسم جنت میں نہیں داخل ہوگا جس کی پرورش حرام غذا سے ہوئی ہو۔

طب کی رو سے غذا جہاں جسم کے لیے نشوونما اور صحت کا ذریعہ بنتی ہے وہاں بیماریوں کو زائل کرنے کا ذریعہ بھی بنتی ہے بعض اطباء یہ بات پسند کرتے ہیں کہ غذاؤں کے ذریعہ ہی سے بیماریوں کو دور کیا جائے اور جہاں تک ہو سکے دواؤں کے استعمال سے دور رہا جائے۔ غذا کے ساتھ دوا بھی ضروری ہے۔ جب بھی کوئی مرض معلوم ہو جائے تو دوا کا استعمال نہایت ضروری ہے۔ دوا کے ساتھ ایسی غذائیں استعمال کرنی چاہیے جن کے اندر دوا کا عمل اور اثر ہے۔ اور وہ بیماریوں کو زائل کر سکتی ہے۔ جدید زمانہ میں مختلف سبزیوں اور غلّہ واناج وغیرہ کے اندر ایسے عناصر اور اجزاء کا پتہ لگایا گیا ہے جن میں بیماریوں اور مختلف جراثیم کو ختم کرنے کی قوت اور صلاحیت ہے۔

غذا اور دوا میں فرق ہے۔ دوا اپنی فاعلی کیفیات سے اثر کر کے جسم سے خارج ہو جاتی ہے۔ اور وہ بدن کا جز نہیں بنتی اور غذا اپنی فاعلی کیفیات سے اثر کر کے جسم کا حصہ بن جاتی ہے اور غذا وہ چیز ہے جو جسم کے لیے تغذیہ کے غرض سے استعمال کی جاتی ہے اور غذائیں مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں لطیف بھی ہیں جن سے پتلا خون پیدا ہوتا ہے۔ کثیف بھی ہیں جن سے گاڑھا خون پیدا ہوتا ہے۔ اور متوسط بھی ہیں جن سے درمیانی قوام کا خون پیدا ہوتا ہے۔ جس میں رقت بھی نہیں ہوتی اور غلظت بھی نہیں ہوتی۔ اور غذائیں معتدل بھی ہوتی ہیں اور غیر معتدل بھی ہوتی ہیں۔ انسان کے جسم میں خون کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر کسی کے بدن میں خون کم مقدار میں بنتا ہے یا خون بنتا ہی نہیں ہے تو زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اتنے اہم عنصر اور جز کی نشوونما کا تعلق غذاؤں سے جڑا ہوا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غذاؤں کا کردار زندگی اور صحت کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ غذا کو تغذیہ کی صلاحیت پیدا کرنے والی چیز قوتِ طبعیہ ہے اور یہی وہ قوت ہے جو اعضاء طبعیہ میں پائی جاتی ہے اور یہی غذا میں استحالہ اور تغیر کا کام انجام دیتی ہے۔ اعضاء کو غذائی مواد فراہم کرتی ہے اور بدن سے فضلات کو خارج کر دیتی ہے اس عمل کے ضمن میں بے شمار قوتیں اپنی اپنی جگہ پر عمل کرتی ہیں۔ جن سے بدن کی نشوونما ہوتی ہے اور صحت حاصل ہوتی ہے اور مضر صحت جراثیم کا خاتمہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ہدایتیں ملاحظہ کیجیے جو طبّی نقطۂ نظر سے کس قدر ضروری اور مفید ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معدہ کو تین۳ حصوں میں تقسیم کرو۔ ایک غذا کے لیے، دوسرا پانی کے لیے اور تیسرا خالی رکھو۔

صحت اور بیماری میں معدہ ہی اصل ہے۔ معدہ کو پوری طرح بھر دینا اور پوری طرح سے خالی رکھنا دونوں باتیں نقصان دہ ہیں۔ بہت زیادہ کھانے اور بھوک کے بغیر کھانے اور ہمیشہ منہ چلاتے رہنے سے کئی ایک بیماریاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔

چنانچہ اسہال، پیچش، قبض، ہضم معدہ کا ورم، متلی، قے، اور دانتوں اور مسوڑھوں کے امراض اور کئی ایسی بیماریاں اور علتیں ہیں۔ جن کا تعلق براہ راست یا واسطہ کے ذریعہ معدہ ہی سے ہوتا ہے۔

ایک مشہور حکایت ہے کہ مدینہ منورہ میں دوسرے شہر کا ایک حکیم آپہنچا اور اپنا مطب کھولا۔ اس کے پاس مریض بہت کم آتے تھے۔ اُسے بڑی حیرت ہوئی۔ اس شہر کی آبادی کے لحاظ سے مریض تو بہت زیادہ آنا چاہیے۔ کیا بات ہے کہ یہاں اور بھی مطب ہیں یا لوگ بیمار ہی نہیں ہوتے ہیں۔ اس بات کی تحقیق میں لگا تو پتہ چلا کہ یہاں کے باشندے فی الواقع بیمار کم ہی ہوتے ہیں۔ ان کی تندرستی کا راز معلوم کرنے کے لیے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور حقیقت حال دریافت کیا تو یہ بات معلوم ہوئی کہ کھانے پینے کے معاملہ میں مدینہ منورہ کے باشندوں کا یہ معمول ہے کہ جب تک بھوک نہیں لگتی کھانا نہیں کھاتے۔ ابھی کچھ کھانے کی گنجائش رہتی ہے تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ حکیم نے یہ بات سنی تو کہا: ان کی صحت کا راز یہی ہے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کے جو آداب اور طریقے بتلائے ہیں۔ ان کے اندر بھی بقائے صحت کا سامان ہے سنّت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھوں کو اچھی طرح دھو لیا جائے اور سیدھے ہاتھ سے کھایا جائے۔ اور کھانا خوب چبا کر کھایا جائے اور بیٹھ کر کھایا جائے۔ کھانے سے پہلے ذرا سا نمک کھایا جائے۔ کھڑے ہو کر نہ کھایا جائے اور بائیں ہاتھ سے نہ کھایا جائے۔

کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھونے کی ہدایت سے صاف ظاہر ہے کہ ہاتھوں پر نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی گندگی اور غبار کو دور کیا جائے۔ موجودہ زمانے میں بعض ایسے جراثیم کا پتہ چلا ہے کہ اگر ہاتھ دھو کر نہ کھائیں تو یہ جراثیم معدہ میں پہنچ کر مختلف قسم کے امراض پیدا کر سکتے ہیں۔ کھانے سے پہلے ذرا سا نمک استعمال کریں تو اس سے بھوک میں اضافہ ہوگا اور نمک کی وجہ سے لعاب پیدا کرنے والے غدود رطوبت پیدا کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے غذا ہضم ہوتی ہے۔ اور جو لوگ بھوک نہ لگنے کی وجہ سے مختلف دوائیں استعمال کرتے ہیں اگر یہ کھانے سے پہلے ذرا سا نمک کے استعمال کی عادت ڈال لیں تو دواؤں اور ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

کھانا بیٹھ کر کھانے سے معدہ میں غذا ضرورت کے مطابق داخل ہوگی اور معدہ پُر ہونے سے بچ جائے گا اور بیٹھنے کی ہیئت اور کیفیت کی وجہ سے آدمی کھانے سے ہاتھ کھینچ لے گا۔

کھڑے ہو کر کھانے سے دل اور تلی کے امراض پیدا ہونے کے امکانات ہیں۔ اور غذا کو خوب چبا کر کھانے سے ہاضمہ درست رہتا ہے۔ کیونکہ ثقیل غذائیں جب معدہ میں پس کر پہنچتی ہیں تو معدہ کو اپنے کام میں کوئی تکلیف اور دقت نہیں ہوتی اور وہ آسانی کے ساتھ غذا کو ہضم کر دیتا ہے۔ اچھی طرح چبائے بغیر کھانے سے دانتوں کا کام معدہ کو انجام دینا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ معدہ کے لیے یہ عمل کس قدر زحمت افزا ہے۔

بائیں ہاتھ سے کھانے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور اس طرح کھانے سے شیطان کے عمل سے مشابہت پیدا ہوجاتی ہے اور ایسا عمل غیر محسوس اور غیر مرئی اثرات چھوڑتا ہے۔ دائیں ہاتھ میں شفا ہے اور بائیں ہاتھ میں بیماری ہے۔ اور سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضیلت حاصل ہے اور ہر اچھے کام کی ابتداء سیدھے ہاتھ ہی سے ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ نیک شگون اور برکت کا تصور قائم ہے۔ غذا جس سے زندگی کا رشتہ قائم ہے ایسے کام میں بائیں ہاتھ کا استعمال کرنا عقلی حیثیت سے بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ سائنس نے بھی دائیں اور بائیں ہاتھ کی غیر مرئی شعاعوں کا پتہ لگایا ہے۔

بسیار خوری خود اپنی جگہ پر ایک مرض ہے۔ اس سے آدمی تن آسانی اور آرام طلبی کی جانب مائل ہوجاتا ہے اور اس کی وجہ سے کئی ایک جسمانی امراض پیدا ہوسکتے ہیں۔ اور اس کا سب سے بڑا نقصان یہ سامنے آتا ہے کہ آدمی کی ذہنی و فکری صلاحیتیں کمزور ہوجاتی ہیں اور تفکر و تدبر کا چشمہ خشک ہوجاتا ہے اور تحقیق و جستجو میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے اور علم و ادب کی ترقی رک جاتی ہے۔ خدا نے علم کو فاقہ کشی اور جفاکشی میں رکھا ہے اور یہ نعمت سیرابی میں حاصل نہیں ہوتی۔

لقمان حکیم نے اپنے فرزند کو نصیحت کی: پسر من! اگر تم خوب سیراب ہوکر کھانے کی عادت بنالوگے تو تمہاری سوچ اور فکر خوابیدہ ہو جائے گی اور فراست کمزور پڑجائے گی فاقہ کشی اور کم خوری، اور غذا میں میانہ روی، دنیا اور آخرت میں بہتری لاتی ہے۔

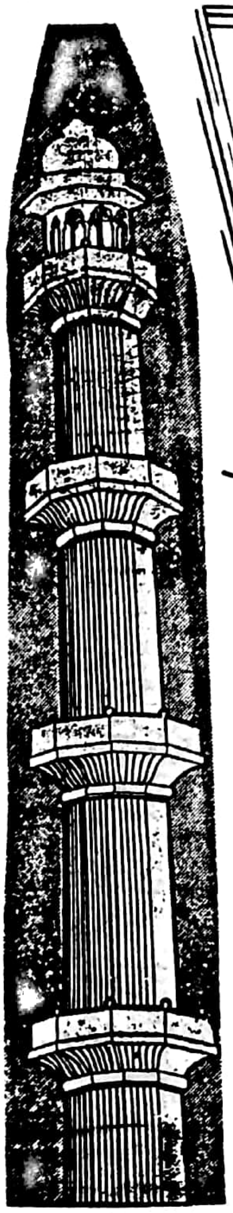
حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ڈکار لیتے ہوئے سن لیا تو اس سے فرمایا: ڈکار لینے سے باز آؤ۔ قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکا وہ شخص ہوگا جو دنیا میں سب سے زیادہ بسیار خور اور شکم سیر رہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ آنحضرتؐ کا یہ طرز اکل و شرب کسی فاقہ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ کئی ایک۔ دنیاوی مصلحتوں اور اُخروی فائدوں کے پیش نظر تھا۔

شیخ سعدی نے گلستان میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک بادشاہ نے دو آدمیوں کو قیدخانہ میں ڈال دیا اور ان کا کھانا پانی بند کردیا۔ چند ہی دنوں میں موٹا آدمی جو بسیار خور تھا بھوک برداشت نہ کرسکا اور دنیا سے چل بسا۔ اور دوسرا دُبلا اور فاقہ برداشت آدمی تھا۔ وہ زندہ رہ گیا۔

موجودہ زمانہ میں ڈاکٹروں نے بہت ساری بیماریوں کا علاج کم خوردن قرار دیا ہے اور سنّتِ نبویؐ کی افادیت کا عملی اعتراف ہے۔ آج دنیا نہ صرف دوا اور غذا کے معاملہ میں بلکہ معاشرت اور قانون میں بھی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنے لگی ہے۔ بھلے سے آپؐ کو نبیؐ تسلیم نہ کرتی ہو۔

حاصلِ کلام! اسلامی اور طبی زاویہ نگاہ سے غذا کی افادیت اور مضرت واضح ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگ غذا کے بارے میں صحیح و متوازن اور شرعی طریقہ کو اپنائیں تو دنیا اور آخرت میں فلاح ہے۔ ••

ویلور کی شاہی مسجد اور قبرستان



مولوی ایم۔اے۔ محمد خالد خان لطیفی ویلوری امام ٹیپو سلطان مسجد۔ ویلور

ضلع شمالی ارکاٹ کا حسین و جمیل شہر ویلور ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ اسے دار السرور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ویلور ایک قدیم تاریخی شہر ہے۔ تامل ناڈو کے بڑے شہروں میں ایک شہر ہے۔ یہ خوب صورت شہر پالار ندی کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کے جنوبی اور مشرقی جانب چھوٹے بڑے پہاڑوں کا سلسلہ اس کے حسن کو دوبالا کئے ہوئے ہے۔ ویلور ساتویں صدی عیسوی میں ترقی یافتہ شہر بن گیا۔ یہاں کا تاریخی قلعہ جو ہندوستان کے مضبوط ترین اور خوب صورت قلعوں میں شمار ہوتا ہے۔

670ھ مطابق 1274ء میں راجہ پر دردی مہارائل کے زمانہ میں ایک صاحب جاہ بومی ریڈی نامی شخص نے اس قلعہ کی تعمیر کی۔ سترھویں صدی عیسوی میں بیجاپور کے سلطان بہادر خان خانہ ویلور پر قابض ہوا۔ اس قلعہ کے اطراف بنی ہوئی خندق جو آج بھی پانی سے لبریز ہے، قلعہ کے حسن میں اضافہ کئے ہوئے ہے، یہ اسی سلطان بہادر خان خانہ کی رہین منت ہے۔

جناب محمود خان بنگلوری صاحب سلطنت خداداد کی تحریر کے مطابق 1718ء میں حیدر علی خان، بانی سلطنت خداداد نے ویلور پر قبضہ کیا۔ یہ سلطنت جنوبی ہند کی ایک مضبوط ترین سلطنت رہی ہے۔ جس کے بانی نواب حیدر علی خان ہیں۔ یہ سلطنت 1761ء سے 1799ء تک پوری شان و شوکت کے ساتھ ترقی کی منزلیں طے کرتی رہی۔ جس کا پایۂ تخت سری رنگا پٹنم (میسور) تھا۔ اس حکومت کے دوسرے اور آخری بادشاہ شیر میسور ابو الفتح فتح علی حضرت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن کا نام گرامی آرکاٹ کے ایک بزرگ حضرت سید شاہ ٹیپو اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے رکھا گیا ہے۔

شیر میسور حضرت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت 1163ھ مطابق 1752ء 20؍ ماہ ذی الحجہ بروز شنبہ

کی پہلی ساعت میں ہوئی ۔ جس وقت ٹیپو سلطان کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو عربی اور فارسی تعلیم کے علاوہ امور سپہ گری اور شہ سواری سکھانے کے لیے بڑے بڑے مشہور استاذ رکھے گئے ۔ ٹیپو سلطان پندرہ سولہ برس کی عمر میں خود کو ایک لائق شہزادہ اور بہادر سپاہی ظاہر کیا۔

انگریزوں سے پہلی جنگ کا آغاز 1767ء میں ہوا ۔ اس وقت حضرت ٹیپو سلطان کی عمر پندرہ یا سولہ سال کی تھی اس جنگ میں نواب حیدر علی خان نے اپنے لائق اور باکمال فرزند حضرت ٹیپو سلطانؒ کو سات ہزار فوج کو دے کر نگری کی طرف روانگی کا حکم دیا۔ حضرت ٹیپو سلطان نے قلعہ کو فتح کرلیا ۔

حضرت ٹیپو سلطان کی شادی 1774ء میں ہوئی اور حیدر علی کی وفات کے بعد حضرت ٹیپو سلطان نے 20 محرم الحرام 1192ھ مطابق 1782ء بروز یکشنبہ کو تاج شاہی پہنا ۔

عبادت حضرت ٹیپو سلطان ہر روز بلا ناغہ نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن مجید کرتے اور نماز کے اس قدر پابند تھے کہ مسجد اعلیٰ کی افتتاح کے موقعہ پر سوال اٹھا کہ سب سے پہلی نماز کون پڑھائے ؟ اس موقعہ پر بڑے بڑے علماء اور مشائخ آئے ہوئے تھے اور یہ طے پایا کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو وہی امامت کرے مگر کوئی امامت کے لیے آگے نہ بڑھے تو ٹیپو سلطان یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے کہ الحمدللہ میں صاحب ترتیب ہوں ۔

وفات 4 رمئی 1799ء ایک بجے کے قریب اپنے وزراء اور امراء کے ساتھ کھانا تناول کرنے کے لیے بیٹھے ۔ ایک لقمہ کھاے اس کے بعد دوسرا لقمہ اٹھا کر کھانا ہی چاہتے تھے کہ سید غفار وفادار کی شہادت کی خبر ملی ۔ آپ نے لقمہ کو ویسے ہی چھوڑ دیا اور دسترخوان سے اٹھے اور جنگ کے میدان میں پہنچے ۔ جب انگریزوں نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا تو آپ کے ایک افسر نے کہا : حضرت آپ خود کو انگریزوں کے حوالے کردیں تو بہتر ہوگا ۔

شیر دل سلطان نے غصہ سے جواب دیا :

”گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے “ آخر کار سات بجے کے قریب جام شہادت نوش فرمایا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۵

حضرت ٹیپو سلطان کی موت درحقیقت اسلامی جاہ وجلال کی موت تھی ۔ اسلامی شان وشوکت کی موت تھی ۔ ہندوستان کی آزادی کی موت تھی ۔ ہندوستان کی غیرت وخودداری کی موت تھی ۔

حضرت ٹیپو سلطان کی شہادت اور خاتمہ سلطنت خداداد کے بعد حضرت ٹیپو سلطان کے بارہ لڑکے لڑکیاں مع

دوسرے صدہا نفوس قلعہ ویلور میں قید کر دیے گئے۔

جب ہندوستانی فوج کے نئے انگریز کمانڈر نے ایک قانون یہ جاری کیا کہ ہندو اپنے کانوں میں حلقے ڈالنے اور کوئی مذہبی نشانی لگانے سے باز آجائیں اور مسلمان کو سر مونڈھنے اور داڑھی تراشنے پر مجبور کیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک ٹوپی صلیب کے نشان کے ساتھ پہننے کا حکم دیا تو ٹیپو سلطان کے اہلِ خاندان نے انکار کر دیا۔ انگریزی فوج متحرک ہوگئی اور بے حساب افراد قتل ہوگئے۔

حضرت ٹیپو سلطان کے دوسرے فرزند فتح حیدر کے تخت نشین ہونے اور سلطان ہونے کا اعلان کیا، دورِ سلطنتِ خداداد کا جھنڈا بلند کر دیا تو آرکاٹ کے ایک انگریز افسر نے تقریباً ساڑھے تین سو سپاہیوں کا خون بہادیا۔ میسوری شہزادے کلکتہ بھیج دیے گئے۔ مگر چار بیگمات اور شاہی خاندان کی دس عورتوں اور تقریباً چار سو منتعلقین شہداء کی قبریں آرکاٹ روڈ کی شمالی جانب موجود ہیں اور ایک مسجد ہے جو ٹیپو سلطان مسجد کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

جس میں شاہی مقبرے موجود ہیں۔ سلطان کے خاندانی قبرستان میں داخل ہوتے ہی 21 قدم کے فاصلہ پر دائیں جانب حسین و جمیل گنبد ہے۔ اس گنبد کے اندر دو قبریں ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ٹیپو سلطان کی زوجۂ محترمہ جنابہ بادشاہ بیگم صاحبہ کی ہے۔ جن کا انتقال ویلور میں ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۵ء کو ہوا۔

گنبد کے برآمدے میں جنوبی سمت چھ قبریں ہیں اور مشرقی طرف ایک قبر ہے۔ گنبد کے محراب پر ایک سنگین کتبہ نصب ہے۔ جس پر یہ تاریخی قطعہ مرقوم ہے: ؎

زد منیا زوجۂ سلطان والا ! چوں برتخت اوم شد مسند آرا

سروشم گفت نہفت او روان شد بادشاہ بیگم جناں را

۱۲۵۰ھ

باب الداخلہ سے دس قدم کے فاصلہ پر بائیں جانب ایک اور خوب صورت گنبد ہے۔ جس کا داخلی دروازہ جنوبی سمت ہے۔ یہ گنبد اسلامی طرزِ تعمیر کا شاہکار ہے۔ اس کے اندر دو قبریں ہیں جن میں سے ایک جناب مصطفےٰ صاحب کی ہے دوسری جانب انور صاحب کی ہے۔ یہ دونوں سلطنتِ خداداد کے اعلیٰ عہدیداروں میں سے تھے۔ جن کا انتقال ویلور میں ۱۲۳۳ھ اور ۱۸۴۳ء میں ہوا۔ اسی گنبد کے شمالی سمت سادہ پتھروں سے تراشے ہوئے آٹھ تھاموں پر مشتمل ایک سائبان ہے۔ جس کے درمیان ایک سادہ قبر ہے۔ اس قبرستان کے موجودہ ریکارڈ کے مطابق معلوم ہوا کہ یہ قبر ٹیپو سلطان کے وزیر پورنیا کی صاحب زادی کی ہے۔ پورنیا برہمن تھا۔ اس کی لڑکی کو سلطنتِ خداداد کے عہدیداروں میں سے کسی سے عشق

ہوگیا تھا اور وہ مسلمان ہو چکی تھی۔ اس کو اس قبرستان میں دفن کیا گیا۔ پورنیا کی لڑکی کا انتقال ویلور میں 1832ء میں ہوا۔
اس سائبان سے تقریباً دس قدم کے فاصلہ پر شمالی جانب بیضوی شکل میں تعمیر کردہ ایک چار دیواری ہے۔ جس کے درمیان ایک قبر ہے اور یہ قبر مسکین خواجہ کی ہے۔ جن کی وفات ویلور میں 1836ء میں ہوئی۔
باب الداخلہ سے تقریباً سو قدم کے فاصلہ پر دائیں جانب ایک چھوٹا سا خوب صورت گنبد واقع ہے۔ اس میں صرف ایک قبر ہے۔ جو آفتاب خوجہ کی ہے۔ جن کی وفات 1834ء میں ویلور میں ہوئی۔
اس کے برآمدے میں مشرقی سمت ایک قبر اس گنبد کے عقب میں بہت بڑا حوض ہے جس کی چوڑائی کم و بیش سو قدم ہے۔ اس حوض اور گنبد کے مدمقابل مغربی سمت ایک کھلے میدان میں قبریں ہیں۔ جن کی تعداد تقریباً دو سو ہوگی۔ ایسے ہی دیکھتے ہوئے آگے بڑھ جائیے۔ صدر دروازے سے تقریباً ایک سو دو قدم کے فاصلہ پر بائیں جانب مڑ جائیں تو ایک خوب صورت عمارت ہے۔ جو تین دروازوں پر مشتمل ہے۔ ایک چوکور بند عمارت کے درمیان خوب صورت قبہ تعمیر کیا گیا ہے۔ اس عمارت کے وسط میں تین قبریں ہیں۔ جن میں سے ایک حضرت ٹیپو سلطان شہید کی صاحب زادی جنابہ فاطمہ بیگم صاحبہ کی ہے۔ جن کی وفات 1250ھ م 1834ء کو ویلور میں ہوئی۔ عمارت کے اندرونی دروازے کے اوپر ایک سنگین کتبہ نصب کیا گیا ہے۔ جس پر یہ تاریخی قطعہ لکھا گیا ہے: ؎

دخت سلطان فاطمہ بیگم بنام	مسند آرا شد چوں در دارالسلام
سالِ نقلش خواستم از پیر عقل	گفت بروے رحمت رحمٰن مدام

صدر دروازے سے تقریباً 127 قدم کے فاصلہ پر دائیں جانب سنگ سیاہ سے تراشے ہوئے چار ستونوں پر مشتمل ایک حسین و جمیل سائبان جس کے درمیان سنگ سیاہ ہی سے تعمیر کردہ ایک قبر ہے جو حضرت ٹیپو سلطان شہید کے داماد جناب مرزا رضا حسین صاحب کی ہے جن کا انتقال ویلور میں 1247ھ مطابق 1831ء میں ہوا۔
اسی سائبان کے اوپر حصہ میں ایک سنگین کتبہ نصب کیا گیا ہے جس میں یہ تاریخی قطعہ لکھا گیا ہے: ؎

چوں کہ مرزا رضا حسین اے آہ	گفت سالِ وفات او ہاتف
رخت بربست زیں جہاں ناگاہ	جعل الجنة حق مثواہ

۱۲۴۷

صدر دروازے کے بالکل مدمقابل سب سے بڑا حسین و جمیل گنبد ہے۔ جس کے نقش و نگار قابلِ رشک و ستائش ہے اسی گنبد کے اندر دو قبریں ہیں۔ اور یہ دونوں قبریں نواب حیدر علی خان کی بیگمات کی ہیں۔ جس میں سے ایک جنابہ بلھا بیگم صاحبہ کی ہے۔

دوسری جنابہ بخشی بیگم صاحبہ کی ہے۔ جن کا انتقال ویلور قلعہ میں ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۴ء میں ہوا۔

بخشی بیگم کے متعلق تو خود نصب کردہ کتبہ ہے۔ گنبد کا داخلی دروازہ مغربی سمت ہے اس پر یہ تاریخی قطعہ لکھا گیا ہے ؎

چوں ز دُنیا بخشی بیگم بہر جنّت شد وداع — بہر تاریخش او ہاتف بگفت از در ورآہ

سال گنبد از غرائب سال رحلت ایں بگو — زیب جنّت زوجۂ حیدر امام سلطان بادشاہ

ایک سال کے بعد قبر کو ریختہ بنانے کے لیے کھولا گیا تو یہ دیکھا گیا کہ جنابہ بخشی بیگم صاحبہ کفن صحیح و سالم اور سفید تھا اور اسی وقت یعنی ایک سال بعد ہی یہ کتبہ نصب کیا گیا۔ گنبد کے برآمدے میں بھی جنوبی سمت تین قبریں ہیں۔ ان میں سے ایک سنگِ سیاہ سے بنی ہوئی ایک قبر ہے۔ یہ حضرت ٹیپو سلطان کی بڑی صاحبزادی مذکورہ داماد جناب مرزا رضا حسین صاحب کی بیوی ہے۔ اسی گنبد کے شمالی جانب ایک کھلے میدان میں ترتیب وار دو سو سے زائد قبریں ہیں۔ جنابہ بخشی بیگم صاحبہ نے ویلور قلعہ میں حراست کے زمانہ میں اس جگہ پر ایک خوب صورت مسجد تعمیر کروایا تھا۔ جو آج بھی صحیح و سالم موجود ہے۔

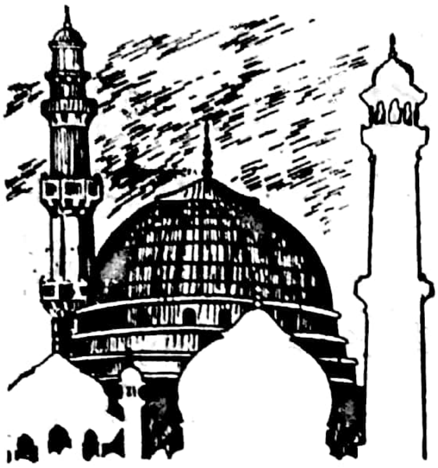
جناب محمود حسین صاحب کی تحریر کے مطابق سلطنتِ خداداد کے خاتمہ کے بعد جن صدہا متعلقینِ سلطنت کو ویلور کے قلعہ میں زیرِ حراست رکھا گیا تھا۔ ان دنوں نواب حیدر علی خان کی بیگم جنابہ بخشی بیگم صاحبہ نے اپنا زیور بیچ کر ویلور شہر کے مشرقی کنارے پر قبرستان کے لیے ایک وسیع جگہ خریدا اور اس جگہ ایک مسجد اور حوض تعمیر کیا تھا۔

اور اس تاریخی قبرستان کی نگرانی شاہی خاندان کی ایک خاتون منوّر بیگم کے ذمّہ تھی۔ منوّر بیگم نے ویلور میں موجودہ ایک سادات خاندان کے بزرگ حضرت سید شاہ فضل اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ذمہ داری سونپی۔ یہی خاندان کے دو پشتوں تک یہ نگرانی کرتا رہا۔

حضرت سید شاہ فضل اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مسمّٰی حضرت فضل اللہ قادری علیہ الرحمہ نے اس ذمہ داری کو تامل ناڈو وقف بورڈ کے حوالے کر دیا۔ ...

روشنی

☆ وہ سچائی جسے ثبوت کی ضرورت ہو آدھا سچ ہے۔
☆ علم جنت کے راستوں کا نشان ہے۔
☆ دل کا سکون چاہتے ہوں تو حسد سے دور رہو۔
☆ انسان کے سینے میں علم کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ۔
☆ بناؤ سنگھار کرنے والے اپنی بدنمائی اور بدصورتی کی تائید کرتا ہے۔
☆ دوسروں کی خامی کو بیان کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے کہ کیا وہ خامی آپ میں موجود نہیں۔
☆ ایک شخص دوسرے کا درد سمجھ تو سکتا ہے لیکن محسوس نہیں کر سکتا۔
☆ خدا کی یاد میں نکلا ہوا ایک آنسو بھی یا ایک قطرہ بھی تیری نجات کا باعث بن جائے



اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں
امانت و دیانت

ایم۔اے، محمد حنیف لطیفی ویلوری

قرآن نے بندۂ مومن کی جو صفات بیان کی ہیں ان میں سے ایک صفت امانت و عہد کی پاس داری ہے۔ نبیؐ رحمتِ عالمؐ کی پہلی اخلاقی صفت جس نے دوست و دشمن سب کو آپ کا گرویدہ بنا دیا۔ وہ امانت و دیانت ہی تھی۔ نبوت سے قبل آپؐ صادق و امین کے لقب سے مشہور ہو چکے تھے اور تمام لوگ آپؐ کی دیانت پر اعتماد کرتے تھے۔

دوست تو دوست دشمن بھی آپؐ کی امانت و دیانت کے معترف تھے۔ بعثت کے بعد مشرکینِ مکہ آپؐ کے جانی دشمن بن گئے اور آپؐ کی جان کے درپے ہو گئے۔ آپؐ کو جھٹلانے میں انھوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ لیکن اس ساری مخالفت اور دشمنی کے باوجود جب انھیں کسی کے پاس امانت رکھنے کی ضرورت پیش آئی تو آں حضورؐ کے علاوہ انھیں کوئی اور شخص نظر ہی نہیں آتا تھا جس کی امانت اور دیانت پر اعتماد کر سکیں۔ چناں چہ شدید دشمنی کے باوجود وہ اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھواتے تھے۔ جب قریش نے مکہ میں آپؐ کا رہنا دوبھر کر دیا اور آپؐ مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا دیا اور ان سے کہا کہ لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس ہیں انھیں ان کے مالکوں کو واپس کر کے تم مدینے چلے آنا۔ یہ آپؐ امین ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ کہ جب کہ آپؐ کی جان خطرے میں تھی۔ اس وقت بھی آپؐ کو سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ لوگوں کی امانتیں انھیں واپس مل جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی تمہارے پاس کوئی چیز امانت رکھے تم اس کو واپس کر دیا کرو اور جو تم سے خیانت کرے تم اس سے خیانت نہ کرو۔

امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ گرچہ عام طور پہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ امانت سے مراد مال و دولت میں امانت داری ہے۔ لیکن درحقیقت یہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہر نوع کی ذمہ داری سے متعلق ہے۔ مثلاً ایک تاجر کے لیے امانت سے مُراد لین دین میں راست بازی اور دیانت داری کا اختیار کرنا ہے۔ صنعت کار کی امانت اس صنعت کاری میں دیانت داری ہے۔

ملازم کی امانت فرائض کو صحیح طور پر ایمان داری سے ادا کرنا ہے۔ حاکمِ وقت کی امانت ملک ورعایا کی بہتری کے لیے کام کرنا ہے۔

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت وعہد کی پاسداری کے لیے بہت تاکید فرمائی ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں باتیں معاشرے کی اصلاح اور باہمی اتحاد و اتفاق کے لیے بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ امانت داری اور عہد کی پاس داری نہ ہونے کی وجہ سے انفرادی اور اجتماعی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ اور معاشرے کو گھن کی طرح کمزور و برباد کر دیتی ہیں۔ اس لیے آنحضرت صلعم نے ان دونوں باتوں کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور ایمان و دین کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ شاذ و نادر ہی کبھی ایسا ہوا۔ کہ رسول صلعم نے ہمارے سامنے کوئی خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں۔ جس کا عہد نہیں اس کا دین نہیں۔ لادین لمن لا امانہ لہ۔ آپؐ نے خیانت سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ آپؐ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ دھاگا اور سوئی تک ادا کرو اور خیانت سے بچو۔ اس لیے یہ خیانت قیامت کے دن عار اور ندامت کا باعث ہوگی۔

عہد کی پاس داری یعنی وعدہ پورا کرنا بھی اخلاقِ فاضلہ میں ایک اعلیٰ اخلاقی صفت ہے جو ہر دور میں قابلِ تکریم شمار ہوتی رہی ہے۔ اس دنیا میں جتنے بھی رسول اور پیغمبر آئے وہ ہر دور میں ایفائے عہد پر زور دیتے رہے۔ نیز یہ اللہ تعالےٰ کی صفت بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے: ان اللہ لا یخلف المیعاد ط بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

چوں کہ اللہ تعالےٰ خود وعدہ خلافی کو ناپسند اور ایفائے عہد کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے بندوں سے بھی یہی توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے وعدہ کی پاسداری کریں۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے: واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کی باز پرس ہوگی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عہد کی پابندی کا نہایت اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی تاکید فرماتے تھے چنانچہ آپؐ نے فرمایا: نہ اپنے بھائی سے جھگڑا کرو اور نہ اس سے بے جا مزاح کرو اور نہ وعدہ کی خلاف ورزی کرو۔

عہد کا لفظ ان تمام معاملات و معاہدات پر لاگو ہوتا ہے۔ جن کو زبان سے کہہ کر اپنے اوپر ذمہ لے لیا جائے کسی سے معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز عہد شکنی کرنے والے کی پشت پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا یہ فلاں شخص کی عہد شکنی ہے اور یہ چیز میدانِ حشر میں اس کی رسوائی کا سبب بن جائے گی۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ اللہ کے بندوں کی خوبیوں میں ایک خوبی یہ ہے کہ وہ کسی سے وعدہ کریں پورا کریں۔ اور جو قول و قرار کریں اس کے پابند رہیں۔ سمندر اپنا رخ پھیر دیں تو پھیر دیں، پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ٹل جائے مگر کسی مسلمان کی پیشانی نہیں کہ منہ سے جو کہے وہ اس کو پورا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو امانت کی ادائیگی اور ایفائے عہد کی توفیق عطا فرمائے۔

(بقیہ "التقوی فی شعر ابی العتاهیة) 187 کا بقیہ

یموت مطمئنا ویبعث هنیئا، فما دام حیاً رزقه الله من النعم والفضل من حیث لا یحتسب فاذا جاء اجله لا یخاف منه وبالعکس یستقبله لانه للمتقین جسر یوصل الحبیب الی الحبیب وفی الآخرة له ما یشاء من الترف والنعم فی جنات عدن أعدت للمتقین۔

بقیہ "معجزۂ شق القمر علم نجوم کی روشنی میں" ص 119 سے آگے:

مائل ہو جائے تو اس بزم اضداد کی پروان چڑھنے کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ کیونکہ پھر دوسری جانب کے لیے فنا یقینی تھی یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عظیم احسان ہے کہ اس معجزے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نظام علوی میں تطبیق کی صورت فرمائی اور دنیا کو دکھلا دیا کہ نظام علوی میں تطبیق بھی آپ ہی کی ملکیت اعلیٰ سے ہو سکتی ہے اور کسی میں یہ قوت قدس موجود نہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔



فضائلِ درودِ شریف

داعی حافظ فیاض احمد ترپانوری: زمرۂ سادسہ : دارالعلوم لطیفیہ : حضرت مکان ویلور

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ؕ

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا کرو۔

صلوٰۃ کی لغوی معنی مطلق دعا کے ہیں۔ جب خدا کی جانب منسوب کریں گے تو اس سے مراد استغفار ہوگا اور جب مومنوں کی جانب منسوب کریں گے تو اس سے مراد دعا ہوگا۔ اور سلام اس دعا کو کہتے ہیں جس میں داعی کو خاص غرض آسمانی بلیات سے محفوظ رہنا ہے۔ یہاں صلوٰۃ و سلام کو لاکر یہ بتانا مقصود ہے کہ رحمتِ خداوندی اور استغفارِ ملائکہ اور دعائے مومنین سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ مکان اور عظمتِ شان ہی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو مومن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے۔ وہ مسیّم زدن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچاتا ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سن کر انتہائی خوشی سے فرماتے ہیں کہ تو بھی میری جانب سے اس کو درود پہنچادے۔ پھر فرشتہ جناب الٰہی میں عرض کرتا ہے کہ فلاں بندہ نے تیرے حبیب پاک پر درود بھیجا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے تو دس پر رحمت اس پر پہنچا۔

ایک واقعہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص درود شریف دریا کے کنارے پڑھ رہا تھا اور وہیں پر ایک مچھلی اسے سنتی رہی۔ اتفاقاً ایک مچھیرا آیا۔ جال بچھا دیا۔ اتفاقاً وہی مچھلی جال میں پھنسی۔ جب اس کو پکایا وہ ہرگز نہیں گلی اس نے حیرت زدہ ہوکر حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے مچھلی کا حال معلوم کر کے فرمایا کہ دنیا کی آگ کیا دوزخ کی آگ بھی

اس کو نہیں جلا سکتی۔ حدیث ہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جنت پانچ قوموں کے لیے ہے۔

۱۔ قرآن شریف کی تلاوت کرنے والا۔ 2۔ اپنی زبان کو فضولیات سے روکنے والا۔

3۔ بھوکوں کو کھانا کھلانے والا۔ 4۔ ننگوں کو کپڑا پہنانے والا۔

5۔ خدا کے محبوب پر درود بھیجنے والا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ جیسے لوہے کو آگ میں ڈالنے سے اس کا میل (زنگ) دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح درود شریف پڑھنے والے کے گناہ نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اور جس وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اُمتی درود شریف پڑھتا ہے تو ملائکہ آسمان سے کشتی مرصع اس امتی کے سامنے لاتے ہیں اور درود کو کشتی میں رکھ کر مدینہ منورہ میں آپ کے سامنے لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے فلاں اُمتی نے آپ پر درود شریف بھیجا ہے۔ یہ سن کر آپ نہایت خوش ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لاؤ اس اُمتی کے اعمال نامہ کو۔ بحکم خداوندی اس کے اعمال نامہ پر نیکیاں لکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے کلام، زبان، تن، روح اور بینائی سے بھی قریب ہو جاؤں تو میرے حبیب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرو اور فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے: اے لوگو! ناقص درود نہ بھیجا کرو۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کو آگاہ فرمائیے، آپ نے فرمایا میرے آل و اصحاب پر بھی درود شریف بھیجا کرو تاکہ درود کامل ہو جائے۔ جیسے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ط

اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی یہ چاہے کہ میرا دشمن مجھ سے راضی رہے تو اس کو چاہیے کہ وہ مجھ پر درود شریف کثرت سے پڑھے۔ نیز فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی چاہے کہ قیامت کے روز حساب میں آسانی ہو اس کو لازم ہے کہ مجھ پر درود بھیجے۔ اور کوئی مجھ پر پچاس۵۰ مرتبہ درود بھیجتا ہے میں اس کی شفاعت کا ضامن ہوں۔

واقعہ ہے کہ ایک روز ابو جہل اور چند کفار ایک جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک سائل نے آکر سوال کیا تو انہوں نے کہا: حضرت علیؓ سے مانگ۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے پاس آیا۔ آپؓ نے اس کی مٹھی میں دم کر کے کہا: اس کو بند کر لو اور ان کافروں کے پاس جا کر کھولو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے ہاتھ میں ایک گوہر ہے جو قیمت میں ہزار دینار کا ہے۔ کافروں نے سائل سے پوچھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے کہاں سے دیا۔ سائل نے جو ماجرا تھا وہ بیان کیا۔ تب

کافروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا: یہ گوہر آپ کے پاس کہاں سے آیا؟ آپؓ نے فرمایا: سائل نے سوال کیا تو میرے پاس کچھ نہ تھا۔ مجھے شرم آئی کہ کچھ دیے بغیر واپس کروں۔ لہٰذا سائل کے ہاتھ پر درود شریف پڑھ کر دم کر دیا۔ اس درودِ پاک کو خدائے قدوس نے گوہر بنایا۔ یہ سن کر کفار کو نہایت حیرت ہوئی اور تین شخص اسی وقت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جب اللہ تعالےٰ نے حضرت حوّا علیہ السلام کو پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حوّا علیہ السلام سے ہوا تو ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے مہر طلب کیا تو آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا چیز ہے جو میں اس سے مہر ادا کروں! ملائکہ نے کہا کہ آپؑ تین۳ دفعہ درود شریف: اللّٰھمّ صل علےٰ سیدنا محمّدٍ وعلےٰ اٰل سیدنا محمّدٍ کما صلّیت علیٰ سیّدنا ابراھیم وعلیٰ اٰل سیّدنا ابراھیم اِنکَ حمیدٌ مجیدٌ ط پڑھیے۔ حضرت آدم علیہ السلام تین۳ مرتبہ درود شریف پڑھ کر مہر ادا کیا۔

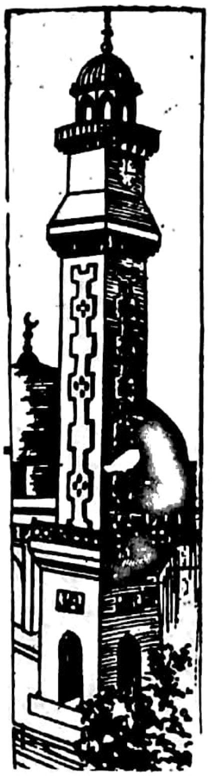
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میرا نام سنے اور درود شریف پڑھے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میرا نام سنے اور درود نہ پڑھے تو وہ بخیل ہے۔

اہلِ علم نے درود معظم کی بڑی فضیلت بیان کی ہے: وہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط اللّٰھم صل علےٰ سیدنا ومولانا محمدٍ وعلیٰ اٰلِ سیدنا ومولانا محمدٍ بعدد رحمۃ اللہ و بِعَدَدِ کلام اللہ وبِعدَ دِقَطْرَۃِ الْاَمْطَار وبعدد اوراقِ الاشجار وبعددِ رَمْلِ البحار والقفار وبعددِ الْجُنُوْبِ والشمالِ وبعدد مَنْ اظْلَمَ علیہ اللیل و اشرقت علیہ النہار وبعددِ انفاسِ الْمخلوقات وبعدد نجومِ السمٰوٰت وبعدد ذرّات الکائنات من کُل شیءٍ ومن الازل فی کل الخطۃِ اَلَفَ بِاَلْف مرّۃٍ علےٰ صحبہٖ وتبعین برحمتک یا ارحمَ الراحمین۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مومن بندوں کو کثرتِ درود شریف کی توفیق عطا فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین ط

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ۰ ۰



حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

ایم۔ مظفر احمد۔ زمرۂ ثانیہ: دارالعلوم لطیفیہ۔ حضرت مکان۔ ویلور

نام و نسب: عبداللہ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت۔ والد کا نام مسعود والدہ کا نام ام عبد شجرہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کابل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن مدرکہ بن الیاس مضر

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبد بن حارث کے حلیف تھے

ابتدائی حالات: ایام جاہلیت میں زمانۂ طفولیت عموماً بھیڑ بکریاں چرانے میں بسر ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ شرفاء و امراء کے بچے بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ گویا یہ ایک درس گاہ تھی۔ جہاں سادگی، جفاکشی، وفاشعاری اور راست بازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا، مکہ میں توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہؓ اسی درس گاہ میں تعلیم پا رہے تھے۔ اور عقبہ بن معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں۔

اسلام: ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مونس و ہمدم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس طرف سے گزرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: صاحب زادے تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ۔ بولے: میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے، جو نہ دودھ دیتی ہو۔ عرض کیا: ہاں! اور ایک بکری پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔ یہاں تک کہ تھن دودھ سے لبریز ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بکری کو علاحدہ لے جاکر دوہا۔ اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بعد دیگرے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن سے فرمایا: خشک ہوجا۔ اور پھر وہ اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔

اس کرشمۂ قدرت نے حضرت عبداللہ کے دل پر بے حد اثر کیا۔ حاضر ہو کر عرض کیا: مجھے اس مؤثر کلام کی تعلیم دیجیے۔ آپؐ نے شفقت سے ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا: تم تعلیم یافتہ بچے ہو۔ غرض اس روز سے وہ معلمِ دینِ مبین کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے اور بلا واسطہ خود مہبطِ وحی والہام سے ستّر سورتوں کی تعلیم حاصل کی۔ جن کا کوئی شریک وسہیم نہ تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمتِ با برکت میں حاضر رہنے لگے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خادمِ خاص بنا لیا انشاء اللہ آگے ایک خاص باب میں خدمت گزاریوں کی تفصیل آئے گی۔

جوشِ ایمان: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس زمانہ میں ایمان لائے تھے۔ جب کہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکّہ کی سرزمین میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نے اعلانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوتِ قرآن مجید کی جرأت نہیں کی تھی۔ چنانچہ ایک روز مسلمانوں نے باہم مجتمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا: اللہ کی قسم! قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پر خطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ تمہارا خطرہ میں پڑنا مناسب نہیں۔ اس کام کے لیے ایک ایسا شخص درکار ہے، جس کا خاندان وسیع ہو۔ اور وہ اس کی حمایت کرے اور مشرکین کے دستِ ستم سے محفوظ رہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جوشِ ایمان سے برانگیختہ ہو کر کہا: مجھے چھوڑ دو اللہ میرا حافظ ہے۔ غرض دوسرے روز چاشت کے وقت، جب کہ تمام مشرکین قریش اپنی انجمن میں حاضر تھے، اس وارفتۂ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہو کر سازِ توحید پر مضراب لگائی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد علّم القرآن کا سحر آفریں راگ چھیڑا مشرکین نے تعجب سے اور غور سے سن کر پوچھا: ابنِ امِّ عبد کیا کہہ رہا ہے۔ کسی نے کہا: محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیظ وغضب سے مشتعل ہو کر ان پر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا۔ لیکن پانی کے چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہیں اسی طرح حضرت عبداللہ کا شعلۂ ایمان اس ظلم وتعدی سے بھڑک اٹھا۔ مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی۔

ھجرت: حضرت عبداللہؓ کے جوش وغیرتِ ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکینِ قریش کو دشمن بنا دیا۔ یہاں تک کہ ان کے مسلسل اور پیہم ایذا رسانیوں سے تنگ آکر دو دفعہ سرزمین حبش کی صحرا نوردی پر مجبور ہوئے پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کر کے یثرب کی راہ لی اور یہاں پہنچ کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونوں میں بھائی چارہ کرا دیا اور مستقل سکونت کے لیے حضرت عبداللہؓ کو مسجد نبویؐ

(بقیہ صفحہ 184 پر ملاحظہ فرمائیے)

خوفِ خدا

حافظ ازیم اکبر شریف
ارکم متعلم دارالعلوم لطیفیہ
حضرت مکان۔ ویلور

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ۝

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ

ارشادِ خداوندی ہے : اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ۔

ارشادِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے : جو خوفِ خدا سے رویا اللہ نے اس پر آتش دوزخ حرام کی ہے ۔

اللہ تعالےٰ کا خوف جس دل میں ہو اس دل پر شیطانی حملوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا ۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے خالق و پالن ہار کا خوف دل میں رکھے ۔ حدیث میں ہے اللہ تعالےٰ کے نزدیک دو قطرے بہت پسندیدہ ہیں ۔ صحابۂ کرام رضی نے پوچھا : یارسول اللہ ! وہ کون سے دو قطرے ہیں : فرمایا : ایک خون کا وہ قطرہ جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد میں مجاہد کے جسم سے نکل پڑے اور دوسرا آنسوؤں کا وہ قطرہ جو مومن کی آنکھ سے خوف خدا سے نکل پڑے ۔

حضرت امام حسین رض جب وضو کرتے تو آپ کا چہرہ سرخ ہوجاتا تھا ۔ جیسے کہ آپ پر کسی کا خوف طاری ہو جب گھر والے پوچھتے کہ آپ کی یہ حالت ایسی کیوں ہوتی ہے تو امام حسین رض فرماتے ، کیا تمہیں معلوم نہیں میں کس کی بارگاہ میں حاضری دینے والا ہوں ۔

ایک اور آیت ہے کہ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ : اگر تم ایمان والے ہو تو لوگوں سے نہیں آیت دیکھ کر مجھ سے ڈرو ۔ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مومن کی یہ علامت ہے کہ وہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے ۔ اور جو کوئی اللہ کے خوف سے اپنی نفسانی خواہشات پر روک لگادے تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے ۔

تاریخ اسلام میں ایسے واقعات ہیں کہ اللہ نے بڑے بڑے گنہ گاروں کو اپنے خوف الٰہی سے رونے کے باعث بخش دیا اور ان کی مغفرت کردی ۔ ایک حکایت پیش ہے :

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کے دورِ خلافت میں ایک شخص تھا ۔ جو دن بھر برائیوں میں مبتلا رہا کرتا تھا کبھی کسی نے اس کو کوئی نیک کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا ۔ اس شخص کا انتقال ہوگیا ۔

حضرت صدیق اکبرؓ مسجد میں تشریف لائے تو جنازہ تیار تھا۔ آپؓ نے نماز پڑھائی۔ جنازہ قبرستان پہنچا۔ قبر میں اس بدکار کی میت اتاری گئی اور مٹی انڈھیلی جارہی تھی کہ ایک بڑھیا دوڑی چلی آئی اور حضرت سے عرض کی۔ یہ میرے بیٹے کی میت ہے میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ مہربانی فرماکر مجھے میرے بیٹے کا دیدار کرادیں۔ امیرالمومنین نے مٹی انڈھیلنے والوں سے کہا کہ مٹی ہٹاکر اس بوڑھی کو اس کا دیدار کرادو۔ امیرالمومنین کے حکم سے مٹی ہٹادی گئی۔

جب اس بدکار کے چہرے سے کفن ہٹایا گیا تو سب یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ میت کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کے مانند چمک رہا تھا۔ کسی کی سمجھ میں بات نہ آئی۔ تدفین کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ گھر چلے گئے۔ رات کو خواب میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ سرکارؐ فرمارہے تھے: صدیق کیا تم نے خدا کے ایک بدکار بندے کا حال دیکھا ہے؟

حضرت صدیق نے فرمایا: اسی معاملہ میں ہم سب حیرت زدہ ہیں کہ اس شخص نے کبھی بھی کوئی نیک کام نہیں کیا مگر خدا کو اس کی کونسی ادا پسند آگئی ہے کہ اس کے چہرے کو چودھویں رات کے چاند سے بھی زیادہ روشن کردیا ہے۔

سرکار نے فرمایا: اے صدیق! وہ شخص دن بھر برائیوں میں مبتلا رہتا تھا۔ لیکن جب رات کو بستر پر لیٹتا تو اس کا خوابیدہ ذہن واحساس جاگ اٹھتا اور وہ خوف خدا کے مارے کانپ اٹھتا تھا زار وقطار روتا۔ توبہ کرتا۔ صبح اٹھتا تو پھر وہ نفس وشیطان کے پھندے میں پھنس جاتا اور بدکاریوں میں مبتلا ہوجاتا تھا۔ اس طرح اس کا خوف سے رونا اور کانپنا رب کائینات کو بہت پسند آیا اور وہ اپنی رضامندی کا ایک ادنیٰ نمونہ تم لوگوں کو بھی بتادیا ہے۔

قرآن ہم سے مخاطب ہے: فاعتبروا یا اولی الابصار اے عقل رکھنے والو ان واقعات سے عبرت حاصل کرو۔

حاصل کلام! ہم کو چاہیے کہ ان واقعات سے عبرت پکڑیں۔ ایک دن ہم کو بھی مرنا ضروری ہے اور بارگاہِ خداوندی میں حاضری دینا ہے۔ وہاں ہر اچھے، برے کا حساب دینا ہوگا۔ اور اللہ کی پکڑ اور عذاب بہت سخت ہے۔ اس سے بچنے کا ہتھیار خوفِ خدا ہے۔ اور جس نے بھی اللہ کے حضور پہنچنے کے تصوّر سے خوف زدہ رہا اور اپنے نفس کو برائیوں سے روکا وہ یقیناً دنیا اور آخرت میں کامیاب رہا اور جنّت کو اپنا ٹھکانا بنالیا۔ ٭٭

اسلام اور تمدنی ترقی

حافظ محمد تبریز آمبوری: متعلم دارالعلوم لطیفیہ: مکانِ حضرت قطبؒ: ویلور

اسلام ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے، جو ہر زمانہ میں لوگوں کی ترقی و تعمیر کے لیے مددگار رہا ہے۔ اسلام نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو ترقی کی راہ دکھائی ہے۔

چناں چہ اسپین کی تاریخ بتاتی ہے کہ اسپین پر جب مسلمانوں کی حکومت تھی تو اسلام ہی نے تہذیب و تمدن کے حقیقی معیار کو پیش کیا اور جس کے فوجیوں کو دیکھ کر یورپ نے بھی تیزی کے ساتھ تمدنی ترقی کو اپنایا۔ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اسپین کے اندر اس کی سڑکیں، گلیاں نہایت پاکیزہ اور ستھری تھیں۔ وہاں کے لوگ بہت ہی پاکیزہ رہتے تھے۔ شہر کی غلاظتیں شہر سے دور پھینکی جاتی تھیں۔ مسلمانوں نے ایک اعلیٰ تمدنی زندگی کا نمونہ پیش کیا۔ اس کے برعکس مغربی ممالک کا یہ حال تھا کہ وہاں کے لوگ نہایت گندے لباس میں ملبوس ہوتے اور ان میں ذرہ برابر بھی پاکی اور صفائی کی بو باس نہ تھی اور ان کے مکانات، ان کی رہائش گاہیں پاکی اور صفائی سے کوسوں دور۔ بڑے بڑے عیسائی روساء کا حال بھی یہی تھا اور ان کے مکانات بھی نجاست و غلاظت سے بھرپور تھے۔ خود عیسائی اہلِ قلم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک انگریزی مورخ لکھتا ہے کہ اسپین میں مسلمان قوم صاف و ستھری رہتی تھی۔ ان کے مکانات بھی آئینہ کی طرح صاف ہوتے تھے۔ اسپین کی گلیوں اور کوچوں میں کوڑا کرکٹ کا نام و نشان تک نہ ہوتا تھا۔ اور جب رات ہوتی تو تمام شہر روشنی سے جگمگا جاتے تھے۔ اس کے برعکس ہمارے شہروں کی سڑکیں گندگی اور کوڑا و کرکٹ کے انبار مکانوں کے سامنے لگے ہوتے اور سورج چھپنے کے بعد سارا شہر تاریک ہوتا۔ اس لیے کہ وہاں روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔

ہر تاریخ داں پر یہ بات واضح ہے کہ مغربی ممالک کے لوگوں کے لباس پہلے کا ڈھنگ یہ تھا۔ حیوانات کی طرح زندگی گزارتے تھے درختوں کے پتّوں اور پتلی چھالوں کو جسم پر لپیٹ لیتے تھے۔ جب صلاح الدین ایّوبی وہاں پہنچا تو اس نے ایسا لباس پہننے اور تہذیبی و تمدنی زندگی کے صحیح طریقے ان کو بتائے۔

اسلام نے ہر دور میں جب بھی قوم اس کے دامن سے لگی اس کو راہ ترقی دکھائی اور اس کا لائحہ عمل انسانی زندگی کے لیے حامی و مددگار رہا ہے۔ تمام مفکرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسانی زندگی کے پانچ ایسے گوشے ہیں جن میں اگر صحیح رہنمائی کی جائے

تو انسان ہر دور میں ترقی کر سکتا ہے ۔ اور تمام ہلاکتوں اور بربادیوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے ۔ وہ پانچ گوشے یہ ہیں ۔ :

سیاسی برتری ، تہذیب معیار ۔ معاشی زندگی ، اقتصادی زندگی ۔ خارجی اور داخلی زندگی ۔

اور اسلام نے ان پانچوں گوشوں کو آج سے تیرہ سو سال پہلے پوری طرح حل کر دیا ہے ۔ اور اس نے ہر شعبہ میں انسان کی صحیح رہ نمائی کی ہے ۔

آج یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ اسلام نے جس پاکی وصفائی اور تہذیبی وتمدنی ترقی کی داغ بیل ڈالی مسلمانوں نے اُسے پس پشت ڈال دیا ہے ۔ سیاق میں ایک انگریز مورخ کا بیان ہے جو یورپ کی عدم صفائی سے متعلق ہے ۔ وہ آج مسلمانوں کے بعض شہروں پر پوری طرح چسپاں ہے ۔ ...

بقیہ مضمون " حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، صفحہ ۱۸۰ سے آگے)

کے متصل ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا ۔

علم کا شوق حضرت عبداللہ ابتدا ہی سے علم کے شائق تھے ۔ قبولِ اسلام کے ساتھ ہی انھوں نے عرض کی : یا رسول اللہ مجھے تعلیم دیجیے ، بشارت ملی : تم تعلیم یافتہ ۔ اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سرچشمۂ علم سے مستفیض ہوتے ۔ خلوت یا جلوت سفر یا حضر غرض ہر موقعہ پر ساقیِ معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ۔ لیکن طلبِ صادق کی پیاس نہ بجھتی ۔ یہاں تک کہ آپؐ جب داخلِ حرم ہوتے تو اپنی والدہ حضرت اُمِّ عبد کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے حالات بہم پہنچائیں ۔

وفات : حضرت عبداللہ کو جب سفرِ آخرت کا یقین ہو گیا تو انھوں نے حضرت زبیرؓ اور ان کے صاحب زادے عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا کر اپنے مال واسباب اور اولاد نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق مختلف وصیتیں فرمائیں اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۳۲ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا ۔ مستند اور صحیح روایات کے مطابق امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں سپردِ خاک ہوئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ...

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نادر کرامت

حافظ ذاکر، گنتکل۔ متعلم دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان۔ ویلور

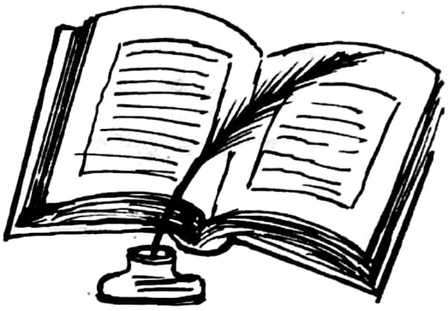
آج سائنس اتنی ترقی کرچکی ہے کہ وہ کوئی اندرونی باتیں، جو ظاہری آنکھ دیکھ نہیں سکتی X Ray اور اسکیان وغیرہ کے ذریعہ بہت ہی آسانی اور پورے یقین کے ساتھ بتادیتی ہے۔ لیکن یہ امر آج سے چودہ سو سال پہلے بہت ہی مشکل اور ناممکن تھا۔ ایسے زمانہ میں کوئی چھپی ہوی بات کا پتہ دینا کرامت سے کم نہ تھا۔ یہی بات ہمیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس پیش گوئی سے معلوم ہوتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وقتِ وصال قریب ہوا تو ارشاد فرمایا: اے پیاری بیٹی! مجھے بعد وفات تمہاری خوش حالی پسندیدہ ہے۔ اور تمہاری تنگ دستی سخت گراں ہے۔ میں نے تم کو بیس وسق کھجور عطیہ دیے تھے۔ تم نے اب تک قبضہ نہ کیا۔ اگر تم نے قبضہ کرلیا ہوتا تو وہ تمہارا مال ہوجاتا اور اب وہ سب وارثوں کا مال ہوگیا۔ اور وارث تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ تو قرآنِ عظیم کے حکم کے مطابق تقسیم کرلینا۔

حضرت ام المؤمنین نے فرمایا: ابّاجان! اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوی تو میں سب حصّہ چھوڑ دوں گی۔ لیکن یہ تو فرمائیے کہ میری بہن اسماء تو موجود ہے۔ ان کے علاوہ اور میری بہن کون ہے؟ ارشاد فرمایا: تمہاری ماں امید سے ہے اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ وہ ہونے والا بچّہ بیٹی ہے۔ تو وہی ہوا۔

یعنی آپ کے وصال کے بعد شہزادی پیدا ہوی۔ اس واقعہ سے یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ تولد ہونے والا بچّہ لڑکی ہی ہے۔ اس بات سے ایک اور بات یہ بھی معلوم ہوی کہ خدا تعالےٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کتنا زیادہ علم غیب دیا ہوگا! جب کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے نور کی ایک کرن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اتنا علم غیب عطا فرمایا تھا۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ ہم کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم سے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین سے سچی محبت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین !!!



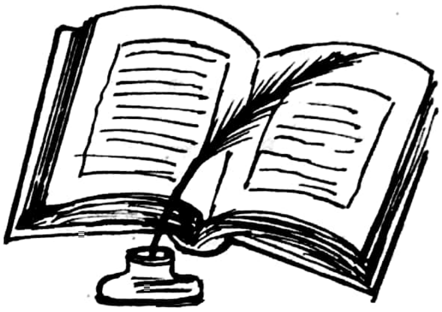
التقوىٰ فى شعر ابى العتاهية

افضل العلماء حافظ محمد فريد الدين امجد، كامل الفقه جامعۂ نظاميه : ايم اے؛ ايم فل؛ گورنمنٹ نائب قاضى ضلع ويلور

التقوى هو رأس العبادة ، فاذا أمعنا النظر فى الآيات القرآنية والاحاديث الشريفة وجدنا ان هدف جميع العبادات المكتوبة هو التقوى وهذا هو التقوى لابد للإنسان ان يتحلى به لتحصيل الهداية من القرآن الكريم كما جاء فى سورة البقرة "هدى للمتقين" وهذا هو التقوى الذى يتفوقون به المراء على الآخرين كما جاء فى الذكر الحكيم "ان اكرمكم عندالله اتقاكم" وللتقوى تعاريف عديدة منها : ترك المعصيت ، والعمل باوامر الله وامساك عن الشهوات النفسانية ، والاعتقاد ان الله سبحانه ينظر الى جميع اعماله ويعلم ما فى صدوره وللتقوى درجات فاعلاه هو الاحسان واما الاحسان فجاء تعريفه فى الحديث المشهور باسم "حديث الاحسان" وهو "اعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فهو يراه" فاذا نشأ هذا الشعور فى قلب الرجل كيف يعصى الله وكيف يخالف اوامره وهو فى يقين إن الله يراقبه دوما وهو مومن بهذه الاية : ان الله كان عليكم رقيبا ٥

والتقوى ينهى الرجل عن الشهوات النفسانية، والجهاد مع النفس اكبر من الجهاد فى سبيل الله ، كما ورد فى الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم : لما رجع رسول الله صلى الله عليه وسلم من غزوة تبوك قال :

"رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر" والمراد بالجهاد الاكبر : الجهاد مع النفس" واما من خاف مقام ربه وخشى ربه . فهو من الفائزين الناجحين كما قال الله عزوجل" واما من خاف مقام



التقوى فی شعر ابی العتاهیة

افضل العلماء حافظ محمد فرید الدین امجد، کامل الفقہ جامعۂ نظامیہ: ایم اے، ایم فل، گورنمنٹ نائب قاضی ضلع ویلور

التقوى هو رأس العبادة، فاذا أمعنا النظر فى الآيات القرآنية والاحاديث الشريفة وجدنا ان هدف جميع العبادات المكتوبة هو التقوى وهذا هو التقوى لا بد للإنسان ان يتحلى به لتحصيل الهداية من القرآن الكريم كما جاء فى سورة البقرة "هدى للمتقين" وهذا هو التقوى الذى ينفوقون به المراء على الآخرين كما جاء فى الذكر الحكيم "ان اكرمكم عند الله اتقاكم" وللتقوى تعاريف عديدة منها: ترك المعصيت، والعمل با وامر الله وامساك عن الشهوات النفسانية، والاعتقاد ان الله سبحانه ينظر الى جميع اعماله ويعلم ما فى صدوره وللتقوى درجات فاعلاه هو الاحسان واما الاحسان فجاء تعريفه فى الحديث المشهور باسم "حديث الاحسان" وهو "اعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فهو يراه" فاذا نشأ هذا الشعور فى قلب الرجل كيف يعصى الله وكيف يخالف اوامره وهو فى يقين إن الله يراقبه دوما وهو مومن بهذه الاية: ان الله كان عليكم رقيبا ۝

والتقوى ينهى الرجل عن الشهوات النفسانية، والجهاد مع النفس اكبر من الجهاد فى سبيل الله، كما ورد فى الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لما رجع رسول الله صلى الله عليه وسلم من غزوة تبوك قال:

"رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر" والمراد بالجهاد الاكبر: الجهاد مع النفس" واما من خاف مقام ربه وخشى ربه. فهو من الفائزين الناجحين كما قال الله عزوجل" واما من خاف مقام

ربه ونهى النفس عن الهوىo فان الجنة هى الماوى"۔ (۱)

وجاء فى سورة الرحمن : ولمن خاف مقام ربه جنتان ، والى الامور المذكورة اعلاه يشير ابو العتاهية فى الابيات التالية :

اشد الجهاد جهاد الهوى — وما كرم المرء إلا التقى

واخلاق ذى الفضل معروفة — ببذل الجميل وكف الأذى (۲)

يقول الشاعران كرامة الانسان مبنى على التقوى :

إتق الله بحمدك — قاصدا او بعض جهدك

اطع الله بجهدك — عامدا او فوق جهدك

اعط مولاك الذى — تطلب من طاعة عبدك (۳)

طوبى لمن لايزيد الاتقى — لله فيما يزيد من كبره (۴)

من طلب العز ليبقى به — فان عز المرء تقواه ! (۵)

فيارب هب لى منك عزما على التقى — اقيم به ما عشت حيث اقيم

اذا ما اجتنبت الناس الا على التقى — خرجت من الدنيا وانت سليم (۶)

الا ان تقوى الله اكبر نسبة — تسامى بها عند الفخار كريم (۷)

تدل على التقوى وانت مقصّر — ايا من يداوى الناس وهو سقيم (۸)

الا انما التقوى هى العز والكرم — وحبك للدنيا هو الذل والعدم

وليس على عبد تقى نقيصة — اذا صح التقوى وان حاك اوحجم (۹)

لا فخر الا فخر اهل التقى — غدا اذا ضمهم المحشر

ليعلمن الناس ان التقى — والبر كانا خير ما يذخر (۱۰)

انعم فتى التقوى فتى ضامر الحشا — خميص من الدنيا تقى المسالك (۱۱)

فجميع الابيات المذكورة اعلاه تدل على فضائل التقوى وصفاته واهل التقى والنقى فحقا ان اللہ جميع الوعود والنعم للمتقين كما جاء ذكرها فى آيات كثيرة فالمتقى يعيش سليما و

بقیه برصفحه 175

نعت

آپؐ ہیں سیّد البشر صلّی اللہ محمّدؐ

✡ ✡ سید سراج الدین منیر حیدرآبادی

محرمِ راز و حق نگر صلّی اللہ محمّدؐ　　لاکھ درود آپ پر صلّی اللہ محمّدؐ
شاہدِ ذاتِ معتبر صلّی اللہ محمّدؐ　　کون ہے تم سا دیدہ ور صلّی اللہ محمّدؐ
نورِ ازل تمام تر صلّی اللہ محمّدؐ　　شکلِ بشر میں جلوہ گر صلّی اللہ محمّدؐ
رازِ دروں سے باخبر صلّی اللہ محمّدؐ　　جادۂ حق کے راہبر صلّی اللہ محمّدؐ
بات یہی ہے مختصر صلّی اللہ محمّدؐ　　آپؐ ہیں سیّد البشر صلّی اللہ محمّدؐ
آپؐ بشر سہی مگر کون ہے آپؐ سا بشر　　نور ہی نور سر بسر صلّی اللہ محمّدؐ
آپؐ کو گر بشر کہوں خود کو حضور کیا کہوں　　مثلِ بشر تو ہیں مگر صلّی اللہ محمّدؐ
دیدہ و دل کی جستجو خواجۂ شہرِ آرزو　　کعبۂ دانشِ بشر صلّی اللہ محمّدؐ

آپؐ کا یہ غلام ہے محوِ دعا سلام ہے
چشمِ کرم منیر پر صلّی اللہ محمّدؐ



پیشکش: سید علی احمد قادری عرف کلیم

نبوّت میں رسالت میں محمّدؐ ہی محمّدؐ ہیں

✡ ✡ ✡ یس۔ محمد یوسف شمّاس اسسٹیشن سوپرٹنڈنٹ ادونی

قیامت میں شفاعت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں
ہر اک برکت میں رحمت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

اک جن کے وصفِ حسنہ کے رہے کفّار بھی قائل
صداقت میں امانت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

وہ عالمِ غیب کے عالم ہیں سردارِ رُسل بے شک
نبوت میں رسالت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

ازل سے اسمِ اعظم واسطہ نبیوںؑ کا مرسلؐ کا
بشارت میں خلافت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

دعا رحمت کی دی طائف میں پتھر کے ستم سہہ کر
ہدایت میں شرافت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

بہت آساں کیا تھا مسئلہ تنصیبِ اسود کا
قیادت میں عدالت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

پیامِ حق دیا تھا فاراں کی چوٹی سے جو عالم کو
خطابت میں فصاحت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

رواں اقصیٰ تا سدرہ ماورائے عرش معلّیٰ تک
امامت میں یا رفعت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

کبھی ہو چاند دو ٹکڑے کبھی سورج پلٹ آئے
کرامت میں یا قدرت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

چٹاں پاشی نویدِ مصر و فارس روم کے ایواں
شجاعت میں عنایت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

اسیرانِ جنگ کے پالے رہائی دودھ کا رشتہ
رعایت میں قرابت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

بہت دوری سے کر دیے تبصرہ مُوتہ کے میداں کا
سماعت میں بصارت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

وہی نجم الہدیٰ بدر الدجیٰ شمس الضحیٰ طٰہٰ
حسیں سیرت میں صورت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

جو پگھلے موم کی مانند ہر اک سنگِ خارا بھی
لطافت میں حلاوت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

ہر اک برگ و شجر غنچہ میں یا گل کی لطافت پر
ہر اک رنگت میں نکہت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

وہی نورِ مبیں ہے کہکشانوں کی ضیا شمّاس،
تمازت میں حرارت میں محمدؐ ہی محمّدؐ ہیں

نذرانۂ عقیدت

بہ یادِ

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت
مولانا مولوی

ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری

بہ موقعہ سالانہ فاتحہ

اثر خامہ: علیم صبا نویدی

پیشکش: محمد نعمان پاشاہ۔ بی، یو، یم، ایس۔ حضرت مکان
ویلور

حضرت مکاں ہے عظمت بداماں
ہے گوشہ گوشہ رحمت بداماں

ہے یادِ باقر پھر آج تازہ
دِل کے خیاباں رفعت بداماں

روضہ گلوں سے مہکا ہوا ہے
حضرت باقر جنّت بداماں

حضرت مکاں ہیں علم و عمل کا
اک بوستاں ہے نکہت بداماں

صدیوں کا اس پر مثبت اثر ہے
کہنہ فضا ہے جنّت بداماں

یہ خانوادہ اقطاب کا ہے
مینارِ حق ہے رفعت بداماں

کب کارگر ہیں اس پر حوادث
حضرت مکاں ہے جرأت بداماں

قربی و ذوقی کی برکتوں سے
سارا دکن ہے شوکت بداماں

محفل میں روحِ باقر بھی ہوئی
ساری فضا ہے وقعت بداماں

سایہ فگن ہے حضرت مکاں پر
نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نکہت بداماں!

اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ

علمی، دینی، اصلاحی اور معلوماتی

اللطیف ویلور

دار العلوم لطیفیہ، مکانِ حضرت قطب ویلور

Printed at : Tamilnadu Urdu Publications, Chennai-600 002.